

14520

8-1

Title - URDU KE HINDU ADEEB.

Creator - Nazim Kakeezvi

Publisher - Anwar Book Depot (Lucknow).

Date - 1939

Pages - 256

Subjects - Taqreeb Shara - Hindu; Taqreeb
- Teen - Taqreeb Hindu Musafeen -

فہرست مضامین

کتاب گرامی مولانا ضیاء الحسن صاحب علوی ایم۔ لے (علیگ)
کتاب جمیل پر فنیس فراق گورکھپوری جامعہ الہ آباد۔
ورد و باتیں محسن ادب رائٹ آفیز جمیل ستریتج بہادر سپرد پی۔ سی۔
یاد معصومہ ظہرت خواجہ حسن نظامی صاحب رحلوی۔

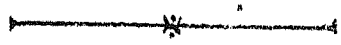
U4520

باب چہارم
سخنہائے ناگفتنی باب پنجم
اب ششم

انگریز مستشرقین ہیں۔

(۳) تقریباً صدیوں کی مشہور تاریخیں - ۶۱۳۹

(۱۷) مصرا یہ مشترک



ب

اشارات

نام شاعر	صفحه	نام شاعر	صفحه	نام شاعر	صفحه
(الف)	۰	اذر	۳۳	بخشی	۵۶
ابر	۳۴	آزاد	۵۳	بختناگر	۲۲۶
ابر	۵۱	آزاد	۵۵	بختناگر	۲۳۰
ابر	۵۱	آشفته	۳۳	(پ)	۰
اثر	۵۳	افق	۵۳	پردانه	۱۱
اثر	۵۲	افز	۵۲	پریم چند	۵۸
اثر	۵۲	انگسار	۵۲	پوری	۵۷
اثر	۵۳	(ب)	۰	(ست)	۰
اثر	۵۲	بامر	۵۶	تارا چند	۵۹
اثر	۵۴	بسل	۶	تسلی	۳۶
اثر	۵۱	بسل	۷	تنها	۳۶
اثر	۵۲	بسل	۵۶	(ج)	۰
احقر	۵۲	بیتاب	۵۶	باه	۶۳
اختر	۵۳	بهار	۳۴	جانگی	۳۷
ادیب	۳۳	برق	۵۶	جو	۳۶
ادیب	۵۰	برق	۵۶	جو	۳۷

ج

۳۰	راحت	۶۶	حشمت	۳۰	بهر
۳۰	ردنی	.	(خ)	۶۰	بگریزی
۳۱	ریحان	۳۸	خیالی	۲۳۸	جگدیش چند دورا
	رام	۳۸	خوشر	۶۱	جگدیش
۷۸	ردنی	۶۹	خوشر	۶۲	جگندر
۷۸	رتن	۶۹	خورم	۶۲	جوش
۷۸	روان	.	(و)		(چ)
۸۱	رعنا	۳۹	دیوانه	۲۳۸	چاند
۸۱	روپکاری	۷۲	دیوانه	۶۳	چکبست
۸۱	رام	۷۰	دیوانه	۶۵	پودهری
۸۱	راکے	۷۰	دیازائنگم	.	(ح)
۸۲	راجه	۳۹	دیپی	۳۸	حیرت
۸۳	رسوا	.	(ف)	۶۸	حیرت
۸۳	رسوا	۳۹	ذوق	۳۸	حریف
۸۵	رند		ذوق	۶۶	حریف
۸۱	روشنی	۷۴	زہین	۶۶	عنور
.	(ز)	۷۴	زکا	۶۷	عنور
۳۱	زار	۷۷	زنتشی	۶۷	ساب
۳۱	زخمی	.	(ر)	۶۷	سرت

ششم	۰	شش	۰	(س)
(ص)	۹۴	شیدا	۴۲	سحر
مبا	۹۵	شیدا	۴۳	سغن
صادق	۹۵	شعله	۴۴	سلیم
مهر	۹۵	شیوناته	۴۴	سرشار
مبا	۹۵	شعله	۸۶	سکینه رامپاد
مبا	۹۵	شور	۸۷	سکینه راجند
مبا	۹۶	شرما	۸۷	سندر
صبور	۹۶	شرما	۸۷	سوز
(ط)		شاد	۸۷	ساحر
طیش	۹۷	شاگر	۸۸	سزجهان آبادی
طالب	۹۷	شوق	۸۹	سمات
طاہر	۹۸	سرشار	۸۹	سرسبز محسن ادب
(ظ)	۹۸	شوق	۹۰	سپهر اندر نرائن
ظفر	۹۹	شفیق	۹۲	سحر
(ع)	۹۹	شاد	۹۳	سیال
عبرت	۴۴	شگفته	۹۲	سردش
عاجز	۴۴	شائق	۹۳	سیال
عاصی	۴۴	شاگر	۹۴	سدرشن
			۲۳۹	سیلا سہالہ

۱۱۶	گلشن	۱۰۹	فراق	۴۷	عاشق	۹۴
۱۱۷	گهر	۱۰۸	فراقی	۴۷	عبور	.
.	(م)	۱۰۹	فرحت	۴۷	عادل	۱۰۱
۱۲۰	مدن اریلی سکینه	۱۰۹	فرحت	۱۰۲	عاصی	۱۰۱
۱۱۳	مسرت	۱۰۹	فخر	۱۰۲	عال	۱۰۱
۱۱۴	مقبول	۱۰۹	فوق	۱۰۲	عشرت	۴۰
۱۱۴	محروم	.	(ق)	۱۰۲	عاشق	۴۰
۱۱۴	منکسر	۱۱۰	قیصر	۱۰۲	عشرت	۴۰
۱۱۸	منور	۱۱۰	قمر	۱۰۳	عشرت	۴۵
۱۱۴	میکش	۱۱۰	قمر	۱۰۳	عشرت	.
۱۱۵	ملا اندر نرائن	.	(ک)	۱۰۳	عشق	۱۰۱
۱۱۸	نهر	۱۱۰	کیف	۱۰۳	عیش	۱۰۱
۱۱۸	مفتون	۱۱۰	کتر	۱۰۳	عاصی	۴۵
۱۲۰	مولوی مشتاق	۱۱۰	کشته	۲۴۱	عیسی چرن	.
۱۱۸	مشتاق	۱۱۰	کیفی	.	(ف)	۱۰۱
۱۱۹	مددپوش	۱۱۲	کوفری	۱۰۳	نہیم	.
۱۲۱	مدن لال سکینه	۱۱۲	کوشک	۱۰۳	فنی	۴۵
۲۴۲	مانک رام	۱۱۲	کول	۱۰۳	نہیم	۴۶
.	نهر	.	(گ)	۱۰۳	فراق گورکھ پوری	۴۷

س

۲۴۹	وفا	۱۲۳	نور	۴۷	مثال
"	نامی	۲۴۳	نسیم		حسن
۲۴۹	ورما	۲۴۳	ناز	۲۴۲	ماہر
.	(۵۵)	.	(۹)	۲۴۲	ماہر
۱۳۰	ہاجر	۱۲۳	وفا	۲۴۲	موجی
۱۳۰	ہوش	۱۲۳	دھی	.	(ن)
	ہر چند	۱۲۳	وقار	۱۶۲	ناشار
		۱۲۳	وحشی	۱۶۲	ناشار

غلط نامہ

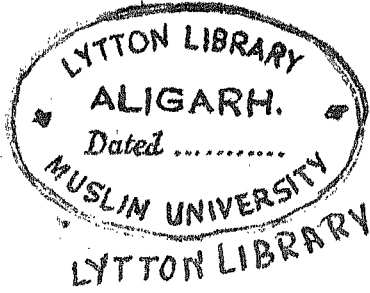
صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۰	فراق جامعہ الہ آباد	فراق پروفیسر جامعہ الہ آباد
"	۱۶	وہ یہ جہاں	وہ یہ کہ جہاں
۴	۴	درس تدریس	دوش بدوش
"	۱۳	سلسلہ کا شکریہ	سلسلہ کا بھی شکریہ
"	"	ہے اور سب سے زیادہ	ہے
"	۱۴	اس لیے سب سے زیادہ	اس لیے
"	۱۹	ساتھ	ساؤتھ
۵	۸	علی الزعم	علی الزعم

صفحہ	سطر	غلط مش	صحیح
۲۸	۱۲	فرزند علی صغیر	فرزند علی صغیر
۳۷	۱۲	جانگی بی بی	جانگی دیوی
۴۱	۱۵	منشی	منے
۴۳	۱۲	کورسی شکر	گوری شکر
۴۶	۱	المات	الہیات
۴۷	۱۳	متوال	مٹوال
"	۹	میاں سہاے	امبا سہاے
۴۹	۵	انگریزی زبان میں	انگریزی زبان ہندوستان میں
"	۹	اور تمام	اور یہی زبان اردو تمام
"	۱۰-۱۱	اور ہندوستان	اور یہ زبان ہندوستان
۵۷	۲	منغور	منغور
۵۹	۱۸	کاستھ سال کالج	کاستھ پاٹھ شال کالج
۶۳	۱۰	منوزہ کلام یہ ہے	
۶۷	۱۵	لالہ جہیم	لالہ جہیم
۷۰	۴	ستھوین	۷۰ دین
"	۱۳	ٹھھی	فٹی
۷۲	۱	رائے سرپ سنگھ دیوانہ	رائے سرپ سنگھ دیوانہ
۷۳	۱	گلشن ہند	صاحب گلشن ہند
۷۴	۱۷	۷۴ قاضی کلام کا نمونہ آئندہ پیش کرنا چاہیے۔	

صفحہ	سطر	غلد ص	صفحہ
۷۷	۱۰	مشہور لبرل لیڈر	سرسی والی چٹان منی مشہور لبرل لیڈر
"	۱۳	اساتذہ اساتذہ	اساتذہ الاساتذہ
"	۱۲	سفر و شاعری	شعر و شاعری
۸۷	۱	سرے	سرے
۹۰	۱۲	ابن سپرد	مشہور ایسی سپرد آئی۔ سی۔ ایس
۹۳	۴	میاں سدرشن کے نام سے	بدری ناتھ نام لیکن آجکل
"	"	مشہور ہیں	ہماشہ سدرشن کے نام سے مشہور ہیں
"	۳	قصص المہامات	قصص والہیات
۹۸	۱۵	زحیم	فہیم
۱۰۲	۱۵	کالیداس نے	کالیداس کے
۱۰۸	۱۰	رائے سرھنا تھ	رائے سرھنا تھ
"	۱۲	لطافت خیالی	لطافت خیال۔ مکر و قابلیت
۱۱۲	۵	کوثر	کوثری
"	"	کوثر ہی	کوثر بھی
"	۱۲	گانگرہ	گانگرہ

نوٹ (۱) حضور ہال کنڈورا کے سرب تکہ دیوانہ و نشی خوب چند ذکاوت ہمارا جو سنگھ آفتاب رائے رسوا
 و پڑت لکھا تھا کہ حالات متقدمین کے سلسلہ میں شائع ہونا چاہیئے تھے اب سو رائے مغذت کے کوئی چار و پانچ
 (۱۱) ہر شوالہ لکھ جو صرف غلطی یہ ہوئی ہے کہ ہر شعر کے بعد نشان لگنا رہ گیا ہے۔ اصلاح کر لی جائے ورنہ پڑھنے پر
 تباہت ہوگی خصوصیت سے قرآن کریم پوری اور روادان کے نمونہ کلام میں۔

(۳) کچھ حد درجہ نزاعت ہو کر یاد ہو رہا تھا کہ کوشش کے اس کتاب میں بہت کافی غلطیاں رہ گئیں۔ اسکی وجہ
 کہ سیرا قیام آرا میں رہا اور طباعت لکھنؤ میں ہوئی۔ لیکن اگر زندگی نے وفا کی اور اس کی اصلاح کر لی جائے ورنہ پڑھنے پر
 تباہت ہوگی۔ خصوصیت سے قرآن کریم پوری اور روادان کے نمونہ کلام میں۔



اُردو کے ہند ادیب

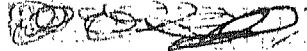
ناظر۔ کاکروی

ناشر:- انوار بک ٹوپو کھنؤ

س ۶۱۹۳۹
۱۳۵۸ھ

قیمت ۸۰

U. 1207



۹۲۸۰۹۱۲۳۱

۱۸۹۱۱۱

اُردو خدمات کے صلہ میں

۲۵۲۰

RE-ACCESSIONED.

موجودہ ہندوادیوں کے سرتاج کی نذر

ہزار کلسنی بین السلطنت ہمارا جہ سرکشن پر شاو بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای
صدر اعظم سلطنت آصفیہ کے اسم گرامی سے ان اوراق کو منسوب کیا جاتا
ہے کیونکہ سر بین السلطنت بہادر نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ باوجود ریاست
کی سیاسی مصروفیت کے تیس چالیس اُردو کتابیں تصنیف کر کے دور حاضر
کے ہندوادیوں میں ایک نمایاں امتیاز حاصل کیا ہے۔

خاکسار

ناظر۔ کاکوروی



پیش گفت

۱۳۳۷ھ میں مجھ کو ایک ادبی سہا میں محترمی نیاز صاحب پنجپوری سے مشورہ سے شرکت کے لئے گوالیار جانے کا اتفاق ہوا اور یہ ادراک پریشان ایک مختصر مقالہ کی حیثیت سے پیش کئے گئے اور حقیقت آگاہ مصور حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی نے اُس مقالہ کو اپنی محبت سے شائع کیا اور دس ہزار کی تعداد میں تمام ہندوستان میں مفت تقسیم کیا۔

مجموعی رائے صاحب فاضل دیارین نگم مدیر زمانہ نے اپنے رسالہ میں بھی اُسکو شائع کیا اسکے علاوہ دیگر حضرات نے بھی اُسکو پسند کیا اور سب سے بڑے عمر بزرگ ازبان برادر جاں برابر مولوی بشیر احمد علوی بی۔ اے سلمہ ہڈیا مسٹر محکمہ تعلیمات حیدرآباد نے میری توجہ اس مقالہ میں اضافہ کی طرف منقطع کی لیکن وقت گزر گیا بات رہ گئی۔ مجھے فراق (مسٹر گھوٹی سماے فراق) جامعہ الہ آباد نے بھی اس مرتبہ اس اضافہ پر مجبور کیا۔ حسن اتفاق سے محسن ادب ڈاکٹر سرپر دو کی ایک سرکہ آراء تقریر بھی مل گئی جو اس کتاب کے شروع میں بطور مقدمہ کے بہ صد افتخار شائع کی جاتی ہے اور اس بار مقدمین اور دور حاضر کے شعر کا کلام بڑھایا گیا ہے اور بالکمال ادب کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ایک باب سخماے ناگفتنی کے عنوان سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں ایک حدیث کی گئی ہے وہ یہ جہاں ڈاکٹر سرتیج بہادر کا ذکر کیا گیا ہے اُن کو میں نے محسن ادب کہا ہے اور جہاں ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا

تذکرہ ہے اُن کو مخدوم ادب لکھا گیا ہے امید ہے کہ اردو داں طبقہ اس جدت کو پسند کرے گا اور آئندہ ایسے گرامی قدر محسنین کو ایسے ہی ناموں سے یاد کرے گا۔

اس رسالہ کا مقصد نقد و تبصرہ نہیں ہے محض رسماً شعر اکوہ و شناس کیا گیا ہے اور شاعروں کے درجہ بدرجہ ادب کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں محسن ادب رابطہ آئینہ میل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرد کارہین منت ہوں کہ انھوں نے ادراہ شفقت اپنی تقریروں کے استقبال کی اجازت عطا کی اور حرفت بحرفت انکو مواظفہ بھی فرمایا۔ اس کتاب میں آپ کو شروع میں دو خط نظر آئیں گے ایک تو جناب براہِ رخصتا قبلہ غانصاحب مولوی ضیاء الحسن صاحب مولوی مدظلہ العالی انسپکٹر عربی مدارس درجہ شہزاد عربی امتحانات کا مکتوب گرامی ہے۔ دوسرے محبی قرآن گورکھپوری کا مکتوب جلی ہے۔ گو یہ دونوں خط بھی تھے لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ ان خطوط کو شائع کر دیا جائے۔

مجھ کو عزیز ازجان مولوی حسن بن ضیاء مولیٰ سلمہ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ عزیز موصوف نے اس کتاب کی تیاری میں مجھ کو بہت مدد دی۔ اسی سلسلہ میں شریعت آبادی (خلف اکبر شری) اکبر علی قناطین عظمیٰ کا الہ آباد کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے اور سب سے زیادہ عزیز مولیٰ محمد خلیل کا کوردی سلمہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اگر خلیل سلمہ اس مسودہ کو صاف کرتے تو یہ کتاب یہ طریق سے آراستہ نہ ہو سکتی۔ اسلئے سب سے زیادہ عزیز موصوف شکریہ کے مستحق ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق براہِ رجبان براہِ عزیز ازجان مولوی حافظ محمد حسین صاحب مولوی شمس فضل دیوبند و صاحب لکھنؤ یونیورسٹی کا کوردی ہیں کہ جنکی بغیر اعانتے یہ کتاب شائع ہی نہ ہو سکتی تھی۔

۱۱ جس غلوں نیت سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے امید ہے کہ اسی جذبہ کے تحت

برادرانِ وطن اسکی عزت افزائی فرمائیں گے۔ ۱۱

ناظر۔ کاکوردی

۳۶۔ ساٹھ ملا۔ الہ آباد۔

عید الفطر ۱۳۵۵ھ

(۱) مکتوب گرامی

ایگن روڈ - مورخہ ۸ نومبر ۱۹۳۹ء

عزیزی سلمہ - اسلام علیکم

آپ کے ہندو ادیب پر ایک سرسری نظر ڈال کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ
اُسکی تالیف میں بے حد آپ نے جانکا ہی - دیدہ ریزی اور دقت نظر سے کام
لیا ہے اور قدر شناس ضرور آپ کی محنت کی داد دینگے - ہندوستانی زبان جس طرح
مسلمانوں کی ہے اُسی طرح ہندوؤں کی بھی ہے - اس میں امتیاز قومی نتیجہ ہے اس
غضیہ کو شش کا جو ایک عرصہ سے جاری تھی اور علی الرغم ہندوستانیوں کے
ہندی اور اردو کشاکش کی صورت میں بار آور ہوئی ہر زبان کا ایک قالب ہوتا
ہے اور وہ زبان اسی قالب سے بھپانی جاتی ہے اردو یا ہندوستانی کا قالب
سنسکرت ہے پھر تکرار کس بات کی اگر اسکا جرم یہ ہے کہ اُس میں عربی کے
الفاظ کیوں سما گئے تو یہ الزام تاریخی ہے کہ مسلمان ہندوستان پر کیوں قابض
ہو گئے - اچھا قابض ہو کر وہ پھر محکوم ہو گئے تو اب بدلہ کا کون وقت رہ گیا
ہے جبکہ دو محکوم قومیں متحد ہو کر آزادی کی کوشاں ہیں ایک متحدہ کوشش
کے نتیجہ کو افتراق زبان کی صورت میں بدل دینا خود قومی اتحاد کی جدوجہد کے

منافی ہے اور ایسی حالت میں مسلمان اتحاد کا اتحاد قومی معلوم ۱۱

کسی زبان کی وسعت استعداد کی جانچ اسکے خالص مصادر سے ہوتی ہے
نہ کہ اسما سے جو ہمیشہ ہر زبان میں نشر ہوتے رہتے ہیں دیکھئے اردو کے سب

مصادر منفرد کتنے وسیع پیمانہ پر پراکرت سے ماخوذ ہیں پھر فحیل نا آشنا سنسکرت الفاظ کا از سر نو اضافہ اور خراہ پر چڑھے ہوئے غیر زبانوں کے مانوس لفاظ سے اُن کو برنا کو تازہ نظری کی دلیل ہے اور ایک سن رسیدہ کو بچہ بنانا ہے۔

» ہندوستانی زبان کا لوح جو اُس کے الفاظ اور لفظ سے ظاہر ہوتا ہے اُنکی اصلی دہ ہندوستانیوں کی خود استعداد لفظ ہے جس کی مثال دنیا میں عنقا ہے سنسکرت زبان عربی کی طرح ہندوستان کی آب و ہوا کے پروردوں کے لئے غیر ضروری کا حکم رکھتی تھی۔ اب وہ جتنی رائج ہے اس سے پہلے اس کے جاننے والے اس سے بہت کم تھے۔ یہی حال ہندوستانی عربی دانوں کا ہے ہندوستان کی پراکرت نے ایرانی سے میل ایک جڑی ہونے کی وجہ سے کھایا اور دوشیریں زبانوں کی دھاروں نے ملکر ایک شیریں سے شیریں نہر جاری پیدا کر دی جس نے بے رس دلوں میں بھی رس کی لہر دوڑا دی۔ یہ صرف فارسی چشیدہ پراکرت تھی جس نے خسرو جیسے نقاد جہاں سے یہ شعر ہندوستانیوں کی خصوصیات اور شان میں نکلوادیا ہے ۱۱

ہست دوم آنکہ زہند آدمیاں
جملہ گوہر ہند زبان ہا بیاں
خسرو کی مراد آدمیاں ہند ہندوستانی بلاتفریق ملت و مذہب ہیں اس لئے عربی و سنسکرت کے الفاظ کا بے ضرورت اردو میں دخیل کرنا اور نقل پیدا کرنا ایسے حضرات کے حسن و جمال کے فقدان کا پتہ دیتا ہے۔ انہوں نے اسکا ہے کہ انھیں ہے مجاہد کو ششوں کی بدولت اردو کی تبلیغ کے لئے اور اس ثبوت کے لئے

کہ ہندوستانی زبان ہندوؤں کا بھی ترکہ ہے اور ان کے سب رس کا بیان ہے
اس کتاب کی تالیف کی ضرورت پڑی۔

اسے سادہ لوح تعصب کے ماتے اب بھی کچھ چلتی کہ تم اپنی بد مذاقی اور
جہل مرکب کی بدولت اپنی قومیت کو ضعیف کرنے میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے
فقط۔ خیر طلب

(خافصاحب مولوی) ضیاء الحسن (علوی) ندوی

پی۔ ای۔ ایس۔ ایم۔ اے (علیگ)

اسپیکٹر عربی مدارس و رجسٹر ارب عربی امتحانات

(۲)

مکتوب جمیل

مجھی و مخلصی!

میں آپ کا دل سے شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی کتاب ہندو ادیب کا
مسودہ مجھے دیکھنے کا موقع دیا۔ کتاب کو جہاں جہاں سے دیکھا میری دلچسپی اور
میری خوشی بڑھتی گئی۔ ہندو تہذیب اور تاریخ مسلمانوں کے آنے سے قبل
سیکڑوں اچھی اور بُری چیزوں کی حامل تھی۔ ان اچھی چیزوں کی اچھائی میں
مجھے کوئی شبہ نہیں لیکن مسلمانوں کے ہندوستان میں آنے سے ادیبوں کی
آبادی میں اس طرح مل جانے سے جیسے گوشت و ناخن ملے ہوئے ہیں ہندو
تہذیب تمدن اور ادب کو سو فیصدی فائدہ پہنچا۔ اسی طاپ کا نتیجہ اردو زبان
اور اردو ادب ہے۔ اگر اردو مٹی تو ہندو اور مسلمان دونوں کا جینا کا رستہ ہے

میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ آج جس زبان کو اردو اور ہندی کے الگ الگ نام دے جا رہے ہیں اور جسے ہندی واسے بہت سے غیر ضروری سنسکرت الفاظ سے گرا بنا کر کے ملکی زبان سے دور ہٹے جا رہے ہیں اس کی اصلی صورت اور زندہ رہنے والی صورت کے خدو خال اور نقوش بہت کچھ اردو ادب میں موجود ہیں۔ ہندی کی تحریک کو میں صرف اس حد تک مفید اور مناسب سمجھتا ہوں جس حد تک اردو میں یا ملکی زبان میں عام فہم اور نرم سنسکرت الفاظ سے وسعت اور بڑھی ہوئی قوت اظہار پیدا ہو جائے۔ لیکن بنیادی زبان وہی ہوگی جس کی نثر اور نظم کو اب تک ہندو اور مسلمان اردو کے ادیبوں نے ترتیب دیا ہے۔ آج بھی جتنے ٹھیکہ الفاظ اور ملک کے ہندو مسلمان - غریب امیر عوام اور خواہں مرد اور عورت - بوڑھے اور بچوں کی بولی میں جس بے تکلفی اور سجاوٹ کے ساتھ اردو نثر اور نظم کی چند سطروں میں موجود ہیں اتنے آج کی ہندی نثر و نظم میں نہیں ملتے۔ اس لئے اردو کا خاتمہ کر کے ہم ہندو تمدن کے اُس حصے کا بھی خاتمہ کر دیں گے جس کے نشوونما میں چند پنڈتوں کو چھوڑ کر نانوے فیصدی ہندوں نے حصہ لیا ہے۔ اور اُس حصے کا بھی خاتمہ کر دیں گے جس سے مسلمانوں سے پاک ہندو تہذیب اور تمدن میں نکمار پیدا ہو گیا ہے۔

اب وقت اس کا آگیا ہے کہ ہندو اس غلط فہمی کے شکار نہ رہیں کہ اردو زبان و ادب صرف مسلمانوں کی دین ہے۔ اگر مسلمانوں نے ہماری زبان کو بچھو دیا تو جو کچھ ہمارے دیس کی بولی سے انھوں نے پایا تھا اُسی میں کچھ اپنی طرف سے ملا کر دیا جیسے قرضدار جہاں کی رقم میں سود کا اضافہ کر کے واپس کرتا ہے۔ ہم ہندوؤں کا تو اردو

مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ حق ہے اور اب ہمیں اُس پر فائز نہ ہونے کا چاہئے
 اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہم اپنا ہی نقصان کریں گے۔ جس طرح چند تنگ دل اور
 تنگ نظر ہندوؤں نے کروڑوں ہندوؤں کی اچھوت اور کدات بنا کر انہیں ہندو قوم
 اور ہندو مذہب سے الگ کر دیا۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے مسلمان ہم وطن
 بھائی بھائی کر رہے ہیں کہ اردو زبان اور اردو ادب کی نشوونما میں ہندوؤں کے
 کارنامے اور ہندوؤں کی شرکت بڑی درخشاں رہی ہیں۔ آج وہ پھر اُن میدان میں
 ہمارا خیر مقدم کر رہے ہیں اور ان کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو بھٹکا رو دینا ہمارے لئے
 اپنی شرافت اور اپنی سچائی کا ثبوت دینا نہ ہو گا۔ اب اردو لکھنؤ یا دلی کے چند اُن
 گناہ حلقوں کی چیز نہ رہی جس میں صرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے۔ اب اردو
 صرف اُن مٹھی بھر مسلمان حسناؤں کی چیز نہیں رہی جو اپنے کو اہل زبان کہتے
 تھے۔ یہ دیکھ کر بھی مجھے بہت خوشی ہوتی ہے اور میری امیدیں بڑھ جاتی ہیں کہ
 ہندی کے طلباء اور ادیب بھی اب اردو کو اپنانے لگے ہیں۔ رہے کچھ جو قوت جو حشر
 چھوت چھات کی نفخا میں سانس لے سکتے ہیں تو ان کے جیسے لاکھوں اب انگلیوں پر
 گنے جاسکتے ہیں۔ ہندو بہت جلد ہندوستان بھر میں اردو کو اپنا کر رہیں گے۔ اور آپ
 کی یہ کتاب اس مبارک تحریک کا پیش خیمہ بھی جاسکتی ہے۔

لیکن آپ نے یہ کیا سوچا کہ اس کتاب میں میرے متعلق اتنے مبالغہ سے کام لیا اور
 میری ناچیز شاعری کے نمونے اس کثرت سے اور بے ضرورت بھرے۔ یہی ایک عجیب آپ
 کی کتاب میں ہے اسکے لئے میں آپ کو معاف کر سکتا ہوں اور نہ کوئی دوسرا سمجھتا آؤں۔

الہ آباد۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۵ء
 نیا دلکش رنگبوتی سہاسے خزان ایم۔ اے
 رپورٹریس جاسمہ الہ آباد

دو دو باتیں

دعمن ادب رائٹ آرمیل ڈاکٹر سر تیجہ بھادیسہ وراہن۔ این۔ ڈی۔ صدر آل انڈیا انجمن ترقی اردو۔ الہ آباد
مجھے یہ دیکھ کر بڑا قتل ہوتا ہے کہ تقریباً چالیس پچاس سال سے یہ کوشش
ہو رہی ہے کہ عوام خیر فطری طور پر ایک بناوٹی زبان کو سیکھیں اور اس زبان
سے کنارہ کشی اختیار کریں جو فطری طور پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی میل جول
سے پیدا ہوئی ہے اور ان کی آپس کی رواداریوں اور صدیوں کی قربانیوں کا
نتیجہ ہے۔

لوگ مجھے جماعت سے بھٹکا ہوا ایک فرد کہتے ہیں لیکن کوئی بھدار آدمی
ایسے لوگوں کو اپنے آباد اجداد کا سپوت نہیں کہہ سکتا جو اپنے سلف کی قربانیوں
کو جان بوجھ کر بھلا بیٹھیں اور اپنی پائی ہوئی مقدس میراث کو سربازار شادیں۔
میرا یہ دعوئے ہے کہ وہ زبان یعنی اردو جو قطعاً وقت کی فطری ضرورت سے
پیدا ہوئی ہے مثالی نہیں جاسکتی اگر چند مٹھی بھر آدمی فرقہ دارانہ سوال پیدا کر کے
اکثریت کے زعم میں اُسے مٹانا چاہتے ہیں تو یہ ایک سودائے خام ہے اس تحریک
سے متاثر ہو کر مسلمان بھی اردو کو اپنی ہی زبان کہنے لگیں ہیں۔ لیکن یہ ان کی
محنت غلطی ہے اگر مسلمانوں نے اردو کی اشاعت میں بہت کچھ کیلئے تو ہندوؤں
نے بھی کسی حالت میں اردو کے ترقی دینے میں کمی نہیں کی اردو ہمیشہ سے ہندوؤں
اور مسلمانوں کی مشترکہ جائداد رہی ہے اور ہے اگر ہندو اردو کو تباہ کر دیتے ہیں تو اسکے
معنی یہ ہیں کہ وہ خود اپنی ہی جائداد کو تباہ کر رہے ہیں۔

سنسکرت کے موئے موئے الفاظ۔ ایک گروہ ہے جو اردو زبان میں سنسکرت کے نامافوس اور نہ کہنے والے الفاظ بلا ضرورت ٹھونس رہا ہے اور دوسری طرف جو اپنی طور پر عربی اور فارسی کے نئے نئے الفاظ زبان میں بھرے جا رہے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مشترکہ قومی زبان کا تو ذکر ہی کیا آئندہ ہمارے بچوں کو اپنی روزانہ زندگی میں معمولی بات چیت کرنے کے لئے بھی اپنے ساتھ ایک مترجم کے رکھنے کی ضرورت ہوگی۔ میری نظروں سے روزانہ اردو و ہندی دونوں اخبارات گزر رہے ہیں جن میں اب ایسے ایسے عجیب الفاظ دیکھنے میں آتے ہیں جن کو میں نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا عوام کا تو ذکر ہی کیا ان الفاظ کو اس زبان کے پڑھنے والے حضرات بھی پورے طور سے نہیں سمجھ سکتے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ دوسو برس کے مستقل الفاظ اور وہ الفاظ جو ایک مشترکہ زبان کی ترکیب و ترتیب میں بالکل گنل گئے ہیں انہیں کس طرح جن کر بکا لایا جاسکتا ہے اور کس طرح غیر مافوس اور اجنبی الفاظ کو مشترکہ زبان کی عبارت میں کھپانا ممکن ہو سکتا ہے جو لوگ اپنی طرف سے سنسکرت اور عربی کے اجنبی الفاظ کو اور پر سے لاکر اپنی زبان میں بھر رہے ہیں کوئی سمجھدار اور انصاف پسند آدمی ایسی بنائی ہوئی زبان کو ملک کی مشترکہ قومی زبان ماننے کیلئے تیار نہیں ہو سکتا میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ ہماری زبان میں کسی غلط جذبہ کے ماتحت سنسکرت اور عربی کے نامافوس الفاظ بھر رہے ہیں جنہیں ہماری زبان کسی طرح قبول نہیں کرتی تو آپ زبان کی خدمت نہیں کر رہے ہیں بلکہ آپ اس کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہم وہ زبان استعمال کرنا چاہتے ہیں جو دیہاتوں میں عام طور پر بولی اور بھی جاسکتی ہے۔ لیکن جبکہ ہر گاؤں اور قصبہ کی مقامی

بولی اور لہجہ میں فرق ہے اور اسی طرح دیہاتوں اور شہروں کے محاوروں اور الفاظ میں فرق ہے تو آپ کہاں تک ان کی تقلید کریں گے۔

زبان کا سوال ہندو مسلم سوال نہیں ہے۔ میں جو زبان بولتا ہوں اُسے میں نے کسی مولوی یا پٹنٹ سے نہیں پڑھا بلکہ وہ ہمارا پدری ترکہ ہے جس طرح باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں اسی طرح ہم پڑتے ہیں۔ میں اس وقت بھی جو آپ کے درمیان موجود ہوں تو اس وجہ سے نہیں کہ میں آپ لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو خوش کرنا چاہتا ہوں اور نہ میں اس معاملہ کو صرف آپ کا معاملہ سمجھ کر آپ کا ساتھ دینے آیا ہوں۔ بلکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ وہ ترکہ جو ہمارا پدری ترکہ ہے اُسے محفوظ کرنے اور محفوظ رکھنے میں حصہ ہی نہ لوں بلکہ ان چیزوں کو دو کردوں جو اسکے پامال کرنے میں استعمال کی جا رہی ہیں یہ ہمارا حق ہے اور بحیثیت ہندوستانی کے چار فرض ہے ہمیں اس معاملہ میں ایک دوسرے کا لحاظ کرنا ہو گا۔ ملک میں سیاسی اختلافات کتنے ہی کیوں نہ ہوں مگر زبان کا مسئلہ ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر ہاتھ ڈالا جائے یہ ضرور ہے کہ یہ زبان تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جانے کے لحاظ سے یکساں مرتبہ نہیں رکھتی اور نہ کسی زبان کیلئے ایسا ممکن ہے مگر پھر بھی ہر جگہ بھی جانے کی وجہ سے قومی زبان ہونے کا مرتبہ رکھتی ہے تو ایسی صورت میں کسی کا یہ کہنا کہ ہم فوسنکرت الفاظ استعمال کریں گے کہاں تک مناسب اور حق بجانب ہو سکتا ہے اور ہمارے لئے یہ کہاں تک جائز ہے کہ ہم کسی کے کہنے سے اپنے ادب کو خراب کر لیں اور ہم سب کچھ کھو دینے کے بعد اس کو ہندوستانی زبان بھی کہیں۔ ہندوستانی کی اصطلاح دھوکے کی ٹٹی ہے۔ میں ہندوستانی کو ایک

دوسرے کی طرح سمجھتا ہوں جس کے ذریعہ یقیناً خود غرض لوگ اپنے خود ساختہ پیمانہ سے زبان اور ادب کو ماننا چاہتے ہیں، حضرات میں آپ کی کوشش میں ہر طریقہ سے شامل ہوں، اگر آپ بھی اپنی قومی زبان کی وراثت کو اپنی اسی حالت میں محفوظ رکھیں اور اپنی قومی زبان اردو کو اردو کہنے سے نہ ڈریں اور اعلان کے ساتھ کہیں کہ ہماری زبان اردو ہے اور اسکی عبارت کو ایسی سلیس بنائیں کہ اسکی اشاعت روز بروز بڑھتی جائے تو میں ہر کیفیت سے آپ کے ساتھ ہوں۔ اگر کوئی صاحب اپنی طرف سے عربی کے الفاظ قصداً استعمال کریں گے تو وہ اردو کی خدمت نہ ہوگی اگر ہندوستانی اپنی قومی زبان میں سنسکرت کے الفاظ ڈھونڈ کر بھریں گے تو سمجھ لیں کہ وہ اُٹھتے بیٹھتے اپنی قومی زبان کی بنیاد کو ہلا رہے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اردو روز بروز ترقی کرے اور آپ میں یہ اخلاقی جرأت ہو کہ آپ لفظ اردو کو استعمال کرنے میں نہ شرمائیں اور خواہ مخواہ اس کے بجائے لفظ ہندوستانی استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ یہ زبان ہمارے آباؤ اجداد کا ایک ناقابل تقسیم مشترکہ اور مقدس تہ کہ ہے جن کی نہ روح بدلی جاسکتی ہے نہ نام۔

جس اختراع و تصرف کے ساتھ آج کل اردو کے ادیب ہاتھ ڈالا جا رہا ہے اس پر غصہ کو سخت اعتراض ہے اور میں ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ جس زبان کو دہلی اور کھنولہ کے اساتذہ نے دوسو ڈھائی سو برس مانجھ کر اس زمین پر پھونچا یا سہے اسکو اس طرح سے برباد کیا جائے میں اردو کو مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتا ہوں اردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہے اسکی پیدائش اور نشوونما میں دونوں نے

حصہ لیا ہے۔ اور میں اسکو ترکہ مشترکہ ناقابل تقسیم سمجھتا ہوں، مجھے اردو میں بلا ضرورت غیر مانوس الفاظ سن کر ادر عربی کی آمیزش پر یکساں اعتراض ہے۔ اگر اردو کے ادب پر یہ اعتراض ہے کہ بعض الفاظ دیہاتیوں کی سمجھ سے باہر ہیں تو ہندی میں خصوصاً اس ہندی میں جو آجکل بولی جاتی ہے صد ہا الفاظ ایسے ہیں جو دیہاتی نہیں سمجھتے میں ایک زمانہ میں یہ خیال کیا کرتا تھا کہ لفظ ہندوستانی بجا سے اردو کے زیادہ مستجاب ہو گا مگر اس عرصہ میں جو میرا تجربہ ہے اُس نے مجھے اپنی ریلے تبدیل کر دینے پر مجبور کر دیا ہندوستان میں اردو کا مستقبل کیا ہو گا؟۔ اس سوال کا جواب دینا آسان نہیں بہر حال میں امید کرتا ہوں کہ اگر وہ لوگ جن کو اردو سے دلچسپی ہے اور جو اردو کو اپنی زبان سمجھتے ہیں۔ اپنی کوشش میں کوتاہی نہ کریں گے تو وہ باوجود ان غلوں کے جو عملی طور پر اس زبان پر اس وقت ہو رہے ہیں اس کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں گے بلکہ اس کی توسیع بھی کر سکیں گے۔ میں اور صوبہ جات کی نسبت تو اس وقت تذکرہ نہیں کروں گا مگر یہ بات تو ضرور عرض کروں گا کہ صوبہ جات متحدہ ہمارا در پنجاب میں یہ زبان عام طور پر کم از کم تعلیم یافتہ طبقوں میں تو اس وقت تک مروج رہی ہے اور یہی رشتہ باہمی اتحاد کا ہندو مسلمانوں کے درمیان رہا ہے اگر اس رشتہ کو اس وقت توڑ دیا گیا تو میرے خیال میں ہندو اور مسلمانوں میں جو اختلافات ملک کی بد نصیبی سے اس وقت پیدا ہو گئے ہیں ان کو رفع کرنا قریب قریب غیر ممکن ہو جائے گا میں اردو کے مسئلہ کی اہمیت بمقابلہ ادرا سباب اختلاف کے بہت زیادہ سمجھتا ہوں کیونکہ ہر ملک میں اندرونی خیالات اور جذبات کے اظہار کرنے کا ایک ذریعہ مشترک زبان ہی ہوتا ہے۔

یہ میں جانتا ہوں کہ اردو کے مطالعے کیلئے کوئی احکام منجانب حکومت صادر نہیں ہوئے ہیں اور اب بھی عدالتوں اور دفاتروں میں اس صوبہ میں اردو ہی مستقل ہے لیکن عملی طور پر میں آجکل دیکھ رہا ہوں کہ معمولی عام فہم الفاظ جیسا تھوڑا بہت بھی تعلق فارسی یا عربی سے ہے وہ گفتگو اور تحریر سے خارج کئے جا رہے ہیں اور ان کی بجائے سنسکرت کے الفاظ جن سے کان آشنا نہیں ہیں داخل کئے جا رہے ہیں اس سے انکار نہیں کرتا کہ جس طرح یہ اعتراض ہندوں پر وارد ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض مسلمانوں پر بھی ایک حد تک ضرور وارد ہو سکتا ہے یعنی اردو کے بعض اخباروں اور رسالوں میں بجائے عام فہم الفاظ کے عربی اور فارسی کے مشکل اور ادق الفاظ استعمال کرنے کی کوشش ہوتی ہے افسوس ہے کہ اس کشاکش میں وہ اردو جس نے دہلی اور لکھنؤ میں نشوونما پائی اور جس کے گرد ویدہ تمام ہندو اور مسلمان تھے تباہ ہوتی چلی جا رہی ہے۔

میں ان دلائل سے بخوبی واقف ہوں جو آجکل ایک نئی زبان کے پیدا کرنے کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں کسی ملک میں زبان کی ترقی کا معیار دیہاتی محاورہ پر قائم نہیں کیا جاسکتا ہر ملک کی شہری اور دیہاتی زبان میں فرق ہوتا ہے اگرچہ بنیاد ایک ہی ہوتی ہے پس یہ کہنا کہ ہم کردہ زبان بڑھنا چاہئے جو کہ دیہات میں سمجھی جاتی ہے میرے خیال میں نہ صرف اردو کو بلکہ ہندی کو بھی تباہ کرنا ہے اگرچہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو عام فہم الفاظ استعمال کئے جائیں لیکن یہ بھی میں جانتا ہوں کہ علمی اور ادبی زبان بازارِ آراء سے مختلف ہوتی ہے اور علم و ادب اور فلسفہ و شعر و سخن کیلئے لازم ہے کہ زبان

ذخیرہ بہت کافی و دافی ہو۔ اور اس لئے میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ جو الفاظ صد ہا
 سال سے مقبول عام ہو گئے ہیں ان کو اس وقت زبان سے خارج کیا جائے۔
 چند دنوں کی بات ہے کہ ایک قانونی دستاویز میرے سامنے مشورہ کے
 لئے رکھی گئی پر آٹھ دس صفحہ کی دستاویز تھی مگر اس میں مشکل سے دس پندرہ الفاظ
 تھے جن کو میں سمجھ سکتا تھا باقی الفاظ کے لئے مجھے ایک اور صاحب کی امداد کی
 ضرورت پڑی جو سنسکرت سے بخوبی واقف تھے۔ اس دستاویز میں جا بجا منقولہ
 اور غیر منقولہ جیسے عام فہم الفاظ کے بجائے چل سہتی اور اچل سہتی درج تھے جنکو
 میں نے اپنے چوالیس برس کے تجربہ میں کسی قانونی دستاویز میں آج تک نہیں پایا
 تھا۔ ایک اور لفظ ہے جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلاؤں گا۔ خزانچی کا لفظ ایک
 ایسا لفظ ہے جس کو صرف ضلع بجنور کے دیہاتی ہی نہیں بلکہ بلیا۔ سہتی اور گورکھپور
 کے اضلاع کے دیہاتی بھی سمجھ جائیں گے مگر اس کے بجائے جو لفظ آجکل ایک
 طبقہ میں رائج کیا جا رہا ہے وہ کوشا دھیکش ہے چنانچہ میں نے اپنے چند دوستوں
 کے سامنے دو ملازموں کو رجن میں سے ایک ہندو تعلیم یافتہ شخص ہے اور جو روزمرہ
 ہندی اخبار پڑھتا ہے، بلایا اور کہا کہ جاؤ کوشا دھیکش کو بلا لاؤ۔ یہ سنکر ملازم نے
 بار بار مجھ سے پوچھا کہ میں سمجھا نہیں کہ آپ کس کو بلانا چاہتے ہیں۔ اسکے بعد اس
 ہی کے سامنے نے ایک عیسائی ملازم سے جو کہ گوا (Gow) کا رہنے والا ہے کہا کہ
 جاؤ خزانچی کو بلا لاؤ۔ وہ یہ سنتے ہی فوراً میرے اس محرر کو بلا لایا جو روپیہ پیسہ
 کا حساب رکھتا ہے۔ مجھے کوشا دھیکش کے لفظ پر اعتراض نہیں ہے ممکن ہے
 پچاس ساٹھ برس کے بعد یہ لفظ مقبول عام ہو جائے مگر یہ میری سمجھ میں نہیں آتا

کہ اس وقت کون سی ایسی قومی یا سانی ضرورت لاحق ہوتی ہے جس کی بناء پر خزانچی جیسے عام فہم لفظ کو چھوڑ کر کوٹا دھیکش کو رائج کیا جا رہا ہے۔

اب اسکے مقابلہ میں ایک اور مثال دو لگا لفظ تھرمائیٹر *Thermometer* اگرچہ انگریزی لفظ ہے لیکن ہر متوسط طبقہ کے گھر میں یہ لفظ سمجھا جاتا ہے مگر میں نے اپنے ایک مسلمان دوست کو اسکے بجائے آئرمقیاس الکھرات کہتے سنا ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ عرب میں اس وقت رائج ہو۔ لیکن ہندوستان میں تو میں اس کو اردو کہنے کیلئے تیار نہیں ہوں جیسے کہ ہم نے ہزار ہا الفاظ عربی فارسی سنسکرت اور ہندی کے اردو میں داخل کر لئے ہیں اسی طرح انگریزی کے الفاظ بھی ہماری زبان میں داخل ہو گئے ہیں اور وہ عام فہم ہو گئے ہیں مثلاً اس صوبہ میں کلکٹر، کمشنر، جج، ہائیکورٹ، ریلوے، اسٹیشن، بالٹکل، موٹر ایسے الفاظ ہیں جو ہر شخص سمجھتا ہے اور جو ہماری زبان میں جذب ہو گئے ہیں میرے خیال میں ایسے الفاظ کا ترجمہ عربی۔ فارسی۔ سنسکرت یا ہندی کے الفاظ میں کرنا زبان کے ساتھ بدسلوکی کرنا ہے اور اسکی روز افزوں ترقی اور وسعت کو روکنا ہے۔

مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے کہ ہندو ہندی کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں اور نہ اس پر اعتراض ہے کہ مسلمان عربی یا فارسی پڑھتے ہیں مگر اس پر ضرور اعتراض ہے کہ اس زبان پر جس کی بنیاد ہندو اور مسلمان دونوں نے ڈالی ہے اور جس کی ترقی میں دونوں نے پچھلے زمانہ میں کوشش کی اور جسکو میں مشترکہ زبان ہندو اور مسلمانوں کی سمجھتا ہوں اسکو ہندو اور مسلمان اپنی تنگ نظری اور تنگ خیالی کی وجہ سے تباہ کریں۔ میرے خیال میں اس میں ہندوؤں کی محض اسوجہ

کہ ان کی تعداد زیادہ ہے زیادہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی طرف سے عملی طور پر اردو کو کہ جس کو میں مشترکہ زبان سمجھتا ہوں خراب نہ کریں اس زبان کا تعلق اس تہذیب سے ہے جس کو نہ میں اسلامی تہذیب کہتا ہوں اور نہ ہندو تہذیب بلکہ وہ ہندو مسلمانوں کی ایک مشترکہ تہذیب ہے جو مغلوں کے وقت میں پیدا ہوئی اس تہذیب نے ہندو مسلمانوں کے درمیان ہم مذاقی کا لطف پیدا کر دیا جو اب تک باوجود دیگر انقلابات کے قائم ہے۔

ہیں یہ بات بھول نہ جانا چاہیے کہ اردو کا یہ مسئلہ محض زبان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر درحقیقت تہذیب کا مسئلہ ہے (میں اس لفظ تہذیب کو اس کے وسیع معنی میں استعمال کر رہا ہوں) پس اکابر قوم کا فرض ہے کہ وہ اس بات پر غور کریں کہ اگر ہم نے یہ تہذیب مٹا دی تو پھر اس کے بجائے کونسی تہذیب قائم کرنے کے لئے تیار ہیں۔

دیباچہ

(حقیقت آگاہ شریعت پناہ مصورہ حضرت علامہ حسن نظامی صاحب دہلوی مدظلہ العالی)

جب یہ مضمون دیا ست گوالیار کے جلسہ اردو میں مولانا ناظر صاحب کا کوروی نے اہل جلسہ کو سنایا تو تمام سامعین پر اسکا اثر ہوا۔ میں ناظر صاحب سے واقف نہ تھا اور نہ پہلے کبھی اُن کا نام سنا تھا۔ ان کی کوئی تحریر دیکھی تھی مگر یہ مضمون سننے کے بعد مجھ پر ناظر صاحب کی انصاف پسندی اور حق پرستی اور معلومات عامہ کی بجاقت کا اسقدر اثر ہوا کہ میں نے اسی وقت ان سے اس مضمون کے شائع کرنے کی اجازت مانگی چنانچہ انھوں نے مجھے اجازت دی اور میں اس کو بلا قیمت تقسیم کرنے کے لئے شائع کرتا ہوں۔

منشی نو لکشور۔ مولانا ناظر کا کوروی نے منشی نو لکشور صاحب کا اس رسالہ میں تذکرہ کر کے حامیان اُردو کا ایک بڑا فرض ادا کر دیا اور نہ اُن سب پر بے انصافی کا الزام لگایا جاتا۔ درحقیقت انصاف کا یہی تقاضہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس بات کا خیال رکھیں کہ خادمان ملک کی خدمت کا اقرار کیا جائے تاکہ دوسرے لوگوں میں خدمت ملک و ملت کا جذبہ پیدا ہو۔

منشی بلاتی داس۔ اسی سلسلہ میں دہلی شہر کے مشہور تاجر کتب منشی بلاتی داس صاحب کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید چھاپا کرتے تھے وہ ہندو ہونے کے باوجود قرآن مجید کی طباعت میں اس قدر احتیاط اور ادب ملحوظ رکھتے تھے کہ کسی مسلمان سے بھی اتنا ادب شاید نہ ہو سکتا ہو گا یہاں تک

کہ جس کو دام میں مطبوعہ قرآن مجید رکھے جاتے تھے اس کی چھت پر ایک بالا خانہ بھی تھا مگر منشی بلاتی داس نے اس بالا خانہ کے زینہ کو مقل کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ جب تک قرآن مجید اس مکان کے اندر ہوں اور یہاں کوئی شخص اسے نہ کرے تاکہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو۔

اور اوراق کی حرمت کا صلہ۔ قرآن مجید کی طباعت کے وقت بکثرت اوراق چھپائی کی خرابی کے سبب منشی بلاتی داس کے یہاں ردی ہو گئے تھے انھوں نے اس ردی کو بھی بہت ادب اور عزت سے ایک جگہ محفوظ رکھا تھا۔

حضور نظام کی قدردانی۔ اور جب اعلیٰ حضرت سلطان العلوم میر عثمان علیخان حضور نظام غلام اللہ ملکہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے آٹھ ہزار روپے منشی بلاتی داس کو دے اور وہ تمام اوراق متبرکہ اُن سے لے لئے۔

بلایہ قیمت تقسیم کرنے کی وجہ۔ میں رسالہ اسلئے بلا قیمت تقسیم کرتا ہوں کہ حامیان اردو اور مسلمان قوم کی رواداری اور صلح جوئی اور بے تعصبی سب کو معلوم ہو جائے اور مسلمانوں میں اس قسم کے مضامین لکھنے کی رغبت بڑھے لیکن اسکے ساتھ ہی میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ جس طرح اردو کے حامیوں اور ادیبوں کا یہ تذکرہ شائع کیا گیا ہے اسی طرح میں ان لوگوں کا تذکرہ بھی شائع کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اردو کی مخالفت میں حصہ لیا یا اردو کو کسی طرح نقصان پہونچانا چاہا تاکہ حق و باطل میں تیز ہو جائے اور وہ لوگ جو منافقت اور ظاہر داری سے حامیان اردو کو فریب دے کر احمق بناتے ہیں ان کی اصلی صورت سب کے علم میں آجائے اس معاملہ میں بھی میرا انصاف خدا کے حکم کے بموجب قائم رہے گا کیونکہ خدا نے

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولَئِكَ لَئِيْلًا (بدلہ لینے میں یقیناً تمہارے لئے زندگی ہے اسے عقل والوں) پس جس طرح میرے دل میں دوسروں کے ساتھ چاہے وہ دشمن ہوں یا دوست عدل کا جذبہ موجود ہے۔ اسی طرح میں قصاص کا جذبہ بھی رکھتا ہوں۔ اور میں ان لوگوں میں نہیں ہوں جن کے کلمہ پر طمانچہ مارا جائے تو دوسرا کلمہ بھی سامنے کر دیتے ہیں کہ لیجئے اور مار لیجئے بلکہ میں ان لوگوں میں ہوں جنکے کلمہ پر اگر کوئی ایک طمانچہ مارے تو وہ ایک طمانچہ مارنے واسے کے کلمہ پر قصاص لینے کیلئے ویسا ہی ایک طمانچہ مارتے ہیں مگر ایک طمانچہ سے زیادتی نہیں کرتے کیونکہ قرآن شریف میں زیادتی کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

اُردو پر حملے میں محسوس کرتا ہوں کہ آجکل اُردو زبان کے خلاف ایک بہت بڑی جنگ برپا ہے اور وہ ایسی عقلندی سے شروع کی گئی ہے کہ اُردو ہونے واسے یا اُردو کو اپنی زبان سمجھنے واسے جانتے بھی نہیں کہ ان کی زبان اُردو کے خلاف ایک خونخوار جنگ شروع ہو گئی ہے۔ یہ جنگ اردو ہوں چال کے خلاف نہیں ہے بلکہ اُردو رسم الخط کو مٹانے کے لئے نہایت حکمت کے ساتھ شروع کی گئی ہے اور نیشنلسٹ مسلمان بھولے پن یا خود غرضی کے سبب مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ بے پردہ راہ رہیں ان کی زبان کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

مجھے بھی فریب دینے کی کوشش کی گئی۔ دہلی میں ابھی حال میں ایک ہندی کانفرنس ہوئی تھی اور اُس کے پندرہ دن اسی نامزد سے میرے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپ اپنی ایک سوچیں تصنیفات ہندی رسم الخط

میں تبدیل کر دیجئے۔ یہ لوگ نیشنلسٹ مسلمان کا تعارف نامہ لے کر گئے
تھے اور مجھے اپنی بیٹھی باتوں سے فریب دینا چاہتے تھے جب ان کی ہمت اتنی
بڑھی ہوئی ہے تو معلوم نہیں کہ وہ کمزور عقل کے نیشنلسٹ مسلمانوں کو کس قدر
مغالطہ دیتے ہوں گے اسلئے میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں شدھی اور تبلیغ کی
گذشتہ جنگ کی طرح اس جنگ میں اُردو کے لئے میدان میں سینہ سپر کام کروں گا
اور جن لوگوں نے گذشتہ چھ برس کی لڑائی کا تاثر دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ میں
میدان جنگ کو پیٹ نہیں دکھاؤں گا۔



ہندوستانی علم و ادب کا سب سے ممتاز دور وہ ہے جس کا آغاز تاریخ ہند میں دشنویوں کے عہد سے کیا جاتا ہے یہی وہ تھے جنہوں نے سولہویں صدی عیسوی میں تصوف سے متاثر ہو کر سماج کے شیرازہ کو اخوت عامہ کے اصول پر از سر نو منظم کیا اور ادب میں فطرت انسانی کی نزاکت، تخیل میں رعنائی و لطافت کی تصویر غیر معمولی سلیقہ کے ساتھ کھینچی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندو مسلمانوں میں باہم بردارداری کے جذبات پوری قوت کے ساتھ موجزن تھے اور انسانیت کا دامن اذان و ناقوس کے جھگڑوں سے ملبوث نہ تھا۔

یہ امر مسلم ہے کہ ہماری زبان جو شیخ و برہمن کی مشترکہ ملکیت ہے اس کی عزت افزائی نہایوں کے عہد سے شروع ہوئی اور اکبری دور کے آتے ہی اس نے ایسی عمدہ صورت اختیار کر لی کہ اگر کسی ہزم میں عرقی و نظیری سرگرم سخن نظر آتے تھے تو کسی داس اور سودا داس کی نغمہ سنجیاں بھی گرمی پیدا کر رہی تھیں۔

اردو ادب اس محبت کے سایہ میں نشوونما پاتا رہا جس نے کہ ہندوستان کی سیاہ بسات کا نقشہ بدلا لیکن باوجود اس انتشار کے شیخ و برہمن کا مسئلہ کہیں بھی رونما نہ ہو سکا اور اگر مرزا غالب کے خدنگ نظر نے میر ہمدی جبروج کو گھاملی کیا تو مرزا ہر گوبال نقہ بھی اس سے بچکر نہ نکل سکے!

شمالی ہند میں اس شیرازہ اتحاد کا درخشاں ورق خان آرزو سے شروع ہوتا ہے جس کی مطلقاً اور زریں جدول پر رسلے اندر رام مخلص۔ ٹیک چند بہار کے

اساے گرامی مفتوح نظر آتے ہیں۔ دور وسطے میں ناموری کا تاج بند رہا بن دایم
 یا سر دپ سکھ دیوانہ کے سر پر ہے جن کے ایک شاگرد میاں حسرت، جبراست
 کے سے صاحب کمال کے استاد تھے اور متاخرین میں قبولیت عام کا سہرہ اس
 شہنشاہ سخن کے سر پر زینت افزا ہوا جس نے اپنے سب پیش روؤں کو
 فراموش کر دیا یعنی گلزار نسیم کا حیات جاوید پاسنے والا لکھنؤ کا نامور مصنف
 پنڈت دیاندر نسیم۔ اس میں شک نہیں کہ اردو ادب کی ترقی و تہذیب کے
 سلسلہ میں مسلمانوں کے کارنامے زیادہ روشن ہیں جس کی وجہ وہ شاہی پشت
 پناہی تھی جو فرمانروایان مابقی کے دور ہالیوں میں اردو زبان کو نصیب ہوئی
 لیکن یہ کھلی ہوئی بے انصافی ہوگی اگر کوئی ناواقف یہ کہہ اٹھے کہ ہمارے
 برادران وطن نے اس زبان کی ترقی اور ترویج میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا۔ گو
 دور حاضرہ کی سیاسی گھٹاؤں نے مطلع ادب کو گرد آلود کر رکھا ہے لیکن نقادان
 فن بخوبی واقف ہیں کہ اردو ہندی کا مسئلہ بجائے خود کوئی سیاسی اہمیت نہیں
 رکھتا۔ زبان ایک ہی ہے صرف عمرانی و اقتصادی نیچ پر رسم اسفند جداگانہ
 ہو سکتے ہیں بلکہ صرف ضروریات زندگی نے جس طرح انگریزی زبان میں
 سلف آپ کے والد کا نام پنڈت گنگا پرشاد کوں تھا۔ وطن و قیام کھنڈ شاہی نوع میں دکیل تھے آتش
 کے نامور شاگرد تھے سلاطین میں پیدا ہوئے۔ سلاطین میں گل بجاؤں کے شرف کو نظم کر کے شہری
 گلزار نسیم تیار کی سلاطین میں یہ بنظر شہری شائع ہوئی اور شہرستان عامہ و بقائے دوام کا فلسفہ عطا ہوا
 ایک بزرگ نے خوب کہا ہے کہ اردو کی جملہ تصنیفات میں یہ شہری کبریت، اصرار کلمہ رکشتی ہے۔ نسیم نے اسی
 سلاطین میں اس جان فانی سے عالم جاوہری کو انتقال کیا۔ (شہزاد، مولوی امیر احمد صاحب علوی بی۔ سلف
 امیر بھل۔ نصیر باغ۔ لاہور)

شارٹ ہینڈ کی کمی محسوس کر کے جدید رسم الخط کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح ہم ہندوستانیوں نے بھی اپنی ضروریات کو مد نظر رکھ کر اردو رسم الخط کو رائج کیا کیونکہ یہ یعنی مشابہت ہے کہ اردو مرہ کی زندگی میں جس حد تک اردو رسم الخط ہمارا مدد و معاون ہے وہ کوئی دوسرا رسم الخط نہیں ہو سکتا ہمارا مدعا یہ ہے کہ اس غلط فہمی کو جو گمراہ کن عقول میں سرایت کرتی جاتی ہے دور کیا جائے اور اس ضمن میں یہ بھی بتلادیا جائے کہ مسلمان مورخین نے ہندو شعراء کے کلمات کو کس قدر بلند آہنگی اور کشادہ دلی سے سراہا ہے اور ان کے جدا ہر پاروں کی کتنی عزت کی ہے۔



اس میں مطلقاً شبہ نہیں ہے کہ ہمارے وطن نے زبان اردو کی خدمت میں کافی سرگرمی سے حصہ لیا ہے اور ایک بیش قیمت سرمایہ اردو کے قدردانوں کے لئے چھوڑا ہے۔ میرا قریہ عقیدہ ہے کہ اردو زبان کا جو اسب سے پہلے ہندوستان میں ہندوؤں ہی نے اپنے کاندھوں پر دکھا کیونکہ جب مسلمانوں میں محمود نے پنجاب کو اپنی سلطنت محروسہ میں شامل کیا تو لاہور کی ہندو رہنمایاں نے اپنی کھڑی اور پنجابی زبان (استدائی) کی جگہ اس جدید زبان کو سلاہ واکری رسم الخط بشرطیکہ تمام باتوں کے ساتھ لکھا جائے آسانی سے پڑھا جاتا ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ پڑھنے والا حیرت انگیز لفظ کو پہلے سے جانتا ہو تو صحیح پڑھ سکے مگر بہت دیریں لکھا جاتا ہے بظاہر اس کے عربی رسم الخط مختصر نویس کا ایک عمدہ نمونہ ہے یہ مختصر نویس اس وقت صدیوں پہلے ایجاد ہوئی جبکہ تین *Alphabet* کا رخ میں شارٹ ہینڈ کا خیال پیدا ہوا اگر اس کے الفاظ کو صحیح پڑھنے کیلئے ان الفاظ کا تلفظ پہلے سے جانتا ضروری ہے اعراب اس صیب کو دور کر دیتے ہیں۔

سرگھوٹ پر رکھا اگر ہندو اس وقت اس طفل نوخیز کی پرورش نہ کرتے تو آج آپ ہی انصاف سے کہئے کہ یہ کیونکر پردان چڑھ سکتی تھی بہر حال یہ خیال بالکل غلط ہے کہ ہندو نے اردو زبان کی آبیاری نہیں کی بلکہ ہمیشہ انھوں نے اسکو اپنی ملکی زبان سمجھا اور آج بھی جملہ متدین باشندوں کی زبان اردو ہی ہے خواہ اس کو ہندوستانی کہئے یا اردو سے تعبیر کیجئے۔ میر کے نکات الشعراء اور تذکرہ میر حسن کی وزن گردانی کیجئے تو صاف معلوم ہو گا کہ یہی سرمایہ مشترک کہیں ریختہ کے قالب میں جلوہ گر ہے کہیں اردو کے کہیں ہندی کے اور کہیں ہندوستانی کے نام سے موسوم ہے۔ غرض چیز ایک ہے جو ہر دور میں جداگانہ ناموں سے یاد کی جاتی رہی ہے۔



ابتداءے آفریش سے اس وقت تک پہنچ کر اکمل ہر وقت نمایاں رہا ہے چنانچہ گزشتہ دور کا ایک جلیل القدر شاعر اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ کی ہم آوازوں کو تاجی سمت کاشی سے چلا جانے مقرر ہا دل

اس با کمال سخنور نے عجم کے ذہنی خط غلامی کے خلاف علانیہ پرچم بغاوت بلند کیا۔ بلیوں کی نغمہ سرائی اور طائف کی شب ماہ کی جگہ برسات کے جگنو اور ہندوستان کے کاہے بھونروں کی موسیقی سے کام لیا۔ کھنیا جی اور گوپیوں کی عارفانہ داستان عشق سے سیلے جمنوں، شیریں فرہاد کی فرسودہ تھیلیوں کو انسانہ

سلہ مشہورین الاقوامی مستشرق ڈاکٹر گریم ہیڈ، (لندن یونیورسٹی) کی جدید تحقیقات کی روش سے اردو زبان سے لڑنے لگے اور انھوں نے جب محمود نے پنجاب فتح کر کے اپنی سلطنت پورہ میں شامل کیا۔ یہ لاجواب تحقیقات راجی ایشیاٹک سوسائٹی جرنل (لندن) کے اپریل ۱۸۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔

پارہ بنادیا اور ہمنائی وطنی و گنگا کے توجہ سے ججوں دیسوں کو بھولا ہوا خراب ثابت کر دیا۔

گھر میں اشان کریں سرودھان گوکل ہائے جنا پہ نانا بھی ہے اک طول ال
 خبر آؤتی ہوئی آئی ہے مہا بن میں ابھی کہ چلے آئے ہیں تیرتھ کو ہوا پہ بادل
 اب کی میلہ بھی ہندو کا تھا گر داب بلا نہ بچا کوئی محاذ نہ کوئی رتھ نہ ہسل
 ڈوبنے جاتے ہیں گنگا میں بنارس ولے فوجانوں کا سینچر ہے یہ بڑھو منگل
 آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ تھا ذہنی انقلاب کہ ایک ٹیوٹ لکھنؤی بالکمال شاعر
 محسن نے اپنے مذہبی قصیدہ میں یہ افدھی تشبیہ استعمال کر کے ہمیشہ کے لئے
 ان سے نظیر تعلیمات سے مسلمانوں کے کافوں کو آشنا کر دیا۔ اور واقعین رموز پر
 آشکارا ہو گیا کہ جس طرح میر انیس مرفیہ میں آئندہ ترقیوں کا دروازہ بند کر گئے
 اسی طرح محسن بھی اس صنف خاص میں کتنا دفرہ تھے۔ تعجب ہے کہ لوگ محسن کو
 بھولتے جاتے ہیں لیکن مجھ کو یقین ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ جب یہ بنادست ہنر
 سمجھی جائے گی اور شہدائے ادب کا احترام کیا جائے گا!



سہ محسن کا کوری کے تھے یہاں لکھنؤی سے مراد لکھنؤ اسکول ہے جیسے علی گڑھ اسکول
 واسے (ملیک)، اور آکسفورڈ واسے (اکسن)، اور کیمبرج واسے (کنٹسب)
 کہلاتے ہیں۔

عصر جدید کے بعض آتش بیان تذکرہ نگاروں کی شعلہ فزاییوں سے ہندوستان میں سواد اعظم کو یہ شکایت ہو گئی ہے کہ ہندو مصنفین کا ذکر نہیں کیا جاتا ہندو شاعروں کا نام نہیں لیا جاتا ہم کو معلوم نہیں کہ ان باکمال تذکرہ نویسوں نے کیوں برادران وطن کے رشحات قلم سے اپنے بے نظیر تذکروں کو خالی رکھا ہمارے خیال میں ایک اہم فروگزاشت ہے (لیکن اس کے ساتھ ہمارا مقصد بعض ہندو مصنفین کے اس غلط قول کی تردید بھی کرنا ہے کہ)۔

”ہمیشہ سے مسلمان تذکرہ نگاروں کا یہ اصول رہا ہے کہ وہ ہندوؤں کے

محاسن کی مطلقاً تذکرہ نہیں کرتے بلکہ اکثر شعرا کا تذکرہ بھی مناسب تصور

نہیں کرتے“

یہاں ہم مسلمان تذکرہ نگاروں کی ایک مختصر فہرست پیش کرتے ہیں جس میں ہندوؤں کی خدمات زبان کا اعتراف کیا گیا ہے مثلاً گلشن ہند مرزا علی لطف - نکات اشعار میر تقی میر - گلشن بے خار شفیقہ - جلوہ خضر فرزند علی مصغیر بلگرامی - سخن شعرا عبد الغفور نساج - گلشن بے خار نساج - شمیم سخن مولوی عبدالحی - گلستان بے خزاں حکیم قطب الدین دہلوی - تاریخ شعرے اردو منشی کریم الدین - تذکرہ بے نظیر عبد الوہاب فقار - آب حیات آزاد - تذکرہ فتح علی گردیزی - شعرے اردو میر حسن وغیرہ وغیرہ۔

میر حسن (تذکرہ شعرے اردو دیں) رسلے سرپ سکھ دیوانہ کے حالات میں

رقم طراز ہیں۔

”شاعر زبردست فارسی است شعر بسیار گفته است استاد ریختہ گو زبان کھنڈ

چنانچہ نمایاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگر ایسا شاعر داویند دہاں جا
معروف و مشہور است در ادب اعلیٰ مشق فکر ریختہ ہم می کرد عجب شغفے است
مذا سلاشت دارد

ایسا تہ سنگہ کے متعلق میر حسن لکھتے ہیں :-

”محمود و لہذیر مورع ہے نظیر صاحب کمال بر سن ہفتا و سال از مقتدان خواہ میر درد
است در علم تاریخ چنان نگارش رساست کہ اکثر قصا بردارد کہ در ہر مصرع تاریخ
ممدوح بری آید بغیر مایشس یا دہاں تاریخا بسا یار گفتہ است ۔ سلامت باشد
رسلے پریم ناتھ کے حالات میں (بحوالہ تذکرہ قائم) ہے کہ :-

”ظاہر حالش چون طبع خوش موزوں و موزونی طبعش از خوبی ظاہر اخرون خطا
ہے نظیر و کما ندارد لہذیر غزل فارسی بسینار بہ خوبی می گوید گاہ ۔ ہے فکر
ریختہ ہم می کند“

لایہ نول رسلے و قاسم کے تذکرہ میں بھی یہ انداز بیان ہے :-

”مقبول خاطر اہل صفالہ نول رسلے اتمخلص بہ وقفا از تذکرہ محمد قائم چنان ظاہر
گشت کہ جو اسنے است تو خاستہ بہ زور علم و عمل آراستہ ہوش و گوش و در فہم
ذکا صاحب علم و حیا لطافت مزاج از گل زیادہ مانند بیل دل از دوست دادہ
بزار و خوش راہ گلاب رسلے دیران عرار المہام امیر الدولہ نواب نجیب خاں
مرحوم بود لیکن این عزیز مصر و صفت الکتاب و غریب مطالعہ کتاب طلب ہر کمال
دانگیر عال طبع در دمندا داشت عاشق مزاج بود اکثر فارسی در ریختہ می نماید

مذا بر عرش بیفتز آید

لہ نکات اشعار کی سیر سے پتہ چلتا ہے کہ میر تقی میر نے راقم ہندو راہن کا کلام کثرت نقل کیا ہے

اس نایاب تذکرہ کی درق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بہت کافی ہندو شعرا کے حالات موجود ہیں اور جس لب و لہجہ میں ان کا ذکر خیر ہے اس کا نمونہ آپ نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے نکات الشرا اور گلشن ہند میں بھی ہندو شعرا کا ذکر پوری شان کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ذاب مصطفیٰ خاں شیقہ کے بے نظیر تذکرہ گلشن ہند میں بھی تقریباً ۵۰ یا ۶۰ ہندو شعرا کا کلام موجود ہے اور اکثر اشعار کی داد بھی خوب دی گئی ہے۔

چندستان شعرا کا تذکرہ ابھی حال میں شائع ہوا ہے جہاں تک میری تحقیقات مجھ کو بتلاتی ہے اس کا محض ایک ہی نسخہ آصفیہ کتب خانہ (حیدر آباد) میں محفوظ تھا اور وہ بھی مددِ ربِ بوسیدہ اور کرم خوردہ لیکن انجن ترقی اردو کی کاوشیں قابلِ رشک ہیں کہ اس بے نظیر تذکرہ کا ادبِ اردو میں اضافہ ہو سکا۔ اس کا مولف کبھی نرائن شفیق اور نگ آبادی تھا شیخ عبدالقادر سے کتب علوم متعارفہ کی سند حاصل کی۔ شعر و سخن میں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے شرفِ تلمذ تھا۔ شفیق نے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹) اور ایک چند بہار کی توصیف میں بھی پُر زور الفاظ سے بھل نہیں کیا گیا ہے۔

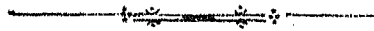
۱۵۔ ابا ناعہ سنگھ جتوڑ گھاسی رام خوشدل۔ بند بن لاقم۔ ٹیک چند بہار۔ رسلے سر سب کچھ دیوانہ۔ آفتابا رتو۔ پلاس رسلے رنگین۔ لالہ غوث رسلے شاد آب۔ رسلے بھکاری داس عزیز۔ لالہ کاشی ناتھ۔ رام نرائن موہوں۔ لالہ کول رسلے دقا۔ رسلے سکھ رام ناگل۔ بدھ سنگھ قلندر۔ اندام قلص وغیرہ وغیرہ۔
۱۶۔ شفیق کے والد لاہور سے عالمگیری رسالہ کے ساتھ دکن گئے اور اورنگ آباد میں عالمگیری کے حکم کا حق ادا کر کے وہیں کے ہو رہے۔

نکات الشعرا اور فتح علی گڑھ یونیورسٹی کے تذکروں سے متاثر ہو کر چمنستان شعرا و مرتب کیا
 شفیق نے تقریباً ۲۱۴ شعرا کے کلام کا عطر پیش کیا۔ جس میں اس دور کے مستند بالکمال
 ہندو معاصرین کا بھی ذکر موجود ہے۔ لیکن قربان جاسیے آپ پر غامی کہیں نہ پائیے گا
 کہ شفیق نے کہیں بھی کسی مسلمان کا کلام ہندو شاعر کے مقابلہ میں پسٹ پیش کیا ہو تو ہم کہیں
 وہ عمدہ مصنف مزاجوں کا مقابلہ کھوٹا کھڑا نہ کیا ہو۔ ہندو جاسیے اور مسلمان بسکٹ کا
 دور دورہ نہ تھا جس طرح قدیم ہندوؤں نے اسلامی علم و فن کو اپنا بنا لیا تھا اسی طرح
 مسلمانوں نے بھی اپنے حسن اخلاق سے ہندوؤں کی تہذیب و معاشرت کی
 پذیرائی کی تھی۔

دور حاضر کے تعلیم یافتہ ہندو جنٹلمین نہ تو اس کوہن کو برداشت کر سکتے ہیں
 سہ نیک چند ہتار۔ بے کش بے جان۔ رام زلی موہنوں۔ رسلے نند رام جھلس۔ لال نہال کرن داغ۔
 لالہ سوہنجی رماے۔ لالہ کچھی زراں مہا صاحب۔ بندرا بن راقم۔ مہن لال بیتاب۔ سہیتا رام عہدہ۔
 شیر سنگھ فلوور۔ لال چند رنگین۔

سہ اگر شفیق کے نام سے کوئی واقف نہ ہو اور اس کا کلام پڑھے تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا
 مصنف کس عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے یہ تمام بزرگان دین اسلام کا ذکر اسی ادب و احترام و عقیدت
 سے کرتا ہے جس سے زیادہ کوئی مسلمان بھی نہیں کر سکتا۔ معراج ہرچ غنوی شفیق نے لکھی ہے اس
 سے زیادہ باادب الفاظ میں کوئی مسلمان بھی نہیں کہہ سکتا۔ اردو کلیات میں متعدد قصائد حضرت علی
 کرم اللہ وجہہ کی شان میں امام ائمہ اربعہ کی مقبالت میں حضرت غوث اعظم کی طرح میں حضرت
 گیسو وراذ کی شان میں موجود ہیں اور جہاں کہیں مسلمان بزرگان دین کے نام آئے ہیں اس عقیدت
 و ارادت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے کہ مسلمان بھی دنگ رہ جاتے ہیں۔

کہ مولوی خدائیش مکتب میں ان کے لڑکوں کی گوشالی کریں اور نہ انگلستان زدہ
مسلمان اس رنگ کو گوارا کر سکتے ہیں کہ وہ انشائے مادھورام اور دستور اصبیاں
کا نام عزت و عظمت کے ساتھ لیں اب تو معاف کیجئے گا کلہوکت ہے دل جلتا ہے
تو لب پر آہ آہی جاتی ہے۔ رقت تو اس کا ہے کہ ہم (ہ ہندو + م = مسلمان)
اپنا اپنا خود ساختہ میموریل بنا کر ہندوستان کو تباہ کرتے رہیں۔ ان جھگڑوں سے
کسی کا کوئی نقصان ہو یا نہ ہو لیکن دونوں کی ضد نے ہم کو ضرور خاک میں ملا دیا۔
آنکھیں کھیں کہ دل نے کیا ہے ہمیں خراب دل یہ کہے کہ آنکھوں نے ہم کو مٹا دیا
مگر کسی کا کچھ نہیں ملے دردمشق میں دونوں کی ضد نے خاک میں ہم کو ملا دیا



یہ ایک عجیب ادبی لطیفہ ہے کہ اردو ادب کو ہمیشہ کٹھیری پنڈتوں سے غیر معمولی فائدہ ہوا ہے اور آج بھی آفتاب آندریل آفتاب محسن ادب ڈاکٹر سرپرست سے غالباً ادب اردو کو جو درخشاں توقعات وابستہ ہیں وہ خلافت امید نہیں ہیں۔ اس دعوے کی تائید میں ہم آپ کو چند مناز (مقدمین) کٹھیری پنڈتوں اور دیگر باکمال شعرا کا حال سنائیں گے اور نمونہ کلام بھی پیش کریں گے اب انصاف آپ لوگوں کے ہاتھ ہے۔

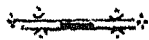
ادیب۔ لالہ گور بخش رائے نام ادیب تخلص (ذات کے کھار تھے) مفتی گنج گھنوں کے رہنے والے تھے۔ لالہ بیٹی پر شاد ظریف کی وساطت سے مصحفی تک پہنچے لیکن تنہا کے مشورہ سے مصحفی سے اصلاح کا سلسلہ بند ہو گیا۔

از بسکہ تو کسی کا صنم یا رکم ہوا روٹھا تو جس سے تجھ سے وہ بیزار کم ہوا
ہم خاک میں ملے تری خاطر اے میاں ملنا ترانہ غیر سے زنا رکم ہوا
آؤ۔ جو الہ پر شاد نام آؤر تخلص گنگا پر شاد رند سے اصلاح لیتے تھے۔
نمونہ کلام یہ ہے۔

دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں ایسے ہر جانی سے الفت کوئی کیا خاک کے
آشفقت۔ امراتہ نام آشفقت تخلص غفازہ جاوید میں شاعرے نظیر لکھا ہے۔
خدا بخش تھویر کے شاگرد تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مرہم داغ جگر تیرے کیاں سمجھا زلیست کو موت ہیں در موت کو دریا بھیا
دل میں آشفقت ہے بتوں کا خیال لب پہ بائیں ہیں پارسائی کی

الفن۔ الفتنہ اسے نام الفتنہ تخلص۔ میر تقی سے مشورہ سمجھ کر تھے۔ وزیر گنج
میں قیام تھا جھنگ لال دکن کے دوست تھے۔ ان کا قلمی دیوان موجود تھا لیکن زمانہ
کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہا۔ نوہ کلام نہ مل سکا۔ شاید خواجہ عشرت کے پاس
ان کا کلام موجود ہے لیکن مجھے نہ مل سکا۔ شاعر اچھے تھے مرثیہ خوب کہتے تھے۔
ابمرہ پنڈت بشن نرائن نام ابمرہ تخلص درخاندانی لقب تھا اچھے شاعروں میں تھے
خدا جانے یہ ہمتی کسکی ہے کسکی سرابھٹا نہ غنچے مسکراتے ہیں نہ گل ہنستے ہیں گلشن میں
گل سے بھی اشارہ ہے شبنم کا باغ میں رونے کا یہ مقام ہے ہنسنے کی جا نہیں



بسل۔ بسلی لال نام بسلی تخلص نوہ کلام حسب ذیل ہے۔

گھر پر آتے ہی ترے پاس سے مر جاتا ہوں بس ادھر آتا ہوں اور ادھر جاتا ہوں
بسل۔ بندر لال نام بسلی تخلص ناسخ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔
نوہ کلام یہ ہے۔

یہ نہیں ناقوس سے نفل برہمن ہاتھ میں کر رہا ہے مرغ دل اپنا یہ شیون ہاتھ میں
گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں نظر شمعیں ہیں کافور کی گویا کہ روشن ہاتھ میں
دانتوں کے نیچے دبائیں انگلیاں اغیار نے میں چوچکلے لگا اُس سیتن کی انگلیاں
بہار۔ بانکے بہاری لال نام بہار تخلص نوہ کلام حسب ذیل ہے۔

دلہا ممکن ہے کہ بعض جدید خیال کے مغربی درس لگا ہوں کہے تو میرٹھ یا فٹہ اس قسم کے نوہ کلام
پر سکرا لیں لیکن اگر خود کر لیا جائے کہ جس دور کی یہ شاعری ہے اس عہد میں ملک کا رنگ کیا
تھا تو بلا ان کو درجہ شکایت نہ رہے گی۔

خیال آیا کہ اب ہے وقت پیری نہ زیبا سر پہ ہے تاج اسیری
 اماں اب زندگی میں بندگی ہے وگرنہ آغوش نرسندگی ہے
 برق - بندت، جو الا پر شاد نام برق تخلص امیر کے شاگرد تھے نمونہ کلام یہ ہے -
 دنیا میں ظہور صبح ہوا گلشن پر کیا جو بن ہے
 خورشید کا غنچہ کھلنے لگا اللہ کی قدرت روشن ہے
 ہر پھول میں اس کی خوشبو ہے اکیر ہے بوٹی بوٹی میں
 ہر شاخ میں اس کی خاصیت تاثیر ہے جی جی میں
 پردوں میں جڑوں میں نہ ہر بھرا زہروں میں یہاں تاثیر شفا
 دیکھوں خاصیت برگ و ثمر تیار کردں کچھ ان سے دوا

————— ❦ —————

پروانہ - راجہ جیوت سنگھ (کا کا جی) لکھنؤ کے مقتدر اور نامی گرامی رئیس تھے -
 تہیز معصوم سے مشورہ سخن کوئے تھے - میر حسن و جمرات سے بھی مستفید ہوئے -
 سر پہ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے -

آپ نے رات چھپکے پی ہے شراب رنگ چہرہ کا ارغوانی ہے
 حمد کیا کیا تھے اور قول دستار آہ تس پر بھی ہے وصالی کی
 ضعف سے غش ہے ناقوانی ہے بن ترے موت زندگانی ہے
 جوہر تخی ابرو میں غل ریزا سیے تو اک دن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں
 کو پہ دیکھو میں دل کو ٹھونڈیے کیا ہو اگر راہ کا کچھ پھیر ہے

————— ❦ —————

تسلی۔ ٹیکارام نام تسلی تخلص مصحفی کے شاگردوں میں تھے نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

اب بھی اس نیچان میں کچھ ہے فائدہ امتحان میں کچھ ہے

جو چاہے سلطنت اُسے مل جائے مجھ کو بھی ہوس ہے کہ وہ مجھ سے آئے

تمنا۔ لالہ پھیردوں اس نام تنہا تخلص مصحفی نے اس کے متعلق حسب ذیل ریلے دی ہے۔

”چوں سلیقہ درست داشت شعر خود را در عرصہ قلیل بیاد بگلی رسانید“

سرگرم شب بھر ہے بیدار گری پر اور آہ سنے باز بھی ہے کسر ہے افزای پر
پردانہ کو کیا سوز دل اس کی خبر ہے گزے ہے جو کچھ حال چراغ سحری پر
رکھ قفس دور چین سے مرا صیاد کہیں کان میں گل کے نہ ہونچے مری فریاد کہیں
سچ تو یہ ہے کہ تنہا کو جہاں میں ہرگز مصحفی سانسے گا کوئی استاد کہیں



جوہر۔ لالہ مادھورام نام کوٹھی والے نام جوہر تخلص خیر آباد کے بڑے دولت مند اور مقتدر اور معزز شخص تھے۔ تیسرے مشرف تلمذ تھا عرصہ تک لکھنؤ میں قیام رہا

نمونہ کلام یہ ہے۔

نیز آنکھوں میں بھری ہے کہاں رات بھر رہے کیسے نصیب تم نے جگائے کدھر رہے
ہر دم جتنے نہ محبت شب وصال جب یہ نگاہ آپ کی وقت سحر رہے
شب بھسی گزری دن بھی گزر جائیگا مرا جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے
تو نہ دیکھے کی ہوتی ہو محبت سب کو سب میں جاؤں کہہ رہے بعد مرادھیان رہے
اس طرح جھوم کے چلے نہ حضور سب کہیں گے کہ یہ متوالے ہیں
اتنی سی بات پر نہ نکلیں نہ نکالو صاحب کیا خطا کی تھیں جو بہر نے اگر دیکھ لیا

مینہ برتا ہے گھٹا چائی ہے چلتی ہے ہوا
ہے کیا اندھیر ہے تم ہو جدا برسات میں
شوق سے پیچھے ہمراہ قلیوں کے شراب
ہم چلے بزم سے کیوں آپ غفا ہوتے ہیں
جو ہر تھیں نفرت ہے بہت بادہ کشی سے
برسات میں دیکھیں گے ہم انکا رتھا را
جو ہر - جو ہر سنگھ نام جو ہر تخلص ناطق کے شاگرد تھے مسئلہ میں انتقال کیا نمونہ
کلام یہ ہے

اصل مطلب ایک ہے آگاہ نا آگاہ کا
ترجمہ ہے ایک عربی میں فقط اشتر کا
بید عقل سے ہے احترام دیر و حرم
مکان ساختہ خود کو کیا سلام کریں
جو ہر - جو ہر سنگھ نام جو ہر تخلص - خواجہ وزیر کے ارشد تلامذہ میں تھے نمونہ کلام یہ ہے
بہنم! کوئی ایسی رات ہوگی
کہ آسے وہ میر کا دل ہمارا
نقصور سے شیخ دیں ثابت نہیں منصور میر کا
انا الحق حسن سفت ہے انا ہے میم احمد کا
گر نہ ہو حاصل کسی سے مدعا ہے دل نہو
آدمی کو رب اعلیٰ پر توکل چاہئے
اکہی موت بہتر ہے جہاں میں نامرادی سے
مراد دل نہو حاصل تو کچھ کیا خاک جینا ہے
جہانگی - شرمیتی جاگتی بی بی الہ آباد کے کاشمور میں ایک مقبول حیثیت رکھتی تھیں
نمونہ کلام یہ ہے۔

اس گل کا نہ لائی کبھی پیغام مرے پاس
شرمندہ کبھی میں نہ ہوئی باد صبا سے
کعبہ کی طرف نشہ میں کس طرح سے جاؤں
دشوار سنبھلنا ہے مجھے لغزش پاسے
باقی نہ رہی خواہش نے بادہ کشوں کو
بہوش کچھ ایسے ہوئے ساقی کی صدا سے
نچ پڑھئے تو خاک دریا رہے ہم کو
آرام ہے بڑھ کر کہیں نقش کف پاسے

حیرت۔ احمد صبا پر شاد نام حیرت تخلص جرات کے شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے
 برنگ لکھن با اسکی گلھی سے اُمٹ نہیں سکتا ہوا ممنون احسان غرد میں ہنسی ناتوانی کا
 حرفیت۔ لالہ چنی لال، نام حریت تخلص۔ کئی سال تک درسیات مصحفی سے پڑھتے
 رہے بعد کو فن شاعری بھی انہیں سے سیکھا۔

شب سرگرم قش میرا دل بیتاب تھا اشک چراغوں سے نکلا قطرہ ہمایا تھا
 یہ کون غیرتِ عدا کی ہے نقاب ہوا کہ جن کے جلوہ سے ہر ذرہ آفتاب ہوا
 نہیں ہے مجھ کو دم نزع آپ کی حاجت غمِ فراق سے میرا جگر ہی آب ہوا
 حریت زار نے جو آج خون تھوکا ہے وہ شوخِ غیر سے شاید کہ ہم شراب ہوا

خیالی۔ منشی خیالی رام نام خیالی تخلص مرزا تقیل کے شاعر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔
 انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کر دیا بادِ خزاں نے اُسے درہمِ برہم وصلِ بیل کی کبھی گل نے اگر کی صورت
 خوشتر۔ جگنا تھ پر شاد نام خوشتر تخلص کا عالم کے عہد میں مقصدی تھے۔
 میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے

گلِ انشاں حمد باری میں قلم ہے بیاض نامہ گلزارِ ارم ہے
 جفا پیشہ ستمگرِ فتنہِ خو ہے بے لکھ بے لکھ ہر کس حیلہ جو ہے
 کیا غم سے سحر نے پیرِ بنِ پاک اُٹالی سر پہ اپنے شام نے خاک
 میں غمِ بیل شیدا ہوں خوشی ہے تو ہے فصلِ گل آئے قند سے دلی ہے تو ہے ہی

دیہی - شیو پر شاد نام دیہی تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔
 آئینہ میرے ہاتھ سے دیکھو دو مجھے مرتبہ سکندر کا
 ابر آیا ہے جھوم کر ساقی آج ہو دور دور ساغر کا
 دیوانہ - رسلے سر پہ سکھ نام دیوانہ تخلص - حسرت، وحیراں کے استاد تھے
 نمونہ کلام یہ ہے۔

جان پر آجی ہدم مری خاموشی ہے بات کچھ بن نہیں آتی ہے ایسا ظما بغیر
 دل ہے کہ توی تیغ کے آگے سے نہ ٹل جائے رستم کا کب جگر ہے کہ زہرہ گھیل نہ جائے

ذوق - منشی شیو پر شاد نام ذوق تخلص مستحقی کے شاگرد تھے۔

کیا قیامت کا ہر دن پر نہیں معلوم - مجھے روز ہجران کی جو ہوتی ہی نہیں شام تمام
 کیفیت اسکی بیاں کس سے کریں لے ذوق دیکھتے ہم میں تماشائے جہاں کیا کیا کچھ

راجہ شیو پر دھان - راجہ شیو پر دھان نام شاہ اودھ اختر مرحوم کے صاحب
 تھے سندیل کے رئیس تھے سرفرازی میں انتقال کیا۔

جو رنج لیتے ہیں اندران کو خوش رکھے ہم اپنے منہ سے کسی کی کریں بڑائی کیا
 رنم - کلیم تران نام رنم تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

ہے سزا اسکی کہ رز و شب ہ پائے گوشال راز دل ہے پردہ چو کہد سے بند آواز است
 رنگین - لالہ ہلاس رسلے نام رنگین تخلص نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

غیروں کے پاس جانا ہم سے کبھی نہ ملنا افسوس ہو تو وہ ہوا رمان ہو تو یہ ہے

راحت کا کو رومی۔ بھگونت ریلے نام راحت تخلص آمانت کھنوی کے شاگرد تھے
مستطوع میں انتقال کیا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

احمال بد پرلپے نہ دروؤں میں کس طرح دھونا ضرور چاہئے سنسہ و گناہ کا
بعد مردن کبھی تربت پر بھی سایہ نہ کیا ہم گنہگاروں سے ایسی ہونی بیزار گھٹا
رونیق۔ ریلے سہاے نام رونق تخلص۔ راجہ جھاؤ لال کے اجراء میں تھے ناتجسس کے
شاگرد تھے مستطوع میں انتقال کیا نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

بے ثباتی گل کی جیٹا ہر تھی باغ دھریں دو گھڑی کے واسطے بدنام کیوں گلیں ہوا
رند۔ گنگا پرشاد نام رند تخلص۔ جرات کے شاگرد تھے شائق سے بھی اصلاح لیتے
تھے۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

رونا ہوں جبکہ آتا ہے یاد جہنم وہ دیکھنا کسی کا نظریں چرا کر
حسن پروں کا سنا کرتے ہیں عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا
نہ تو کی نالہ شب نے تاثیر نہ اثر آہ سحر میں دیکھا
دمدم لب پہ آہ جاری ہے بیکراری سے بیکراری ہے
دل کسی قدر داں کو دینگے رند اب اگر زندگی ہمارے ہے
فصل گل ہے اور ہنگام شباب ہاں مغنی نغمہ و چنگ مر باب
بزم خرمیاں کو جو ساتھ انکے لگا میں چلنے تو لگے کہنے طبیعت کہیں آئی ہوگی
پہر دیکھئے آہ اپنی تفسد میرے لے جاتی ہے اب کہاں کہاں تو
گریباں چاک سر پر خاک لب خشک اور آنکھیں تر
زباں پر آہ اور دل بھر رہا ہے بستلا پیا رے

ریحان - دیوان دیا کرشن نام ریحان تخلص فیض الملک راجہ الغنت را سے الغنت کے رشتہ دار تھے جو تہی کے شاگرد تھے۔ شمس - عیش - شایاں اور رنگین سے لطف محبت رہتا تھا ۱۵۸۵ء میں انتقال کیا۔ نوہ کلام یہ ہے۔

عقل آکے نہ بناتی اگر فرق مراتب کچھ تذکرہ عابد و مستجد نہ ہوتا
دور و کے شمع کہتی ہے اپنی زباں میں مہمان شام سے ہوں سحر تک جہان میں
راجہ بلوان سنگھ - بلوان سنگھ نام نظیر اور عاتم علی مہر کے شاگرد تھے نوہ کلام یہ ہے
شیخ ناراض ہو ہم سے کہ برہنہ ہوئے ہوسنگے پابند ہم سب جو دانا کہہ پو
لائے کس بت پہ ہیاں کوئی پوچھو تو شیخ جی - پنے جو زنا رہے آتے ہیں

زار - میڈولال نام زار تخلص ۱۵۸۵ء میں انتقال کیا۔

کبھی غافل نہ پایا اڑ گئی نیند اہل راحت کی کیا نالہ میرے عرصہ روت پاسباں پیدا
زخمی - رتن سنگھ نام زخمی تخلص منشی الملک فخر الدولہ دبیر الملک ہشیار جنگ خطاب
راجہ لقب۔ بزرگوں کا وطن بریلی تھا۔ مگر ان کے فیض کماں کی ہمار لکھنؤ میں آئی۔
نواب محمد علی خاں کے میشرشی تھے قدیم علوم کے ساتھ جدید طبیعت و ریاضیات میں بھی
ماہر تھے۔ انگریزی سیکھی تھی۔ حدائق النجوم ان کی مشہور تصنیف ہے ۱۵۸۵ء میں
تالیف ہوئی تھی منشی علم کے لئے ملکی اصطلاحوں کا وضع کرنا ان کا خاص کارنامہ تھا
۱۵۸۵ء میں انتقال کیا۔

زرات ان کو آج میر ہے لئے خلک کل تک نہ جن کو آتا تھا بننا خوار کا

سحر بخشی دینی پر شاد نام سحر تخلص ہندوستان کے مشہور خطاط نظم پر دیں اور شہزادگان
کے بالکل مشہور مصنف ۲۲ دسمبر ۱۸۵۷ء کو بدایوں شریف میں پیدا ہوئے
احمد اکا وطن بانگدہ مؤلفات سندیلہ اودھ تھا مولوی طاہر الدین سے ادب
ریاضی و خطاطی کی سند لی شاعری میں اپنی ماں اور اپنے باپ سے استفادہ کیا
دہلی لکھنؤ میں عمر گزری بحکمہ تعلیمات میں ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ سے وظیفہ یاب
ہوئے۔ چودھری اصغر علی ضابط مولوی غنی رضا رحمتی۔ نواب سید محمد زکریا خان
ذکی بخشی اور حسین نسیم اور لالہ رام راحت کے معاصرین میں تھے مشاعروں میں
شرکت کرتے اور داد حاصل کرتے تھے۔ خطاطی میں آپ کے شاگردوں کی تعداد
سیکڑوں تک پہنچی ہے یہ فیض اب تک جاری ہے۔ سحر سامری آپ کا دیوان
شائع ہو چکا ہے۔ دو داسوخت کھریر عشق و تقریر عشق کے نام سے شائع ہو چکے
ہیں۔ فن مساحت میں محیط المساحت۔ تکمیل المساحت۔ رمل میں بے نظیر۔ عروض
میں مبیار البلاغت۔ منطق میں خلاصۃ المنطق آپ کی یادگار رہیں۔ مرآۃ المسلمون
درکار الفیوض گذشتہ ادب وغیرہ آپ کی تصانیف ہیں۔ معیار الاطلاق خطاطی
میں مشہور کتاب ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ویر میں جو وہ نہ ہو کعبہ میں اور ہو سب کہیں	طالب نظارہ کو گر ہے سلیقہ دید کا
جو بلا اس سے اسے کتنا ہے عالم مر گیا	نام مردہ رکھ دیا ہے زندہ جاوید کا
تیج ابرو سے قتل کر ظالم	کون احسان اٹھائے خنجر کا

ساہ حضرت محبوب الہی سلطان نظام الدین اولیاء کے محبوب وطن اور جلسے پیدائش ہونے کی
وجہ سے میں بدایوں شریف کتنا ہوں۔

زخم جب اندام پر آیا
ہم نے دماغی سے وہ نکتہ نکالے عشق میں
اور جلا دے دیا سپر کا
پل نہ وہ بال کہ اپنے بھی پڑے ہو جائیں
عاشقی بھی کچھ دلوں میں ایک فن ہو جائیگا
یاد آجاتی ہے جب زلفت گرہ گیر سیجھے
لطف و احسان سے بیگانہ کو بھی کر اپنا
نظر آتا ہے کلاں خانہ از تنہا سیر بجھے
آپ کی سن سنے بار بار نہیں
اب تو ہاں کا بھی اعتبار نہیں
محقق۔ لام دیال نام محقق تخلص۔ ناسخ سے شرف تلمذ تھا عالم شباب میں دنیا سے
منہ موڑ لیا۔ منونہ کلام یہ ہے۔

خدا کے واسطے سن لے صنف! نگہ دل کا
مری مراد بر آئے گی قس ہونے سے
کہ تیری آنکھوں نے لوٹا ہے قافلہ دل کا
کیسے گی یار کی تلوار فیصلہ دل کا
پڑا ہے لشکر غم سے مقابلہ دل کا
پڑا ہے دشمن جاں سے مقابلہ دل کا
نگاہ سے بچنا ہے اسے سخن دشوار
مسلیم۔ کوری شکر نام سلیم تخلص کھڑکے مشن و خطاط تھے آتش سے تلمذ تھا سنہ ۱۱۸۵ھ
میں انتقال کیا۔

بھریاں آگئیں دل میں ہو سب بال خید
کچھ بجز غم نہیں اس غم کردہ عالم میں
پر نہ فرق الفت گیسو میں سر ہوا آیا
آدی ہوتے ہیں اس واسطے گمیاں پیدا
سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ نام سرشار تخلص اسیر کے شاگرد تھے سرشار کا کلام عاشقانہ
اور مدحانہ ہوتا ہے طبیعت کی شوخی اور زبان کی پاکیزگی ان کا حصہ خاص ہے
سرشار نے زبان اردو بلیغات اور حصے سے لکھی ایک مرتبہ بچپن میں مشاعرہ میں شریک
ہو کر یہ شعر پڑھا ہے

حال سب میری سخت جانی کا باڑھ کہتی ہے مڑ کے خنجر کی
 تو مشاعرہ اُلٹ گیا۔ بڑا بھی اور ظرافت میں اپنی نظیر تھے اودھ بیچ کے در شباب
 کے نامہ نگاروں میں تھے لیکن جیب اودھ اخبار کی ادارت قبول کر لی تو یہ سلسلہ
 بند ہو گیا۔ ضرورت ہے کہ ملک کے نوجوان ادیب سرشار کے افسانہ نگاری پر
 مستقلاً لکھیں۔

سیاہ بخت و سیاہ روزگار ہم بھی ہیں جواب زلفت پریشان یا رہم بھی ہیں
 نصیب جاگن گے اک در حضرت سرشار لپٹ کے سو لگا وہ گل گلے لگائے ہوئے
 پینے پر جو آئے ہیں تو پھر بس نہیں کرتے میخانہ میں سنتے نہیں سرشار کسی کی

شگفتہ۔ خیراتی لال نام شگفتہ تخلص نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۸۸ سال کے سن میں
 سلسلہ میں ملک عدم کی راہ لی مرنے کا کلام یہ ہے کہ
 نہ مشرماؤ آنکھیں ملا کر تو دیکھو ملاقات ہے ہم سے تم سے کبھی کی
 بالکل ناخن انگشت سرکٹانے سے حیات ملتی ہے جب انتقال ہوتا ہے
 شائق۔ فتح چند نام شائق تخلص ناسخ سے شرف تلمذ تھا مرنے کا کلام یہ ہے کہ
 دماغ و دل کو نہ پہنچی گل مراد کی بو بہت نہال ہوئی باغ روزگار کی بو
 شاکر۔ پطرت شیو شکر کول نام شاکر تخلص مرزا داغ دہلوی سے مشورہ سخن
 کرتے تھے۔ کہ

بہت ہی تنگ ہے ہر شفت میں وسعت عالم الٹی اس قفس تنگ سے نکال مجھے

صبا۔ کاجی مل نام صبا تخلص مصحفی کے شاگرد تھے۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا ایک دیوان یادگار ہے۔ نوہ کلام یہ ہے

افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ آیا جس کے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا
مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اس قاتل کے کو پی میں لئے جاتا ہے نامہ آج تو لے نامہ بر کس کا
صبا۔ (مرزا) راہہ شکر نا تھ نام صبا تخلص سعادت یار فناں رنگین سے تلمذ تھا۔ نوہ کلام یہ ہے

کیا پوچھتے ہو جو رستم چھ سے یار کا دیکھو نہ حال میرے دل سبے قرار کا
ہوں میں صدقہ ترے بہانہ کے خوب ڈھب یاد میں نہ آنے کا
صبا۔ منوال نام صبا تخلص مصحفی کے شاگرد تھے۔ نوہ کلام یہ ہے۔

چرخ کو کب یہ سلیقہ تھا تنگاری میں کوئی معشوق ہے اس پردہ زنجاری میں
عبور کنور گہاں سہاے نام عبور تخلص۔ آتش کے شاگرد تھے۔ نوہ کلام
ملاحظہ ہو

راذق مطلق کو عسرت میں نہ بھولے آدمی بند ہے گریا یکساں درد و سرور باز مسہے

طاہر خیراقی لال نام طاہر تخلص اخبار خیر خواہ ادب کے مالک تھے ستم مندۂ عین
انتقال کیا۔ نوہ کلام یہ ہے

کمال گری حسن بناں سے گلشن میں شگوفہ بچول ہوا مشرم سے گل آب ہوا

عبیرت۔ منشی گورکھ پرشاد نام عبیرت تخلص۔ گورکھ پور کے شرفا میں ان کا شمار تھا اور

وہاں کے بانی دیکھ لیتے۔ علوم مشرقیہ میں کمال حاصل تھا۔ تصوف و اہل مات اُن کا حصہ تھا۔ حالی را آزاد کے فوراً ہی بعد ہندوستان میں جدید شاعری جس کا میاں بی سے عبرت لے کر غالباً اس وقت پورے ملک میں کسی نے نہیں کی۔ اُن کی ثانوی حسنِ فطرت بہت مشہور ہے۔ تقریباً نصف صدی قبل ممدس فشنو نامے ہند ہندوستان بھر میں خصوصیت کے تمام مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔ اسماعیل مرحوم نے اپنی مفید تالیفات میں اُس کا اقتباس لیا۔ آج بھی اکثر نصاب کی کتابوں میں عبرت مرحوم کی مشہور نظم جگانے والی گھڑی شامل ہے۔ مرحوم شہرت سے بے نیاز ہو چکے تھے اس لئے اپنا مجموعہ کلام شائع نہیں کرایا۔ اُن کے لائق صاحبزادہ بھی فرائق گورکھپوری کے پاس محفوظ ہے اور عقرب شائع ہو جائے گا۔

زمانہ ہمارا قصار نہیں ہے	زمانے کے ہاتھوں سے ہمارا نہیں ہے
وہ چاہے تو دم بھر میں خوش کرنے عبرت	پر ایسا مقدمہ ہمارا نہیں ہے
کیا ڈھونڈتی ہو باغ میں سیر تو اسے خواں	تو جانتی ہے سب کے چہن میں ہمارے
زمانے میں جو چیز ہے دیکھنے کی	نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں
ٹھہرتی نہیں آنکھ اپنی کسی پر	جسے دیکھتے ہیں عدم دیکھتے ہیں
اک ہیں پیاسے لیے ابر رحمت در نہ پا	نظرہ دریا ہو گیا۔ دریا صمد ہو گیا
پوچھو مجھے کہ دہریں اک کس مہر میں ہوں	دیکھو مجھے کہ بیچ ہوں سب کی نگاہ میں
سبک روح دنیا سے چھوٹیں گے سستے	گراں ہونگے وہ جنگو سستی ہے دنیا
ایک وہ بال ہیں جو ہیں سرگردن کو بال	ایک وہ بال ہیں جو تاپ کمر جاتے ہیں
عاجز۔ ننھے لال نام سر پر استوائ ہر نعلین	میں پیدا ہوئے موسیقی میں ماہر

تھے۔ سجاد حسین دقار کے شاگرد تھے۔ ۵۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ نابینا تھے
علوم مشرقیہ پر عبور تھا۔ آپ کا دیوان نظم و گلش شائع ہو چکا ہے۔

نزع کی حالت میں یہ عالم رہا تقریر کا اقربا بھی مدعا سمجھے نہ مجھ دگسیر کا
راحت و تکلیف کی اُسکے خبر ملتی نہیں جو یہاں سے داخل شہر خوشاں ہو گیا
عاصی۔ طوطا رام نام مامی تخلص نو ذہ کلام حسب ذیل ہے۔

نہ ہو گئی مستی ترے لب کی شرابے حیراں ہوں رات بھیگ گئی آفتاب کی
عاشق۔ شکر دیاں نام عاشق تخلص نو ذہ کلام حسب ذیل ہے۔

پھر تنہا کا ہوا جوش کہ اصرار کرے پھر تغافل نے نکالا نیا طرز نگار
عبور۔ کنور میاں سہاے نام عبور تخلص نو ذہ کلام حسب ذیل ہے۔

لے برق کسکی خرم ہستی پہ ہے نظر کچھ بھید تو بتا مجھے اس اضطراب کا
عادل۔ نند کشور نام عادل تخلص آج کے شاگرد تھے۔

وہیں پہونچیں گے جو فرصت ہوئی غم کھائیے دو قدم خانہ آفتد سے بت فانیہ سے

متوالال۔ رسلے متوالال نام۔ فلسفہ و حکمت کے علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ وطن
سندیلہ تھا۔ دربار آصف الدولہ میں ملازم تھے۔ دوسری تصانیف کے ساتھ علم
حساب۔ جغرافیہ و حکمت، پر انگریزی میں رسائل آپ کی یادگار ہیں۔ سلسلہ میں
انتقال کیا۔ شعر و شاعری سے ذوق تھا۔

محسن۔ دیوان امر نادر نام محسن تخلص امرتسر کے رہنے والے تھے۔
دستِ مطرب ہیں یہ رازِ زیر و بم تو سمجھتا ہے اسے حسن رہا سبب

حسن کیا اور حسن کا معیار کیا اپنی اپنی آنکھ اپنا انتخاب

نامی۔ دیوی پرشاد نام نامی تخلص غالب کے شاگرد تھے۔

کبھی سب سے معطر نو گلوں کا دماغ طواف تیری گلی کا اگر صبا نہ کرے
روتا ہوں ہجر میں تو یہ کتنا ہوں آسماں طوفاں اشک نے مری مٹی خراب کی

ہر چند۔ ہر چند کشور نام ہر چند تخلص راجہ جنگل کشور دہلی کے فواسم تھے صاحب یون
گڑے ہیں نو نہ کلام یہ ہے

جام صبا نے لیا بوسہ لب میگوں کا جب طفل مینا سے یہ نکلا غل مبارک باد کا
آہا نظر نہیں کوئی صاحب نظر مجھے بتلائے یا رکا جو نشان کمر مجھے

یہ بالکل صحیح ہے اردو زبان کی حفاظت کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی ہے کہ اردو کو ہندوستان بھر کے عوام کم و بیش بولتے اور سمجھتے ہیں صوبہ جاتی زبانیں تو اپنے اپنے علاقہ ہی تک محدود ہیں لیکن وہ زبان جسے مختلف صوبوں کے رہنے والے ہندوستانی عوام ایک دوسرے سے بات چیت کر نیکیے لیے استعمال میں لاتے ہیں وہ اردو ہی ہے۔ انگریزی زبان میں یقیناً مغلوں کی فارسی کی طرح زیادہ دنوں تک سکتہ رائج الوقت کی حیثیت قائم نہ رکھ سکیگی۔ لیکن یہ پیشین گوئی کی جاسکتی ہے کہ جو زبان زندہ رہیگی وہ ۵

یہ ہماری زبان ہے پیارے

اور تمام ہندوستانیوں کی مشترکہ زبان ہے جس سے وہ اپنی سماجی معاشرتی۔ اقتصادی اور مذہبی مسائل سے ایک دوسرے کو آگاہ کر سکتے ہیں۔ اور ہندوستان ہی میں مختلف صوبہ جات کے میل ملاپ سے بنی۔ بڑھی اور پروان چڑھی جس کے متعلق یہ جائز دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوستانی لنگوافر شکا کہلانے کی مستحق ہے۔ اکثر لوگ ناواقفیت سے یہ کہنے لگے ہیں کہ اردو محض مسلمانوں کی زبان ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ زبان کی بنیاد مذہب پر نہیں ہوتی اگر کوئی زبان کسی ملک کے سماجی اور اقتصادی ضروریات کو پورا نہیں کرتی اسکو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے اردو اس حیثیت سے عوام کی زبان ہے جس کو لاکھوں کروڑوں ہندو بولتے لکھتے اور سمجھتے ہیں اس زبان میں سینکڑوں خباثت و رسائل شائع کیے جاتے ہیں اگر اردو محض مسلمانوں کی زبان ہوتی تو زمانہ آفتاب

ہندوستان - چاند - صبحِ امید - پر تاب - آزاد - اودھ اخبار - ریاست - العجز
 کا بیستہ ہکاری - تیج - پارس - جوگی - سدا بہار - موج بہار - لطف شباب - نیل رو
 مست قلندر - نرائی دنیا - کراتتی - اردو زبان میں شائع نہ ہوتے جو برادران وطن
 میں کافی مقبول ہیں اس سلسلہ میں دورِ حاضر کے چند مشاہیر شعرا کا کلام پیش کیا
 جاتا ہے جس سے یہ بات پایہ صداقت کو پہنچ جائے گی کہ اردو بقول محسن ادب
 ہندو مسلمانوں کا مشترک سرمایہ اور صدیوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔

دورِ حاضر

ادیب - باورِ سرن لال نام ادیب تخلص نمونہ کلام یہ ہے
 حیاتِ مستعار پر گماں نہیں جو خواب کا وجود کائنات پر نہیں شکِ سراب کا
 (اثر ہے مری روح میں فروغِ آفتاب کا
 یہ سچ ہے جائے عشق یہ جہان آج گل نہیں مگر جواہل ہوش ہیں کبھی شکستہ دل نہیں
 درق الٹتے رہتے ہیں حیات کی کتاب کا
 مال سے غرض نہیں نظر جو میری فرض پر عدد و آس و یاس ہوں دوسری بھی دور
 نہ آرزو ثواب کی نہ خوف ہے عذاب کا
 ہوا انقلاب دہر سے مجھے ہر اس کس لیے تغیرات سے ہو دل اسیر یاس کس لیے
 میں خود بھی ایک ذرہ ہوں جہان انقلاب کا
 دنیا جیسے کہتے ہیں وہ نیرنگ کی جا ہے اک رنگ کبھی اسکا رہیگا نہ رہا ہے
 مشکلوں ہی میں کچھ فرق نمایاں نہیں ہوتا ہر شخص کی افتادِ طبیعت بھی جدا ہے
 کہتا ہے کوئی حسن سے رغبت نہیں ل بھی کہتا ہے کوئی حسن پرستی ہی روا ہے

ہر در کی اک در و محبت ہی دوا ہے اور باب محبت سے ہو پوچھو تو کہیں گے
 اور بادہ گلگوں پہ کوئی دل سو خدا ہے کہتا ہے کوئی زہ کو لازم ہے بہر حال
 کہتا ہو کوئی جاوہ حق صبر و رضا ہے کہتا ہے ماسعی کو کوئی عین عبادت
 قرآن کسی کے لیے پیغام خدا ہے الہام کسی کیلئے ہے وید مقدس
 ایمان ہے ہو فرمان مسیح ابن خدا ہے کرتا ہے کوئی پیرو ہی دین نصاریٰ
 اور آگ کے پردے میں کوئی پوچ رہا ہے کرتا ہے پرستش کوئی انوارِ حسد میں
 ان میں سے بھی ہر شخص کا اکینہ خدا ہے جو ایک ہی مذہب کے کہے جاتے ہیں پیرو
 پیغام خدا میرے لیے دل کی صدا ہے ہے مجھ کو ادیب اُسنے نہ کچھ اُسنے سردکار

کافر ہوں کہ ہوں صاحبِ یماں نہیں معلوم

میں فرض کا بندہ ہوں مرا فرض خدا ہے

اشم۔ چھوٹے فعل نام اشم تخلص تبلیغ کے شاگرد ہیں

داستان سننے ہی میا دسنے کی فکر تھیں دھکو بھندے نے پھنسا یا مری گویائی تو

ہماری خسروں سے ہی ہمارے دل کی زندگی دگر نا اسکی بستی میں ابھی دیرانہ ہو جانا

ابر۔ رگھو بردیا ل نام ابر تخلص قنبر کے شاگرد ہیں۔

امید خیر ہو کیا ہم کو زوال دنیا سے کس کی دوست زمانہ میں ہو فنا ہوئی

ابر۔ شیو شکر لال نام ابر تخلص۔ طبیعت رسا پائی ہے

ہو جائیگی سحر بھی جو باقی حیات ہے بھاری گھر میں پر فرقت کی رات ہے

وہ زندگی بھی چشمِ زدن میں گزر گئی، سبھے تھے جسکو ہم کہ بڑی کائنات ہے

اشتر۔ جے نرائن لال نام اثر تخلص ہے زینبا کے شاگرد تھے
 مدت سے بیٹھے ہیں یہ ارادہ کیے ہوئے کعبہ کو جائیں یا دتباں کی لیئے ہوئے
 میں نے میخانہ میں اللہ کا جلوہ دیکھا عین کثرت میں نظر صورت وحدت آئی
 اشتر۔ پنڈت نرنجن ناتھ نام اثر تخلص
 ہم اثر مخروم قسمت کے سب سے ہو گئے اس پیری کا وصل غیروں کو میسر ہو گیا
 اشم۔ چھوٹے رام نام اشم تخلص ہے
 پوچھتے شمع سے یہ راز ہو گیا ہوتی کیا ملا لطف جلایا ہے جو پر دانہ کو
 میکہ کھل گیا بخوار چلے آئی بہار اب سینے کا نہ کوئی شیخ کے سمجھانیکو
 انور۔ پنڈت بشیشر ناتھ نام انور تخلص کوثر خیر آبادی اور رنجود موہانی سے مشورہ
 سخن کرتے تھے۔

خدا جانے یہ کس صاحب جیا کی آمد آدھی تھی پر پر دانہ نے فوراً بھادی شمع محفل کی
 ایک پہلو میں دل زار تھا وہ بھی نہ رہا میرے سمجھانیکو نا صحیح تر سے بہکانے کو
 احقر۔ رادھے شیام رستوگی نام احقر تخلص

جو دپا ہیں ذہن چشم دسر نہ دیا تو اس پہ نہیں ہے عمل طریقہ صبر پر نہیں خل کو چہ زار میں
 اشتر۔ مولچند نام پہلے عیش تخلص کرتے تھے اب اثر تخلص ہے حسن کے شاگرد ہیں
 زحمت دیدار گردی ہو تو فیض جو دے ضبط بھی جھکو عطا ہو حسب لوہ دیدار کا
 انکسار۔ سر جو پر شاہ نگم نام انکسار تخلص احسان شاہجہاں پوری سے تلمذ ہے

مرنے پہ کون کس کے آتا ہے فاتحہ کو
 اپنے پر اسے ساتھی ہوتے ہیں جیتے جی کے

اثر۔ سر جو پر شاد نام اثر تخلص
ہم کو کیا کام اہل دنیا سے ہم گدا تیرے آستانے کے
افق۔ نشی و دار کا پر شاد نام افق تخلص فرحت کے شاگرد تھے عرصہ تک
مطبع نو لکھنؤ میں ملازم رہے آپ کی رامائن بہت مشہور ہے
ہے بھیر ہربانی اس قدر تکلیف زندانی کہ خم گردن مری طوق گلوں سے ہوتی جاتی ہے
اختر۔ پنڈت ہری چند نام اختر تخلص لاہور کے رہنے والے ہیں مشہور خادم
ادب ہیں۔

کس نے زردوں کو اٹھایا اور صحر کر دیا کس نے قطر دل کو ملایا اور دریا کر دیا
زندہ ہو جاتے ہیں حج مرتے ہیں حق کے نام پر اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے ٹوڑا طلسم منہدم کس نے الہی قصر کسریٰ کر دیا
کسکی حکمت نے تہیوں کو کیا درہیم اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
کہہ دیا لائق خطو اختر کسی کے کان میں اور دل کو سر بسر محو تمنا کر دیا
سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کا پتلا اب کسی نے اسکو عالم آتشکار کر دیا
آدمیت کا غرض سامان ہیا کر دیا اک عرب کے آدمی نے بول بالا کر دیا
امید۔ سید یو شرم نام امید تخلص عرصہ دراز تک سیوک کے اڈیٹر رہے
ہیں افسوس یہ ہے کہ عین جوانی میں انتقال ہو گیا۔

آنکھ پر خم ہو زمانہ کی تیرے غم میں امید
رہ گیا جانی کہ کیا ہو تری تصویر کیسا تھ
آزاد۔ لیکن نا تھ نام آزاد تخلص۔ راولپنڈی کی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری ہیں

ترے شوق میں تھیں گہر بار آنکھیں جہاں کے نظاروں کو ہزار آنکھیں
سمجھتی تھیں اپنے کو ہیکار آنکھیں کہ بیتاب تھیں بہر دیدار آنکھیں

تجسس میں روئی ہیں سو بار آنکھیں

رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

فلک پر ہزاروں ستاروں کو دیکھا لپکتے ہوئے لالہ زاروں کو دیکھا
گلستاں میں رنگیں بہاروں کو دیکھا مچلتے ہوئے آتش زاروں کو دیکھا

چمن میں رداں جو سیاروں کو دیکھا

رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

تجھے کالی کالی گھٹاؤں میں ڈھونڈھا کبھی کیف آؤ رخصتاؤں میں ڈھونڈھا
گلستاں کی بخود ہواؤں میں ڈھونڈھا حسینوں کی رنگیں اداؤں میں ڈھونڈھا

تجھے میٹھی میٹھی نواؤں میں ڈھونڈھا

رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

تری جستجو کی گل و یاسمن میں ستاروں کی جادو بھری انجمن میں
چلتی ہوئی شاخ کے بانگن میں چمکتے ہوئے پھول کے پیرہن میں

جہاں تاب غور شید کی ہر کرن میں

رہیں پھر بھی محروم دیدار آنکھیں

بیابان و محسوس کھسار دیکھے خیابان و دریا و گلزار دیکھے
نگاہوں نے لاکھوں چمن زار دیکھے ایکٹے قطاروں میں اشجار دیکھے

سحر دم دل افروز انوار دیکھے

رین بھر بھی محسوسم دیدار آنکھیں

آزاد۔ سورج نرائن نام آزاد تخلص۔

کیا چیز ہے زلیست اس کا منشا ہے یار از حیات کو معتا ہے
افسوس ہے آرزو ہوئی عمر تمام فانی دنیا کو صم ہمیشا ہے

بتیاب۔ مسٹر جگیشور ناتھ نام بتیاب تخلص بریلی کے شرفا میں ان کا شمار ہے
ادبی ذوق بہت بلند ہے مصوری سے بھی ذوق ہے

منظر حسن ازل جلوہ گہ طور نہیں دل ہی خود ظرف تجلی ہو تو کچھ دور نہیں
تنگی دامن بستی و جوم ارماں وسعت شوق باندازہ مقدور نہیں
قصہ طور ملتا ہے فسانہ دل کا ہے وہی بات بایں فرق کہ مشہور نہیں
بدگمانی سے بھی تجدید وفا ہوتی ہے شیوہ حسن مگر عشق کا دستور نہیں
جب دیار بختوں نے تو خدا یاد آیا حسرت قرب تھاں ہو تو خدا دور نہیں
برق۔ منشی ہمارا راج بہادر سکینہ نام برق تخلص ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے ۱۹۳۶ء
میں انتقال کیا۔ اردو ادب کو آپ سے بہت توقعات وابستہ تھے۔

کہان ہے سردی کی سردہری شباب جاڑیکا ڈھل چکا ہے
ہوا ہے آغاز دور و فکا زمانہ کر دٹ بدل چکا ہے
کھلی ہے خوابیدہ چشم تر گس، روش پستیرہ سنفل چکا ہے
قبائے غنچہ ہے چاک خوردہ کلی کا دامن نکل چکا ہے
ہے تجھ کو یاد از بردہ داستان ہماری لہریں تری و درق میں تاریخ کے ہماری

دامن میں تیرے پنہاں خاکستر سلف ہے
 گنج گہر نہاں ہیں جس میں تودہ صد ہے
 واحدانیت کا نغمہ موجوں کو سا زین ہے
 اعجاز حق نمائی رنگ مجاز میں ہے
 بسمل۔ منشی سکندر یو پر شاہ نام بسمل تخلص
 حضرت نوح ناردی کے ارشد تلامذہ
 میں ہیں الہ آباد کے خوش گو شاعر ہیں۔ دیوان انڈین پریس سے شائع ہو چکا جو ۵
 آہ میری رسا نہیں ہوتی
 کیوں موافق ہوا نہیں ہوتی
 روح کہتے ہیں جیکو شے لطیف
 وہ تو ہرگز فنا نہیں ہوتی
 بندگی کا خیال ہے ناحق
 بندگی جب ادا نہیں ہوتی
 ہم حیات آشنا سہی لیسکن
 موت نا آشنا نہیں ہوتی
 کیا کہیں دل کی بات لے بسمل
 شاعری میں ادا نہیں ہوتی
 بخششی۔ پنڈت رتن ناتھ نام بخششی تخلص

ساقی شراب ناب پلائے جو غید کو
 پڑ جائیں کیوں شیشہ باطل میں بال سرخ
 باصر۔ شیا م سندر نام باصر تخلص۔ اخبار "پارس"، لاہور کے اڈیٹر ہیں۔ آپ
 کا کلام بہت دلچسپ اور موثر ہوتا ہے۔ فلسفہ الہیات اور تصوف سے آپ کا
 کلام مملو ہے۔

دنیا کو تم نے آکر پُر نور کر دیا ہے
 اور ظلمتوں کو کیسر کا نور کر دیا ہے
 پیغام حق سنا کر سرد کر دیا ہے
 وحدت کی مٹی پلا کر سرد کر دیا ہے
 نار ان کی چوٹیوں پر وہ آفتاب جب کا
 چشم فلک کو جس نے مسح کر دیا ہے
 سارے پہاں میں تم نے پیغمبرِ معظّم
 پیغام آخری کو مشہور کر دیا ہے
 غارِ حرا سے نکلیں وہ نور کی شعائیں
 تاریک دادیوں کو پُر نور کر دیا ہے

اک بار تو دیارِ شرب کو دیکھ لیتا پابندی جہاں نے مجبور کر دیا ہے
شہر سے کیا رقم ہو وہ شانِ ہمتھاری جس نے نگہ گردوں کو مغفور کر دیا ہے

پریم چند - منشی دھنپت رائے نام لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہوئے
۱۸۸۲ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے وہ شاعر تو نہ تھے لیکن فطرت سے شاعرانہ دماغ
ضرور لیکر آئے تھے۔ ان کے نثر میں شاعری ہوتی تھی یہی ایک ایسے خوش نصیب ادیب
تھے جنکو ہندی اور اردو دونوں نے اپنا ستراج بنایا۔

زمانہ سے ان کے تعلقات بہت گہرے تھے چنانچہ زمانہ نے یادگار پریم چند
شائع کر کے حق و فاضل و ادیب کیا۔ اس مجموعہ میں منشی پریم چند کے پرانے دوستوں اور
اردو کے بہترین انشا پردازوں اور شاعروں کے ۳۳ مضامین نثر اور ۳۱ نظمیں شائع
ہوئی ہیں۔ ایک بڑی حد تک منشی پریم چند کی زندگی اور ادبی کارناموں کا ایک جامع
و مکمل مرقع پیش کیا گیا ہے اس مجموعہ میں پریم چند کی تصانیف کی فہرست ان کا عکسِ تحریر
اور مختلف اوقات کی ۸ ہاف ٹون تصاویر بھی پیش کی گئی ہیں۔ میں نے بھی اپنے ایک
پکھڑے والے شناساکے یا دیں ایک مضمون لکھا جس میں ان کا آخری خط جو میرے
نام آیا تھا شائع ہوا ہے یہ مضمون مجھی شوکت صاحب تھانوی کے رسالہ میں شائع ہوا
تھا۔ ایک اچھا مضمون فراق گورکھپوری کا انگریزی میں بھی شائع ہوا ہے۔ افسوس
یہ ہے کہ ایک عمدہ ادیب ایسے وقت ہم سے چھین گیا جب اس کی زیادہ ضرورت تھی
ان کے افسانوں کو آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈیوہر سٹ نے بے حد
پسند کیا تھا۔ ان کے افسانوں کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی ہوا ہے۔ میرے والد ماجد

ادیب شہر نشی امیر احمد صاحب علوی بی۔ اسے (صاحب یادگار انیس) نے میسری
 افسانہ نگاری کے فوق کو دیکھ کر بار بار ارشاد فرمایا کہ افسانہ نگاری کرنے سے پہلے پریم
 کے افسانے پڑھنا چاہیے۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھ کو زندگی میں پریم چند سے تعلقات پیدا
 کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے۔ میں نے اپنے افسانوں کا پہلا مجموعہ افسانہ خیالی پریم چند
 کے نام پر معنون کیا تھا۔ وہ گوہندو تھے مگر اصل یہ ہے کہ وہ مودود اور صوفی تھے۔ اور
 ادنیٰ صوفیانہ شکل نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ میں اس وقت یہ حالات
 (تشنہ!) لکھ رہا ہوں اور میرے سامنے ادنیٰ وہ شکل ہے کہ وہ حضرت شاہ مینا
 رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس پر نوچندی میں جا رہے ہیں۔ اور کہتے تھے کہ میں افسانوں کا
 مواد اور روحانیت انھیں جگہوں سے حاصل کرتا ہوں۔ پریم چند ایک اچھے و فاشعاً
 دوست اور بے خطر شناسا تھے!

پوری میسٹر نرائن داس نام پوری تخلص ریاست فرید کوٹ کے مدارس کے انسپکٹر تھے

دنیاۓ شہادت میں کاشانہ وحدت میں

دامان حقیقت میں آغوش صداقت میں

پھر میری دعاؤں میں خالق کی ٹکائوں میں

شفقت کی فضاؤں میں رحمت کی ہواؤں میں

آبار ہوئے حبا کر

دلشاد ہوئے حبا کر

بیمار محبت کے سرشار محبت کے

وہ محسن کے دیوانے وہ عشق کے افسانے

وہ جان سے بیگانے	عاشق سر سے پروانے
ہے مجھے پیارا ان کا	ہے مجھ میں مزار ان کا
از بسکستاتی ہوں	آگ انکو دکھاتی ہوں
خاک انکو بناتی ہوں	خاک انکی اڑاتی ہوں
پھر کر کے فنا ان کو	دیتی ہوں بقا ان کو
جلنا مر سی فطرت ہے	کھلنا مر سی عادت ہے
یوں چلتی رہوں یارب	یوں گھلتی رہوں یارب
رحمت کے ترسی مدتے	کام آتی ہوں اور دل کے
دنیا کو سناتی ہوں	دنیا کو دکھاتی ہوں
پیغام محبت کا	انجام محبت کا
میں خود کو جلاتی ہوں	نقش اپنا مٹاتی ہوں
پُر رونق منزل ہوں	آرائش محفل ہوں
اڑتی ہے شراب اسیں	بجنا ہے رباب اسیں
ہے رقص شباب اسیں	ہر کار ثواب اسیں
ہر رنگ کے ساماں ہیں	سب عیش بداماں ہیں
یہ میری عبادت ہے	یہ میری کرامت ہے

تار اچند۔ ڈاکٹر تارا چند نام کا ایسا مستنارہ کالج کے پرنسپل ہیں اور ہندوستانی
اکادمی کے سکریٹری آپ کا مقالہ اکادمی بہت مقبول ہوا ہے آپ کو اردو زبان پر

قدرت حاصل ہے۔ برابر ادبی خدمات سرانجام دیا کرتے ہیں۔ ملک کو ایسے سرگرم مخلص ادبی کارکنوں کی بہت ضرورت ہے۔

جگر۔ شمیم موہن لال نام جگر تخلص۔ بریلی کے رہنے والے ہیں آپ کا کلام زمانہ میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے آپ کو اردو ادب سے بہت ذوق ہے۔ آج کل صوبہ جات متحدہ میں مناسب تحصیلدار سی کے عہدہ پر فائز ہیں اور حسب حیثیت ادب اردو کو مالا مال کرتے رہتے ہیں۔

لڑکی ہے کہ تو کوئی کھلونا	لڑکی ہے کہ بھاتی پھرتی گڑیا
ہے چاند کی کوریا کسارا	ٹوٹا ہے یہ آسمان سے تارا
لیکن جو ادائیں ہیں نرالی	مسکین صورت ہو بھولی بھالی
شاداب گلاب سایہ چہرا	نخنہ نخنہ سبک یہ اعضا
ہنستے ہوئے پھول ہیں کہ ہیں گال	ریشم کے یہ لچھے ہیں کہ ہیں بال
یا جس طرح ناچتی ہو تلسی	چلتی پھرتی ہے جیسے پتلی
پتلی یا موم کی کوئی ہے	نازک ہے تو چھوٹی موٹی ہے
خاق کی عجیب شان ہے تو	نخعی سی ہے دہان پان ہے تو
اور سر پہ اٹھائے ہے گرہستی	یہ عمدہ یہ مختصر سی ہستی
ہر شے اپنی الگ سنگائی	چمکی چو لہا تو اکڑھائی
بنتے ہیں طرح طرح کے کجوان	جوڑے بیٹھی ہے سارا سامان
جس طرح چین کو پھول کی بو	دھکائے ہے گھر کو اس طرح تو

معصوم اداؤں سے بھٹاکر
 جب تیوری پڑھا کے کرتی ہے بات
 کس جوش سے کہتی ہے کسائی
 آتا ہوں سفر سے جب میں چل کر
 غل کرتی ہے کیسا کھلکھلا کر
 مٹ جاتی ہے ساری کوفت و غم
 روتی یہ تیرے جلوہ کی ہے
 پیشکش لے دیا تھا داغ جب سو
 پھر روح سی اُسمیں تو نے پھونکی
 ہنستی بھرتی ہے جب تو گھر میں
 گویا تو نسیم ہے جسم کی

ہر وقت یہی دعا ہے میری

ہو عمر بہت دراز تیری

جگدیش - جگدیش سہائے سکسینہ نام جگدیش تخلص آپ وکیل ہیں اور اردو ادب
 سے بہت ذوق ہے۔ آپ کے افکار زیادہ تر زمانہ میں شائع ہوا کرتے ہیں۔
 غم مرگ ناگماں کا بھلایا نہ جائے گا بارِ الم یہ دل سے اٹھایا نہ جائے گا
 کیا پوچھتے ہو بزم میں شورِ غمراہ کیوں جاں سوز ہے یقیناً، سنایا نہ جائے گا

لے جگر صاحب کی پانچ سال کی بچی جس کا انتقال اپریل ۱۹۷۷ء میں ہو گیا۔

ہم یہ سمجھ کے خوش تھے کہ دور بہار میں
 مجھے تھے ہم کہ وہ تین نہیں، وہ روئے خوب
 یہ لوکل شگفتہ کہ جان بہار تھا
 وہ نقش و لہریں کہ بہشتِ نظارہ تھا
 دل شاد کر کے ہم کو لایا نہ جائے گا
 شعلوں سے بے محابا جلایا نہ جائے گا
 یوں خاک میں خزاں سو ملایا نہ جائے گا
 نیرنگی، فلک سے مٹایا نہ جائے گا
 ہم سے وہ زیرِ خاک ملا یا نہ جائے گا
 جوش۔ ہنڈت بھورام نام جوش تخلص۔ جوش بلیسیانی کے نام سے ادبی دنیا میں
 مشہور ہیں۔

جاگو جاگو کہ امتحان سدا ہے
 کیوں فرشِ زمیں پہ بن گئے فرشِ زمیں
 جگندر۔ جگندر سنگھ نام جگندر تخلص
 خدا سے پہلے پورپ سے سورج نکالا
 اُسی نے یہ جگہگ ستارے بنائے
 پہاڑ ایسے ادنیٰ جو سیدھے کھڑے ہیں
 بنائے اسی نے یہ تال اور سمندر
 بڑے پاٹ کے اس نے دریا بنائے
 کہیں نالے اک شور اور غل مچاتے
 جن میں کھلائے ہیں پھول اُس نے کیا کیا
 برآمد سے ہیں پیدا کئے چھپاتے
 یہ سب چیزیں اُس کی بنائی ہوئی ہیں
 عرصیاں ہیں کہ اک بار گراں سر پہ ہے
 سنبھلو سنبھلو کہ آسماں سر پہ ہے
 جو دم بھر میں کرتا ہے گھر گھر اُجبالا
 چراغاں کے ہم کو تماشے دکھائے
 یہ سارے خدا ہی نے پیدا کیے ہیں
 بہت چوڑے اور گہرے دنیا کے اندر
 پہاڑوں سے جھگل میں لا کر بہائے
 بندی سے آتے ہیں طوفان ڈھاتے
 جنہیں دیکھ کر روح ہوتی ہے تازہ
 جو دن بھر ہیں بٹھی صدائیں سناتے
 اُسی کے بنائے ہوئے تم ہو اور میں

کریں شکر ہم آؤ مل کر خندا کا
کہ ہے وہ بڑا۔ اور سب کا ہے دانا

جہا۔ شیو پرشار نام جاہ تخلص۔

پاؤں کے چھالے نہیں اے جاہ سوئے عشق میں
زیر پا آیا ہے گویا چلکے سر سے آفتاب

چکبست۔ نشی برج نرائن نام چکبست عرفیت ہندوستان کے دور حاضر کے
شعرا میں انکا پایہ بہت بلند ہے۔ صبحِ آمید کے مدتوں ایڈیٹر رہ چکے ہیں اُن کی
شاعری نے وطنی شاعری کا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ ان کا مسدس اردو زبان میں
بہت مشہور ہے افسوس یہ ہے کہ انکی عمر نے وفات کی در نہ اس سے زیادہ وہ شہرت
صادقہ کے مالک ہوتے جس حد تک کہ انکو حاصل ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے گذشتہ
سال لکھنؤ والوں نے یومِ چکبست مناکرا اس شہیدِ ادب کی یادگار منائی تھی

رخصت ہوا وہ باپ سے لیکر خدا کا نام راہِ وفا کی منزلِ اول ہوئی تمام
منظور تھا ہواں کی زیارت کا انتظام دامن سے اشکِ بچہ کے دل سے کیا کلام

آخر ہے کچھ حدِ ستم ظلم و جور بھی
ہمکو اداس دیکھ کے غم ہو گا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخرِ خوش خصال خاموشی ماں کے پاس گیا صورتِ خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی ہنستہ حال سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدتِ ملال
تن میں لو کا نام نہیں زرد رنگ ہے

گو یا بشر نہیں کوئی تصویر رنگ ہے

نہ جانے کس خیال میں گم تھی بیگناہ نور نظریہ دیدہ حسرت سے کی نگاہ
جنیش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ لی گو شہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ
چہرہ کا رنگ حالت دل کھولنے لگا

ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جا میں جانتی ہوں جس لیے آئے ہو تم یہاں
سب کی خوشی ہی ہے تو صحر اکو ہو رواں لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ہاں
کس طرح بن میں آنکھوں کے تار کو بچھو دوں

جوگی بنا کے راج دلا رے کو بھیج دوں

کن کن ریاضتوں میں گزارے ہیں ماہ و سال دیکھی تمھاری شکل جب اے میرے نونہال
لائی دامن جو بیاہ کے شادی ہوئی کمال آفت یہ آئی مجھ پہ ہوئے جب سفید بال
چھپتی ہوں اسے جوگ لیا جٹکے واسطے

کیا سب کیا تھا میں نے اسی دنگ واسطے

سکر زباں سے ماں کی یہ فریاد درو خیز اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک تیز لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزرنے جائے

ناشا دہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادر ناشاد کے حضور مایوس کیوں ہوئی پالم کا ہو کیوں فور
صد یہ شاق عالم پیری میں ہے ضرور لیکن نہ دل سے کھینچے صبر و قرار دور

شاید حزن سے شکل عیاں ہو ساری
کچھ مصلحت اسی میں ہو برد و دگاری

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتظار واجب ہر ایک رنگ میں جو شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتہ و نیزنگ روزگار ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سو گوار
سنتی سہی نہیں کہ اٹھائی کر ٹی نہیں

دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں
دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے انقلاب جن سے کہ یگنا ہوں کی عمر میں خراب
سوز و روں سے قلب و جگر ہو گئے کباب پیری مٹی کسی کی کسی کا مٹا شہاب
کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
دہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھرا بڑ گئے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام بعد سفر وطن میں ہم آئینے شاد کام،
ہوتے ہیں بات کرنے میں جو دہ برس تمام قائم امید ہی سے جو دنیا ہو جس کا نام
اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہو گا وہ گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

میری نگاہ ہے کرم کا رساز پر صحر چمن بنے گا وہ ہے مریاں اگر
جنگل ہو یا پہاڑ سفر ہو کہ ہو حضر رہتا نہیں وہ حال سے بند و نکے پیجر
اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
درمان و دشت دامن مادر سے کم نہیں

چودھری۔ پر بھان شکر چودھری نام چودھری تخلص رواں موعوم کے صاحبزادے

ہیں ادبی شوق و رشتہ میں ملا ہے۔ انشاء اللہ اچھے ادیب ثابت ہونگے۔

زلفیں بکھر بکھر کے ہوئیں رخ کی پردہ پوش انچل ڈھلک کے سر سے ہوا ہے وبال پوش
قشقہ جبین پہ ہے نہ دودھل زریب گوش آرائشوں کی فکر نہ زیبا لکٹوں کا پوش

دار فتنگی لالہ خان دیدنی ہے آج

وہ بزم ناز جام صبوحی کی انجمن پھرتی ہے جھومتی ہوئی نکمت جہن چمن
مستی کے قافلے ہیں فضاؤں پہ خیمہ زن دم ساز ابرو باد ہے زندانہ بانچمن

طرت کلاہ پیر مغاں دیدنی ہے آج

ساز طرب پہ نغمہ سرا جوش خوش مقال بادل گرج گرج کے جیسے دیر ہے ہیں تال
فصل شباب۔ موسم ارماں، شبِصال حُسن جوان، شراب کُن موج برشکال

عشرت سراے بادہ کشان دیدنی ہے آج

حشمت۔ پنڈت ایم نرائن کول نام حشمت تخلص۔

قاتل یہ بلا کا مختصہ ہے دورانِ زماں کا اقتضا ہے

یار ب مرے نامہ کو اثر دے ہر حرف قبولیت سے بھر دے

گودرد ہے لا علاج لیکن سب چاہیں تو ہے دوا بھی ممکن

حضور۔ پنڈت سرکشن نام حضور تخلص۔

بعد فنا پڑے رہیں کوچہ کے آس پاس تھوڑی دے زمین اگر آسمان

دنیا کو لے نہ جاؤں گا ڈرتا ہے کیوں فلک رہنے دے ایک دن کیلئے ہماں

۱ حرلیت۔ منشی دبی پرشاد سکسینہ نام حرلیت تخلص تذکرہ شعرائے ہندو کے مولف

ہیں آج کل ریاست جو دھپور میں قیام ہے

خدا توفیق دے عشق حقیقی کی حریت ہو کہ عشق ظاہر میں تو زبان دین دایماں ہے
حساب - راجہ کیشو پرشاد نام حساب تخلص -

آنکھ کس کے جلوے نے چھبکا دی اے حسنا

گر گنیا کیوں ایک عالم کی نظر سے آفتاب

حسرت - سرسی کرشن ورما نام حسرت تخلص - آپ بنارس کے رہنے والے ہیں

تاریخ سے دلچسپی ہے کاشانی آپ کی تاریخ دلچسپ ہے -

حضور - بال مکند نام حضور تخلص - دہلی کے رہنے والے تھے اور خواجہ درد کے شاگرد

میں شمار کئے جاتے ہیں، فارسی میں پوری دستگاہ حاصل تھی، عربی بھی خوب جانتے

تھے - بقول نغمہ عند کرب -

”کام دباں میں چاشنی قند عربی رکھتے تھے، شاعری میں ان کی طبیعت

کو بہر حال برتری“

صاحب نغمہ جاوید لکھتے ہیں کہ:-

”حضور آخر زمانہ میں گجرات چلے گئے تھے اور وہاں ہی راہی ملک بھاڑے،“

مولوی کریم الدین ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں:-

”لالہ بال مکند، برادر کوچک لاجپٹ لال کا ہے جو کہ حسب ظاہر زنا ردار

گجراتی تھا اور باطن میں درویش قادری، گیارہویں حضرت محبوب جانی

کی بڑی چاؤ سے کیا کرتا اور علم فارسی سے بہرہ وافی رکھتا تھا اور علوم

عربیہ سے بقدر کافی چاشنی یاب تھا - شعرا اپنے حضرت خواجہ ہمسہ درد

علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزرتا تھا اٹھارویں صدی میں جو دھاکا

کلام کا طرز یہ ہے۔

یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں ایک خانہ خراب ہیں دونوں
وہاں رشتہ محبت معشوق توڑتے ہیں یہاں ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہم بیٹھے ہوئے ہیں
نہ پاؤں کو جنبش نہ ہاتھوں میں طاقت جو اٹھ کھینچوں میں امن اُس دلربا کا
سر راہ بیٹھے صدا ہے یہ اپنی کہ اللہ یاد رہے بے دست و پا کا
یہاں مجھ میں نہیں ہے جان باقی وہاں اب بھی ہوا امتحان باقی
جفا کو تم وفا سمجھے ستم کو ہم کرم سمجھے ادھر کچھ دل میں تم سمجھے ادھر کچھ دلیں تم سمجھے
چلے پہل آپ جو اس بت سے سار کر لیںکو حضور! پاس بھی کچھ نیار کر لیںکو
کالی تم نے دی غصہ سے ہم جاہت کا دم سمجھے بس اب چپکے رہیںے گا کچھ تم سمجھے کچھ ہم سمجھے
پڑانے طرز کا درد انگیز کلام ہے، توکل اور صبر شکیبائی کی شان اس سے ظاہر ہے۔
» کہ اللہ یاد رہے بے دست و پا کا«

درد اصل حضور خوش نصیب تھے کہ ان کو خواہہ درد جیسا استاد فاضل اور عارف

کامل رہبری کے لئے ملا جنھوں نے اُن کے دل و دماغ دونوں پر ملامت کر دی۔

حیرت۔ پنڈت ابو دھیا پر شاہ کشمیری نام حیرت تخلص ان کا اصلی وطن لکھنؤ تھا، مگر کبھی کبھی دہلی میں بھی رہتے تھے، جرأت کے شاگرد تھے، کچھ شنوایاں بھی لکھی ہیں جواب نہیں ملیں، ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا جواب کیا اب ہے، فن موسیقی کے بڑے مستند ماہر گذرے ہیں۔ بڑے ہونہار اور ذہین نوجوان تھے، مگر افسوس ہے کہ عین عالم شباب میں ۱۹۳۵ء میں ۳۵ سال کی عمر پا کر اس دنیا سے چل بسے۔ ارباب نظر کو کافی امید تھی کہ اگر زندہ رہتے تو بہت کامیاب شاعر ہو جاتے۔

صاحبِ نغمہ و عنایب ان کے متعلق لکھتے ہیں :-

”پہنڈت اچودھیہ پر شاد نام، لکھنؤ مسکن، کشمیر نژاد، علم شاعری
میں قلندر مجتبیٰ جیسے مشہور زمانہ اُن کے استاد۔ جامع
شعوی ہائے کثیر۔ بعلم موسیقی دل پذیر۔ تیر اندازی میں قدرت قوی
غوش گلوئی میں رشکِ خنجر، داؤ دی۔ دہلی میں بھرسی دنجبال
آئینہ ہستی سنگِ قضا نے چوڑ کیا ملے مرعلہ دہلی نامقدور کیا حیرت
کے استاد جرأت، جرأت کے شاگرد حیرت“

تمام تذکروں میں ان کا ایک ہی شعر درج ہے :-

برنگِ نقیش پاؤں اسکی گلی سے اٹھ نہیں سکتا ہوا ممنون احسان خود میں اپنی ناتوانی کا
حیرت کا یہ شعر لطیف ہے، بالخصوص دوسرا مصرع نہایت پاکیزہ ہے، ہمیں افسوس
ہے کہ ہمیں ان کا دُرُکلام نہ مل سکا ورنہ ہم اُسے بخوشی اس جگہ درج کرتے، شعر کے تینوں
بتارہے ہیں کہ کہنے والا غیر معمولی قابلیت اور شعریت رکھنے والا فرشتہ تھا۔

خوشتر۔ منشی جگنات پر شاد سری داستانِ خوشتر تخلص شاعر شیریں بیان تھے۔
چند رنگیت کی شاعری انکی یادگار ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

خدا ایا نامہ کو نام آوری دے قلم کو جلوہ بال پری دے
خورم۔ سنبل پر شاد نام خورم تخلص۔

عکس رخ کو دیکھ کر دریا میں لالچ سے یار
ہو کہ حیرت ہے کہ یہ نکلا کہہ مر سے آفتاب

دیازرائی - رائے صاحب نشی دیا زائن نگم نام۔ آپ مشہور یگانہ رسالہ زمانہ کے
 ڈیٹر ہیں۔ اردو کے بہت سے پراسنے خادم ہیں۔ اردو سے محبت ہی نہیں عشق ہے۔ آپ کی
 زبان میں سلامت اور لوح موجود ہے بسا اوقات آپ کی شریع شاعری ہوتی ہے۔
 اس وقت تک آپ کے رسالہ کی سترہویں جلد شائع ہو چکی ہے۔ اگر کسی شخص کو سلیس
 اور صحیح اردو پڑھنے کا شوق ہے تو اس کو زمانہ کے پراسنے فائل ضرور دیکھنا چاہیے
 تشنگین ادب واقف ہیں کہ شمالی ہند کا یہ قدیم ترین اور مشہور رسالہ ۳۶ سال سے
 اردو زبان اور اردو ادب کی کس قدر اہمک و سرگرمی سے خدمت کر رہا ہے اس
 کے نقادانہ مضامین اور گراں پایہ نظمیں ملک کو بڑے بڑے نقادوں سے تراچ تحسین
 حاصل کر چکی ہیں۔ زمانہ جو بلی منبر۔ حالی منبر پر تہم چند منبر اس قابل ہیں کہ کتب خانوں میں
 محفوظ کیے جائیں تاکہ آنے والیں نسلیں ادب و احترام سے نگم صاحب کی خدمت میں
 عقیدت و احترام کا لافانی تحفہ پیش کرتی رہیں۔ اس رسالہ کو ہمیشہ سے ملک کے
 مشاہیر ادبا علما۔ شعرا کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ زمانہ کا
 انتخاب شائع کیا جائے تاکہ ہمارے نئی پودنگم صاحب کی بیٹھی ستر کاریوں سے وقفیت
 نامہ حاصل کر سکے خدا کرے یہ خادم ادب عرصہ دراز تک زندہ و سلامت رہے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ بہاں امن باد

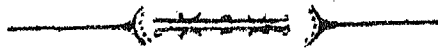
دیوانہ۔ ڈاکٹر مدہن سنگھ نام دیوانہ تخلص۔ پنجاب کے آپ مشہور لکھنے والے ہیں
 آپ کی شاعری خالص گاندھی آرم سے متاثر ہے۔ افسانہ نگاری حیثیت سے بہت
 مشہور ہیں قی پند مصنفین کی جماعت کے ایک ممتاز فرد ہیں۔

احساس کو بنانا ہوں اپنے عین تر دیتا ہوں طول زندگی مختصر کو میں

عمر عزیز اپنی غم و غصہ میں نہ کھو
 دشمن کے سامنے نہ دیا اپنے کچھ جواب
 تیری مدافعت کی تو بھی تاب اے حریت
 ہے پاس ہی تو منصفِ کامل کی عدالت
 کچھ اور کام بھی ہیں غم و غصہ کے سوا
 دشمن کو اس کی نظر میں آخر زبوں کیا
 اپنے خدا سے ڈر کے میں غصے کو پی گیا
 تجھ کو ترے شر کو میں سمجھتا ہوں مگر ہیچ
 دن کو بتوں کی یاد ہو شب کو حسد کی یاد

ہوا احتیاط و قست تو لطیف حیات ہے
 ہیچ دنیا دار و نیست! ہیچ
 نظر کش دل فریب اور قوت افروز
 رندوں میں باہم اگر ہے کس قدر ربط و سلوک
 اجنبیت آپ بدی کر کے دکھائیں تو سہی
 خود عیلام آئیں گے صد شوق سے نیکی کی طرف
 بے نقاب آپ بدی کر کے دکھائیں تو سہی
 باہر ہوا محیط مشیت سے وہ کیا
 شیطان کی سرکشی ہے رضا سے خدا کا راز

دیوانہ رعبِ حسن سے چپ تھا شباب میں
 پیری میں ہو کے سکون سراپا ہوتا ہے کیا



دیوانہ - رائے سرب سنگھ نام دیوانہ تخلص راجہ ہما نرائن کے بھانجے تھے۔ ان کا اصلی وطن دہلی تھا، مگر تمام عمر لکھنؤ میں بڑی تزک و احتشام کے ساتھ رہے۔ دولت و ثروت اور علم و فضل میں یکتا سے روزگار تھے ان کی جامہ زہبی اور نقیس مزاجی دور دور مشہور تھی، فارسی میں قدرت کا ملہ حاصل تھی اور مرزا فاخر کین کی زیر ہدایت سالہا سال محنت و جانفشانی کر کے اس فن میں اُستادی کا درجہ حاصل کیا تھا شعرا کے بڑے قدردان تھے، اور ان کے ساتھ امیرانہ طریقہ سے سلوک کیا کرتے تھے۔ ۱۲۸۵ھ میں اس دنیا کو خیر باد کہ گئے، میر حیدر علی حیران اور جعفر علی حسرت ان کے نامور شاگرد ہوئے ہیں، چار دیوان فارسی اور ایک دیوان اردو چھوڑا۔ صاحب

۱۷۰۰ھ رائے سرب سنگھ دیوانہ لکھنؤ کے ایک جلیل القدر رئیس، جن کی شاعری کی دور دور شہرت تھی۔ مولوی عبدالغفور نساخ "سجن شعرا" میں فرماتے ہیں: "مہیشور زادہ راجہ ہما نرائن۔ فن شعر سے خوب ماہر تھے، فارسی بیشتر کہتے تھے۔ ان سے چار دیوان فارسی یادگار ہیں، ان کے اردو کلام میں مولف مذکور نے بن اشعار منتخب کر کے درج کیے ہیں، یہ

دل صد اتر پے جو میر امیرغ بھلی کھیلچ یا کہ سیکھی مرغِ بیل نے مرغی کی کھیلچ
جان پر آجی ہدم مرغی خاموشی سے بات کچھ بن نہیں آتی ہوا بانہار بغیر

دل چوک تیری تیغ کے آگے سے ٹل نہ جائے

رستم کا کب بگڑ ہو کہ زہرہ پگھل نہ جائے

ناظرین خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ میر حسن دہلوی اور نساخ نے کیسی اچھے الفاظ میں اس کمال شاعر کو یاد کیا اور کیسی بے تکلفی سے اُس کے کمال کا اعتراف کیا ہے !!

گلشن ہندان کے متعلق لکھتے ہیں :-

» نہایت پرگو - - - وضع مغلیت پر مرتا تھا .. وودیان

زبان فارسی میں اس نے لکھے ہیں اور اکثر رختہ گو لکھنؤ کے ..

.. اس کے شاگردوں میں سے ہیں .. فارسی

منظوم اس کا دس ہزار بیت سے زیادہ ہے ..

صاحب نغمہ عندلیب کا بیان ہے :-

» دشاہ مستثنیٰ سے روزگار علم عروض و قوافی میں بہت دانا

و ہوشیار فکر اشعار فارسی میں دلواد کہا بلکہ فرزند - نظم اردو کی

تحریر میں کتنا سے زمانہ ہر چند گفتگو و حشیانہ لیکن انداز تحریر ہوشیار

انکا کلام ملاحظہ ہو - (رباعی)

دے یا رکھاں کہ بار باشی کیجئے دے وقت کہاں کہ خوش معاشی کیجئے
اک گوشہ میں بیٹھ کر دیوانہ تنہا اب ناخن غم سے دل خراشی کیجئے

علہ مولوی کریم الدین نے بھی دیوانہ کے کمالات کو حسب معمول کتنا کشادہ پیشانی سے سراہا ہے۔

» یہ شعراے دیار مشرق سے گنا جاتا ہے ایک مدت مدید بلدہ لکھنؤ میں علم استاد

کا بلند کرتا رہا اور بہت آدمی اُس کے شاگرد ہوئے - جعفر علی حسرت جو کراستاد

قلند رنجش جرات کا ہے وہ بھی نسبت تلذ اُس سے رکھتا ہے، اور اُسی جائے کے

رہنے والے اُس کو استاد مسلم البتہ کہتے ہیں - اکثر میل طبیعت طرف فارسی کے

رکھتا تھا، گاہے رختہ بھی موزوں کرتا تھا، درمیان ۱۲۱۴ھ کے فوت ہوا ..

جان پر آہنی ہندم ؟ میری خاموشی سے بات کچھ بن نہیں آتی جواب اظہار بغیر
 بزم میں رات بہت سادہ و پرفن تھے مئے گرمی بزم کہاں اُس جبت عیتار بغیر
 دیکھ بیمار کو تیرے یہ طبیبوں نے کسا ہو چکی اس کو شفا شربت و بدار بغیر
 دل ہے کہ تیری تیغ کے آگے سو ٹل نہ جائے رستم کا کرب جگر ہو کہ زہرہ کھل نہ جائے
 دل سدا ترپے ہو میرا مرغ بسمل کی طرح یا کہ سیکھے مرغ بسمل نے میری دلکی طرح
 کلام میں ردائی اور لطافت تو مفقود ہے، اغلباً فارسی کلام ان کا بہت پاکیزہ ہو
 ورنہ دیوانہ ایسے جید استاد نہ مانے جاتے۔

فرہین۔ نو حق چند نام دین تخلص۔

رخصت یک نالہ بھی ہم کو نہیں ملتی ذہین

ورنہ دکھلاتے کہ نکلا اب کہ ہر سے آفتاب

ذکار۔ ششی خوب چند نام ذکا تخلص۔ وطن دہلی، قوم کے کایستہ تھے، شاہ نصیر کے شاگرد
 تھے، سنا جاتا ہے کہ ایک بہت بڑا تذکرہ انھوں نے مرتب کیا تھا مگر اب وہ کہیں نہیں ملتا
 اس تذکرہ میں چار پانچ ہزار شعرائے اُردو کا ذکر تھا، اگر اب وہ دستیاب ہو جائے تو یقیناً

۱۵ اس غزل کے دو شعر گلشن ہند میں اور ملے۔

جب نہ تب سنیے ذکر تا ہے وہ اقرار بغیر گفتگو ہم سے اُسے پر نہیں انکار بغیر

جس کی خاطر کے لیے یا ر سب اغیار ہوئے کیونکر دیوانہ بھلا رہے اُس یا ر بغیر

۱۶ فارسی کلام کا نمونہ آئندہ پیش کیا جائے گا۔ ۱۷

نہایت سودمند ثابت ہوگا۔ اور بہت سی نئی باتیں اُس سے معلوم ہونگی۔ سنا ہے کہ اُن کا تمام علمی ذخیرہ اُن کی وفات کے بعد اُن کی اولاد کی بے پردائی سے ضائع ہو گیا۔ مگر صاحبِ نخبہ جاوید لکھتے ہیں کہ اُن کا دیوان میر سے پاس موجود ہے اور اُن کے تذکرے کی ایک نقل ڈاکٹر اسپرنگر پرنسپل دہلی کالج کے پاس موجود تھی۔ بہت افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ہی وطن کے کارنامے ہماری غفلت شعاری سے اختیار کے ہاتھوں میں نہیں اور ہم انھیں نہ پاسکیں۔

ذکار نے شاعری میں انتقال کیا۔ اُن کے کلام کی زبان وہی پرانی اُردو ہے جو میر تقی میر اور سودا نے استعمال کی تھی اور جن کے اکثر الفاظ اور محاورے متردک ہو گئے ہیں۔

ان کے متعلق مولوی کریم الدین دستگیرین فرماتے ہیں:-
 «ایک روز مولف گلشن بے خار سے ملا تھا۔ کہتا تھا کہ میں نے ایک تذکرہ ریختہ میں لکھا ہے، مگر وہ دیکھنے میں نہیں آیا، حکیم قدر اللہ خان کہ یہ شخص سکندر آبادی الاصل اور جہاں آبادی المولد ہے راجے سلامت راسے کا پوتا۔ بسبب افراط و تفریط اور تملکِ عوام کے جب کہ افغانہ ابدالی دہلی میں آئے تو اکثر لوگوں نے اس شخص کے بزرگوں میں سے اہل و عیال کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالا تھا اور پھر آپ

۱۵ از گلشن بے خار۔ «خوب چند کاہستہ دہلوی شاگرد شاہ نصیر ست روز سے باغیچہ پروردہ بود، می گفت کہ تذکرہ نوشتہ ام ملاحظہ شد،»

مر گئے تھے اور تھوڑے سے آدمی عورت اور مرد اس تملک سے جان سلا
 سے جا کر گرتے پڑتے کوئی عظیم آباد کی طرف جاسا تھا اور کچھ شاہجہاں آباد
 میں رہ گئے تھے۔ بہر کیف لالہ ثوب چند سخن سازی اور انشا پر دانی
 اور سیاق وغیرہ متقدمی گری سے خوب واقفیت رکھتا ہے اپنے شعر
 کی اصلاح شاد محمد نصیر الدین سے لیتا تھا۔ دیوان ان اشعارات میں ہیں
 اکثر انواع سخن ہیں جمع کیا ہے ۵۰

کٹی رہتے ہوئے اک عمر باہم	حجاب اس کا نہیں جالنا ہے تاہم
ہزار افسوس وہ بیگانہ نکلا	جسے سمجھے تھے اپنا آشنا ہم
نہ کیجئے اس قدر بیگانگی آسیب	کبھی تو تھے تمہارے آشنا ہم
خیال آتا نہیں اتنا بھی ہرگز	کہ آئے کیوں تھے اور کہتے ہیں کیا ہم
مے گلنار کا جی کر پیالہ	ڈنکا بہ سب فکر دیتے ہیں بھلا ہم
جام مے دے ساقیا! یہ ابرو باران کھ کھانا	ابر و باران اگر ہوا تو بزم یا راں پھر کساں؟
بے گناہ ہرگز کسی کو قتل اسے ظالم نہ کر	آدمی ہوتا ہے پیدا آہ ناداں پھر کساں؟
خواب ہو جائے گا ملنا کر ہم آغوشی شباب	ہو زلیخا دیکھئے یہ ماہ کنعاں! پھر کساں؟
غم جس سے دل کا جائے میا دہ شے کرو	موجود یعنی بزم میں بیت ادھے کرو،
جز شمع کے سر کاٹے زندہ ہو دوبارہ	دیکھا نہ کسی کو کہ کوئی مر کے جیا ہو
خاناہ زندگی خراب گیا	کیا رہا لطف جب شباب گیا
فقتش پا نالغ گیتی نے بنایا ہم کو	جس کے قدموں سے لگے اُسینے مٹایا ہم کو
مرد ہی دست سے ہو خیر کیا	پاؤں گیا ٹوٹ تو پھر سیر کیا

سانورے کالگے ہے خوش غصہ ساتھ ہے ترشی اور سلونے کا
 شغل مینا دے مدام رہا جیتے جی ہم کو یہ ہی کام رہا
 کیا گیا عہد ہی جوانی کا اٹھ گیا لطف زندگانی کا
 آوارہ و بدنام ہوا قیس ہی آخر لیلیٰ پر کسی بات کا الزام نہ آیا
 خوف مرگاں سے ترے دل تو دھڑکتا ہی ہا ہائے جب تک جیسے یہ خار کھٹکتا ہی رہا
 ذکا کی علمی استعداد بہت معقول تھی، اشعار بھی پُر لطف اور سلیس ہیں، کتبہ مشق
 شاعر معلوم ہوتے ہیں۔

ذقشی۔ پنڈت منوہر لال ذقشی نام۔ آپ کشمیر و خالوادہ کے ایک جوہر لطیف ہیں آپ کو
 صحیح طور پر اساتذہ الاساتذہ کا درجہ حاصل ہے آپ کے مضامین کا انگریزی مجموعہ عرصہ ہوا
 مشہور لبرل لیٹر کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اکثر کتابوں پر
 آپ کا عالمانہ مقدمہ موجود ہے۔ اگر آپ کے باکمال صاحبزادہ مسٹر ذقشی محکمہ تعلیمات
 میں ملازم ہیں وہ اگر اساتذہ الاساتذہ کے مختلف مضامین کا ایک عمدہ مجموعہ شائع کر دیں
 تو بڑا کرم ہوگا۔ اساتذہ الاساتذہ کو اردو ادب اور زبان پر بڑی قدرت حاصل ہے۔
 مقدمہ نگاری میں تو آپ مخدوم ادب کے بعد دوسرا نمبر رکھتے ہیں۔ سفر و شاعری سے
 فطری دلچسپی رکھتے ہیں۔ خدا کرے عرصہ تک آپ جی وقائم رہیں۔

روشن۔ رام سرن نام روشن تخلص جگر بسوانی کے شاگرد ہیں۔

عالم نزع میں ہوں ناک میں دم اٹکا ہے کاش آجاتے وہ اس وقت تو بہتر ہوتا
 رام۔ رام دلا سے نام رام تخلص جگر بسوانی کے شاگرد ہیں۔

دل نے بھی چھوڑ دیا ساتھ ہمارا آخر کون تھا منزل الفت میں جو دہر ہوتا
روشنی نہ لکھی زائن دھون نام رونق تخلص -

ذرا حظ نہ حکم ملا زندگی کا گذر سب گیا زمانہ زندگی کا

رتن - رام رتن نام رتن تخلص جگر سبوانی کے شاگرد ہیں -

ایک ہی تر بھی نظر سے ہائے یہ کیا کر دیا تھم کیا تھا درد جو دل میں وہ دونا کر دیا
آپ میں آنا ہیں دشوار برسوں ہو گیا جب کسی نے ذکر کچھ ہم سے تمہارا کر دیا
روایں - چودہری بگت موہن نام رداں تخلص ۴۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۳ء
میں انتقال کیا مولانا عیوب کے ارشد تلامذہ میں تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ
رداں فطری شاعر کی حیثیت سے ہر طرح ایک ممتاز بلند پایہ اور کامیاب شاعر تھے
انکی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ انھوں نے افراط و تفریط سے ہمیشہ اپنے دامن کو
محفوظ رکھا۔ انکی زاویہ نگاہ میں صحیفہ کائنات کی جو گوشت گوئی رنگینی نظر آتی ہے وہ میاں
مذاق سے بالکل جدا گانہ تھی افسوس ایک کامیاب ہونہار شاعر بہت جلد دنیا سے
چل بسا موند کلام ملاحظہ ہو -

اندر سی دلفریبی ایواں آرزو کی	ہر منظر فنا کو باقی سمجھ رہا ہوں
مال زندگی ہے کام کرنا کام کرتا ہوں	ناسف ہے اگر ہو کاوش سود زیاں مجھ کو
کہاں سے کہاں لائی قسمت ہاری	کس آفت میں میں مبتلا ہو گیا
ضائع ہے نقد ہستی، برابر گفتگو ہوں	ڈھلکی ہوئی ہر اہی چھلکا ہوا سبب ہوں
کوئی آزاد ہستی بزم دنیا میں نہیں ملتی	جسے دیکھیں گے بس فریاد می زنجیر دیکھیں گے
اپنے وطن سے چھٹ کر آوارہ پھر رہا ہوں	بانگ غریب منزل نا محرم دراہوں

دیوانگی سمجھئے یا میری کم ننگا ہی
 آتا ہوں فاصلہ سے جاتا ہوں دور جھکو
 مسافر یوں یادہ ادرا س سے کہ نہیں سنگنا
 کال زندگی ہے کام کرنا کام کرنا ہوں
 معنہ ہے تجھیں خود اپنی ہستی بزم عالم میں
 جھکو بتا خدا یا ہستی کا میرے حاصل
 بساط دہریں مانند حرہ شطرنج
 جہاں میں صورت قرارہ زندگی جو مری
 کیا تم سے بتائیں عرفانی کیا تھی
 یہ گل کی دیک تھی یا ہوا کا جھونکا
 یہ ہستی جزو کل نہیں ہونے کی
 محفل بدلے گل بدل جائے مگر
 ہے چشم حواس کو آفت یہ ہے
 آتے ہیں کہاں سوا در جانا ہوا کہاں
 پابندی بان دول ہے زنجیر حیات
 آغاز کی کچھ خیر نہ انتخاب کا علم
 پابندی ذوق اہل دل کیا معنی؟
 اے ناظم کائنات کچھ تو بتلا،
 کرتا ہوں کچھ ایسی سعی امکان حیات
 ڈرتا ہوں چہرہ نہ دے کہیں ان سے اجل
 اپنا نشان منزل اور دل سے پوچھتا ہوں
 دلچسپ تھے مناظر دم بھر ٹھہر گیا ہوں
 کہ آتا ہوں کہاں سے اور جانا ہے کہاں
 تاسف ہے اگر ہو کاوش سود زبانی مجھکو
 وہ کم اندیش شرح عالم ایجاد کرتے ہیں
 آخرین کس کا مقصد میں کس کی آرزو ہوں
 نہ جانے کس لئے سرگرم کارزار ہوں میں
 کہ آپ اپنی بلندی پہ اٹھکبار ہوں میں
 بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی
 اک موج فنا تھی زندگانی کیا تھی
 مستی پابند کل نہیں ہونے کی
 یہ شمع حیات گل نہیں ہونے کی
 ہم راہروں کو درخ غربت یہ ہے
 اس کی بھو خزنیں مصیبت یہ ہے
 اللہ اللہ ری فکر توقیر حیات
 کوئین ہے پھر بھی محو تدبیر حیات
 دلچسپی جنس مضحل کیا معنی؟
 آخر یہ طلسم آب و گل کیا معنی؟
 گو یا بس میں ہے میرے دوران حیات
 جو مائے زندگی ہیں سامان حیات

ہے آج جہاد کیا قیامت یہ ہے
 انسان ہے محو عیش حیرت یہ ہے
 ہے دار حیات سر بسر دار فنا
 ذرہ کو بھی جب نہیں اقرار فنا
 ہو جائیں گے اب تمہارے انوار فنا
 تو آئے گی اور ختم ہو جاؤ گی، آ
 پہلے دیکھو جہاں فانی کیا ہے
 یہ بھی سمجھے کہ زندگانی کیا ہے
 شاید یہ قلم ہی نخل بار آور ہو
 ممکن ہے اسی میں راز جاں مضمر ہو
 ہے وجہ بقا فنا پرستی میری
 اک نالہ رایگان ہے ہستی میری

اس طرح کا دل بھلا کہاں پائیں ہم
 اب اپنے سے بھاگ کر کہاں پائیں ہم
 آزاد بھی نہیں ہوں گرفتار بھی نہیں
 ہزار بار غزاں اس چین میں آئی ہے
 ہزار بار یونہی انجمن میں آئی ہے
 خوشی کیا چیز ہے دنیا میں غم کیا
 قفس برباد کر کے آشیان برباد کیا کرتے

کل کہتے تھے جس کو دل کی راحت یہ ہے
 یہ جان کے بھی کرموت سر پر ہے کھڑی
 ہے گرم ہر اک سمت بازار فنا
 لیکن کیونکر جہاں کو فانی سمجھوں
 کل صبح نے مسکرا کے تاروں سے کہا
 تاروں نے کہا ہم رہیں گے بو نہی
 یہ کیا کہ حیات جادو دانی کیا ہے
 اس فکر میں کرموت کیاشتہ ہو رہا
 تم قیشہ باغباں سے کیوں مضطر ہو
 مقرض اجل ہو قاطع شاخ حیات
 سرمایہ جان دل ہے مستی میری
 در نہ اس گنبد تعین میں رو آں

اسباب جہاں سے دل کو بہلا لیں ہم
 خلوت میں جہنم دل کی ایند ہے وہی
 ہستی سمجھے خود اپنی مسموم ہے لے رو آں
 کل ایک غنچہ نے باد مسموم سے یہ کہا
 نہ گل ہوئی ہے نہ شمع حیات گل ہوگی
 ہنستے بھی روئے بھی لیکن نہ سمجھے
 ہر تقدیر لچہ دن کا شتا تھے قید ہستی کے

رحمت - بندت گنگا پر شاد نام رحمت تخلص -

ہم زند کس طرح نہ عادیں اٹھا کے ہاتھ دیتا ہے جام پینے کو ساقی بڑھا کے ہاتھ
رعنا - بندت دوار کا ناتھ نام رعنا تخلص -

حیرت میں آنکھ آنکھ میں تل تل میں کائنات عالم یہ دیکھئے مرے حسن خیال کا
رعنا - لالہ جسونت رائے صاحب نام رعنا تخلص - بھانسی کے رہنے والے ہیں -

سلام نو، یہ انداز ادب منزل سے کنایہ پیام موج دجلہ سطوت ساحل سے کنایہ
ہے ہم خانہ کعبہ درقاؤں بت خانہ میں گنجائش جو سچی بات ہو رعنا وہی محفل سے کنایہ
یہ بزم خاص ہو ڈوبی ہوئی رنگ عقیقت نہیں چلتی کسی مذہب کی پیروی کچھ محبت میں
مبارک ہو وہ امت درسا زادی بہاں رزا عرب سو تاجم جسکے غلامی نام سے لرزاں
عقیقت خدمت اقدس میں جسکے پھول کسا اذان کعبہ سننے کو جہاں بت خانہ خود آئے
مس روپ کما رمی - آپ کشمیری خاتون ہیں اور بے نظیر مرثیہ کہتی ہیں آپ کا
ایک مرثیہ عرصہ ہوا خیاباں (گھنٹو) میں شائع ہوا تھا -

رام - فشی رام جی نام رام تخلص - آپ کی مسدس رآمان مقبول ہو چکی مابھارت
بھی مسدس لکھی ہے -

سوسن تباری تھی کہ فضل بہار ہے گردنیں گلخند اردنگی پھولوں کا ہار ہے
سنبھل میں گویا نگہت مشک تیار ہے شبنم کا گوش گل میں درسا ہوا ہے
ہر اک کلی کے دل میں جو کھینے کی بے کلی سبزہ کا صحن باغ میں ہے فرش مجلسی
رائے - دیو چند نام رائے تخلص -

یاد آتا ہے اسے کس بزم کا در شراب شام تک جگر میں رہتا ہے پتھر سے آفتاب

راجہ نہ ہمارا بلوآں سنگھ ولد ہمارا جیت سنگھ بہادر راجہ بنارس، یہ وہی بنارس کے راجہ ہیں جن سے دارن ہشتنگز کا واقعہ پیش آیا تھا اور انگریزی افواج سے زچ ہو کر یہ گوالیار میں پناہ گزیں ہوئے مگر ہمارا راجہ بلوآں سنگھ کی عمر کا زیادہ حصہ اکبر آباد میں بسر ہوا ایمان ان کو سرکار انگلشیہ سے دو ہزار روپیہ ماہوار پنشن ملا کرتی تھی اور اسی شہر میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی پیدائش ۱۷۹۹ء میں ہوئی اور جوان ہو کر یہ علم و فصیلت کے ایک بڑے مربی مانے جانے لگے۔ شعر کی بالخصوص ٹبری۔ قدر و منزلت کیا کرتے تھے اور اکثر ان ہی کے دولت خانہ پر محفل مشاعرہ بھی منعقد ہوتی تھی۔ نظیر اکبر آبادی اور حاتم علی مر سے ان کو تلمذ حاصل تھا بہت خوش طبع اور ذہین رئیس گزرے ہیں طبیعت میں ہمدت اور ذکاوت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، ان کا دیوان اگر وہیں گل ریاض کے نام سے طبع ہو کر شائع ہوا تھا۔

کلام ملاحظہ فرمائیے :-

کا لاپہ ماہتاب کدو گوراہے ماہتاب	پردہ نشین سے پوچھیں گے کیسا ہو ماہتاب
یہ پیر چرخ خدام دیرینہ ہے ترا	دست فلک میں پہلوں کا بچکھا ہوا آفتاب
حسرت سے قیس دیکھتا ہے چاند کی طرف	کیا نقش پائے ناقہ لیلیٰ ہے ماہتاب

لہ از سخن شعراء :-

دو شاگردم ذرا حاتم بیگ تھر۔ صاحب دیوان ہیں سے

تو ہے وہ گل کہ نام ترا باغ دہریں	دو دو پھر و طیف م مرغ سحر رہا
مٹ گئی شکل نقشیں پاکیزی	پس گئی چال پر حنا کیسی

بعد مردن بھی کھلی رہ گئیں آنکھیں میری
ہم تو حیراں رہیں صورت کو تری پردہ نشیں
میرد ستودا و حزنیں، آتش و ناخوش ہوتے
زلزل کی یاد حکایت آئی
شعر جوڑی کے سن کے کتا ہے
میں نے دشمن بخل میں پالا تھا
سرخ ہاتھوں کو کرچکے خوں سے
عرق آلودہ رخ یار کو لے راجہ ! دیکھ
آبلہ گنبد مرقد ہے کفن و دامن وشت
ردائے روئے لیلیٰ جا بگرو ڈرا بیت چوڑا
زبان کی صفائی، محاورہ کی درستی اور جدت آفرینی راجہ صاحب کے لیے۔
مائیہ ناز ہیں۔

رسووا۔ آفتاب رائے جوہری، نام رسووا تخلص۔ ساکن دہلی اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں

لے مولوی کریم الدین رسووا کے متعلق فرماتے ہیں:-

”یہ شخص قوم کا بیٹھہ ہوا در بعض جوہری بچہ بیان کرتے ہیں (جوہری) کا بیٹھوں کی ایک ذات ہے۔
راقم (ہر کیف) یہ شخص نام انحر تھا (اور کسی مذہب یا بیٹھہ کے بندہ بن میں نہ تھا، ہمیشہ لڑکے یا بدمعہ رہتا
اور بازار میں غولیں پڑھتا پھر کرتا اگر شراب کی مراہی ہاتھ میں ضرور رہتی۔۔۔۔۔۔
رسووا ہوا، خراب ہوا، در بدر ہوا اس عاشقی کے بیٹھہ میں جیگا کر رہا

موجود تھے، بازاروں، گلیوں اور قمار خانوں میں غزلیں پڑھتے پھر کرتے تھے، انکے متعلق صاحبِ محفانہ جاوید نے ایک عجیب روایت لکھی ہے کہ رسوا نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ شراب میں غسل دینا چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہاں تک کہ کپڑوں پر بھی شراب پھرنے لگی مگر خازن اٹھاتے وقت کسی کو شراب کی بونہ آئی۔

میر حسن اپنے تذکرے میں فرماتے ہیں :-

”آفتاب رائے رسوا تخلص از سلکِ متوسطین ہند و پسرے بود،
در توپ خانہ نوکری داشت، از چندے ترکہ روزگار نمودہ بربک
پسر کبودہ متونام تعشق پیدا کردہ بود، ز بانہش بلفظ میاں بسیار
آشنا بود، باہر کہ سخن می گفت میاں می گفت و می گریست، کلامش
خالی از درد نیست۔ عریاں می گشت آخر ہماں حالت مرد ...“

مگر مولوی عبد الغفور خاں کا بیان ہے کہ :-

”محمد شاہ کے عہد میں شرف اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ دیوانہ
پھرتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے، مشہور ہے کہ ایک جوہری بچے کے
ہاتھ سے جس پر عاشق تھے مارے گئے ...“

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ بہت دار فتنہ مزاج اور شوریدہ سر تھے اور یقیناً ان کا دل
کسی کے زلف گرہ گیر میں گرفتار تھا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے :-

رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں مجھے ایسی نگاہ ناز سے دیکھا تھا کیوں مجھے
قفص سے دہن لگے ہم اور چہن چلے نہیں اڑیں تو اڑ نہیں سکتے چلین تو پائے نہیں
وصل میں بیخود رہے ادھر جہن میں بیتا ہے یہ اس دہانے دل کر رسوا کس طرح بھائیے

وہ کون سی زمیں ہو جو اشکوں سے ہم نہیں رستوا بھی اس زمانہ میں مجنوں ہو کم ہمیں
مست ہو کر گر پڑے ہیں ہر طرف دیوار دور ابر رحمت برستا ہے یا ہرستی ہے شراب؟
میر حسن نے یہ چٹکے خوب لکھا ہے۔

”نفل مست کرو زے معشوق اور سن در گردنش انداختہ می گشت
ناگاہ شخصے دیگر بنظرش رسید اور اہم از ناز محبوبانہ در آں گرفتاری
شامل گردانید، در اں وقت رستوا بہ مناسب حال این شعر ہر خواند
دیگرے را در گرفتاری شریک ماکن + مدعا گر شہرت حسن مست یکے سوا نیست

رہنڈ۔ پنڈت گنگا ناتھ کشمیری نام زندہ تخلص اور نذکروں میں ان کے متعلق صرف یہی
درج ہے کہ تجربات کے شاگرد تھے۔ مگر صاحب خجائے جاوید فرماتے ہیں کہ سر درشتہ دار
عدالت آگرہ رہ کر تحصیلدار اور امیر پولیس مقرر ہوئے اور ایک عرصہ تک میرٹھ،
بریلی، بجنور، فرخ آباد، آگرہ، اور متھرا میں بسلسلہ ملازمت اقامت پذیر رہے۔

۱۔ مولوی کریم الدین نے زندہ کے یہ اشعار اپنے تذکرے میں درج کئے ہیں

مل چکا میں خاک میں اور دل میں ہو تیرے فنا جان! مجھ سے اس قدر کس نے مکدر کر دیا
روتا ہوں چپکے چپکے آتا ہے یاد جس دم وہ دیکھنا کسی کا نظرس میں چڑا چسرا کر
مانتے ہو گر گرا معشوق کتنے سے تو جان ہم تھیں مشہور اپنا چاہنے والا کریں
وہی فغان ہو، وہی آہ ہو، وہی نالہ، خدا کے فضل سے اپنا جو حال ہو سو ہو
ہم اٹھ تو چلے تری گلی سے لیکن دلی زار نا تو ان کو
پھر دیکھئے آہ اپنی تفتیر لے جاتی ہے یہ کہاں کہاں کو

نظیر الدین حسین شائق سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ لالہ ستریری رام صاحب کا یہ خیال ہے کہ انہیں تجربات کا شاگرد کہنا ایک صریح غلطی ہے۔ زندگی بہت رنگین طبع، خوش خلق، ہر دل عزیز اور جامہ زیب تھے۔ زبان بہت صاف شیریں۔ روزمرہ پاکیزہ، محاورات کا استعمال بہت مناسب طریقہ سے کرتے ہیں، مضامین میں تازگی اور خیالات میں جدت اور نفاست ان کا حق ہے۔

نمونہ کلام،

سیلِ نون تھا جو بہا آنکھوں سے	تم نے دل کو نہ جگر کو دیکھا
دیکھا پھر ہم کو نہ دیکھے گا تو	یار جو تو نے اُدھر کو دیکھا
حسنِ پروں کا سُنا کرتے ہیں	عشق دیکھا تو بشر میں دیکھا
نہ تو کی نالائش نے تاثیر	نہ اثر آہِ سحر میں دیکھا
بدن ہے یا سمن یا سترن ہے	اُٹھی قد ہے یا سر و چمن ہے
خیالِ زلف میں رہنا پریشاں	اُسے دل یہ تراد یوانہ پن ہے
جہاں وہ گلبدن ہو جلوہ فرما	اگر بن ہے تو پھر وہ بھی چمن ہے
دبدم لب پہ آہ جاری ہے	بے قراری سی بے قراری ہے
جو وہ گلرو میں چمن میں تو اب	بوئے گل سے دماغ بھاری ہے
دل کسی قدر داں کو دینگے رند	اب اگر زندگی ہمار سی ہے

سکینہ۔ رائے بہادر رام بابو سکینہ۔ آپ اس صوبہ کے کالیستھوں کے شرفاء کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ خوش ذوق ادیب ہیں اور تاریخ ادبِ اردو کے

مصنعت ہیں آپ نرے شاعر ہی نہیں بلکہ شاعروں کی "مرحوم" جماعت کے محسن بھی ہیں سخن فہم ہیں اور سخن سنج بھی۔ آپ کی ادب نوازی پر ملک کو کامل بھروسہ ہے ہزار ہا شعر متقدین و متاخرین کے آپ کو حفظ ہیں عرصہ تک اس صوبہ کے محکمہ نشر و اشاعت کے افسر اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ جب وہ اپنی تاریخ ادب اردو کا نیا گھانا (اڈیشن) نکالیں گے تو غریب لکھنؤ اسکول کے دو حاضر کی فنی سحر کاریوں کو فراموش نہ کرینگے۔ آجکل آپ ریاست کوٹہ میں وزارت کے عہدہ پر فائز ہیں عنقریب یورپین شہر کا تذکرہ اردو اور دو در حاضر کے شعر کا تذکرہ شائع ہونے والا ہے۔

سکینہ۔۔ راجندر زرائی نام سکینہ لقب۔

دہر پر بنا موشیاں بچائی ہوئی تھیں شام سے کالے کالے بادلوں میں جھپکی تھی بھگی رات
کوئی شے واقف نہ تھی آغاز اور انجام سے کیف مدہوشی میں دبا تھا نظام کائنات
سوز۔ پنڈت دو رکا ناتھ نام سوز تخلص

کس قدر ہیں روح پرور جلوہ ہائے کائنات منظر حسن فراوان ہے قصا سے کائنات
کھپ رہا ہے آنکھ میں حسن معائے کائنات

چاند جس کے سامنے ہیں ماند ذربائے عدن اس طرح ہے آج سچ آسمان پر بالون

بن سوز کر جس طرح نکلے کوئی۔ سمیں بدن

سندر۔۔۔۔۔ نام سندر تخلص۔

جو ہماری قبر کو پا مال کر کے بیٹھے ہیں ساری دنیا میں نہیں نے حشر برپا کر دیا
ساحر۔ پنڈت امر ناتھ نام ساحر تخلص۔ رائے بہادر پنڈت جالکی ناتھ مدن بیجاں کے
صاحبزادہ ۱۸۶۲ء میں بمقام بریلی پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالحکیم عاظم کاشانی کے ارشد

تلامذہ میں ہیں دہلی میں آپ کے دم سے بزم سخن قائم ہے اللہ آپ کی عمر میں ترقی عطا کرے۔
 اشارہ مطلع الاثر قطب الدین کا کی کا کنایہ کاشف الاسرار قطب الدین کا کی کا
 کمال باطنی کے جس کے اہل دل فدائی ہیں وہ اعجاز انہوں کا قطب الدین کا کی کا
 معین الدین اجمیری۔ کا یہ فیضان ہے بڑی سرکار ہے دربار قطب الدین کا کی کا
 فرید الدین کا نور باطنی جس میں عیاں دیکھا وہ آئینہ بنا دربار قطب الدین کا کی کا
 ہے جلوہ جسکی فیض حسن باطنی کا نظام الدین وہ ہے نور سی فضا دربار قطب الدین کا کی کا
 گل تقدیس جن جن کر یہ گلہ ستہ بنایا ہے کہ ہے فیض نظر دربار قطب الدین کا کی کا
 کلیہ فضل دل ہے فیض خاصان خدا سحر بڑا بافیض ہے دربار قطب الدین کا کی کا
 سرور جہاں آبادی۔ منشی درگاہ سہائے نام سرور تخلص ۱۷۷۶ء میں جہاں آباد میں
 پیدا ہوئے آپ کے والد حکیم پیار سے لال سکینہ بیلی بھیت کے رئیس تھے۔ سرور نے
 مولوی کرامت حسین ہمارے علم ادب پر محامد لکنا بیان پر دانی میرٹھی سے عشق تھا۔
 خود کو ان کا شاگرد ہی لکھتے رہے پہلے وحشت تخلص کیا لیکن پھر سرور کے نام سے مشہور
 ہوئے انیس ہند میں پہلے ان کا کلام شائع ہوتا تھا ادیب الہ آباد اور زمانہ کانپور میں
 بھی آپ کا کلام شائع ہوتا رہا ہے تاہر کا کوردی اور سرور جہاں آبادی ایک ہی کشتی
 کے مسافر تھے افسوس یہ ہے کہ دونوں نے جوانی میں ادب اردو کو داغ مفارقت دیا۔
 ڈھل گیا دن در شبنم ہوزیں پر قطرہ ریز گوشہ مغرب میں گلگوں ہے سے آسماں
 پڑ رہی ہیں دو رنگ سورج کی کرنیں روزِ جا رہی ہے تو اکیلی شام کو اڑتی کہاں،
 ڈھونڈھتی پھرتی ہے کیا کوئی سہانا آئینہ یاکر سرگرم تلاش دامن دریا ہے تو،
 کیا کسی بحر موجِ خیسر کی ہے جستجو یوں سکوت شام میں کیوں آسماں پیاہو تو

اے سبک پرداز تیری سرعت پر دازنے
ہو کے در ماندہ زمین پر گرنہ شہر جوڑ کر
ہو چکی تیری مشقت ختم تھک کو عنقریب
گاتی ہوگی چھوٹی چڑیوں میں ہم آہنگی سے تو
ہوگی غائب فضا سے آسمان میں گرچہ تو
میں نے سیکھا ہے سبق لیکن ترے بردار سو
منطقہ سے منطقہ تک اے سبک پرداز شوق
تھک کو بھی لیجا لیگا وہ منزل مقصود تک
سیما ب - منشی بنی دہر چٹنا اگر نام سیما ب تخلص -

برود کی نیت بد سے ہر ایک کو خوف آتا ہو
کار بد کا کبھی انجم نہ اچھا دیکھنا
اے مسیحا حیات اکتی ہے جس پر احسان لوں ترانا حق

ڈاکٹر سر سید محمد علی صاحب - رائٹ انریبل محسن ادب ڈاکٹر سر سید محمد علی صاحب کے احسانات
سے اردو ادب کبھی بھی سر نہیں اٹھا سکتا ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات اقدس کو شاعروں کے
گروہ میں شامل نہ کرتے ہوں لیکن ہم تو ان کو اس جماعت سے علیحدہ نہیں کر سکتے وہ محض
شاعر ہی نہیں بلکہ شاعر گر بھی ہیں سخن فہم ہیں اور سخن سنج بھی اور کور و شناس کرنا آفتاب کو آئینہ
دکھانا ہے آپ کی ہستی و رخشندہ شیارہ کی مثل ہے کون ہے جو ہمارے ملک کے ایسے نامور سپوت
اور اردو ادب کے ایسے گراں مایہ جو ہر قابل سے واقف نہیں ہے آپ بیک وقت نقسن
ہیں اور ادیب بے عدیل بھی - آپ دائرہ اسرار کی مجلس دوزا کے رکن رہ چکے ہیں اور طویل

کافر نس میں نمائندگی کی سیاست ملی میں مشیر کی حیثیت حاصل ہے۔ بیروزگاری کے کٹی
کے صدر ہے ہل در ہندوستانی اکاڈمی کے صدر بھی عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ غمگین آپ
بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ آج کل بھی انجمن ترقی اردو کے صدر ہیں خدا آپ کو نظر بند
بچائے وہ ہزار ہا خوبیاں اور اوصاف آپ میں بہ یک وقت موجود ہیں جن کے لیے دیگر افراد
کوشاں اور آرزو مند رہتے ہیں۔ اردو سے آپ کو محبت ہی نہیں عشق ہے آپ کا خاندان سربایا
اردو پرست ہے۔

حضرات! اردو کا سارے دور ہے سمندر میں طوفان موجزن ہے لیکن گھبرائیے نہیں
دیکھیے دور سے ایک امید کی کرن دکھلائی پڑتی ہے اور یقیناً وہ کرن محسن ادب کی ذات اقدس
سے چھن چھن کر مطلع ادب سے خوفناک ہو رہی ہے آئیے ہم سب ملکر ادب کی کشتی کو کھیولیں اور
اور جب محسن ادب ایسا ناخدا مقدر سے ہلکوا لے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہلکوا کامیابی و کامرانی
حاصل نہ ہوا

ابن سپہر و محسن ادب کے صاحبزادے ششی انند رائے سپہر و بھی باوجود انڈین سول سروس
کے درخندہ رکن ہوئیے اردو کے ایک خوش ذوق ادیب ہیں اور انکی شستہ گفتگو سلیجھا ہوا
مذاق اور نفیس نقد و تبصرہ کا ذوق و وسوسوں کے لیے قابل رشک ہے شعر و سخن سے انکو
عشق ہے متقدمین و متاخرین کے ہزار ہا شعر حفظ ہیں وہ جس وقت کسی شاعر پر تبصرہ کرتے
ہیں تو منہ سے بھول بھڑتے ہیں اور یہ اس اعلیٰ تربیت کا انجام ہے جو انکو قدیم درس سے
ملا ہے۔ خدا عرصہ دراز تک محسن ادب کو حی و قائم رکھے۔ اس وقت اردو کی کشتی کے
ناخدائی آپ ہی کر رہے ہیں۔ عرصہ ہوا الہ آباد کے مشہور جذباتی شاعر سید مابد علی باج
موجود نے جو نظم محسن ادب کی شان میں لکھی تھی وہ نقل کی جاتی ہے ۷

تجھ کو اللہ نے بخشی ہے طبیعت ایسی اس نے پھر دی کسی صورت کو نہ سیرت ایسی
خلق ایسا ہے دل ایسا ہے محبت ایسی آن ایسی ہے ادا ایسی ہے ہمت ایسی

پہلے مجموعہ افلاق سے ممتاز کیا

نت نئے ربتوں سے پھر تجھ کو سرفراز کیا

سجدہ گاہ دو جہاں آج ہے کاشانہ ترا موج زن بادہ الفت سے ہے بچانہ ترا

رند مری تری یہ نعرہ مستانہ ترا وہ ہے دیوانہ جودل سے نہیں دیوانہ ترا

اہل دل دیکھ لیں در پر ترے دنیا کی بہار

کبھی لگا کی بہار اور کبھی جہنما کی بہار

ذکر مشرق ہے کبھی گاہ شنائے مغرب کبھی مشرق کی ند گاہ صبدائے مغرب

گاہ مشرق کی وفا گاہ جفاے مغرب ہند کے ناز کبھی گاہ اداے مغرب

دل کو جو لطف ہے درکار وہ سب حاصل ہے

بزم ہستی جہاں ہے کہ تری محفل ہے

سحر و شام چلے آتے ہیں اخبار نئے تار تو تار ہی ہیں لیکن بے تار نئے

سیف خامہ سے ہیں دشمن یہ ترے وار نئے تو نے قائم کیے ہر چیز کے معیار نئے

راہ حق سے نہ کسی نے تجھے پھرتے دیکھا

آج تک اپنے اصولوں سے نہ گرتے دیکھا

ہم سے کمزوروں کی دنیا میں کدوا ہے تو دل سے ہر بیکس و مظلوم کا دمساز ہے تو

ہند کے واسطے سامان خدا ساز ہے تو بیچ ہے انسان کے پردہ میں کدوا ہے تو

تجھ سے امید ترے ملک کی وابستہ ہے

گلشن ہند کے پھولوں کا تو گلہ مست ہے

سحر نام معلوم نہیں سحر تخلص تب تکام کے رہنے والے ہیں شہنوی سحر آپ کی یادگار ہے۔
زمانہ کے بہت قدیم قلمی معاون ہیں۔

رہن ہلوہ تغیر امتیاز ہوں میں
کبھی ہوں ناز سراپا کبھی نیاز نہیں
عیان ہے مجھ پہ تعلق سو کل نظام کا
جو ایک از جو دنیا تو ایک از ہوں میں
مراد بندگی حق ہے، یہ نہیں معلوم
کر بت پرست ہوں بندہ نماز نہیں
کسی میں بھی نہیں کوئی انجی امیلت
نشیب کی ہو خبر واقف فرار ہوں میں
ہے یہ بھی کوئی کرشمہ مری حقیقت کا
فریبی رو نہ نیرنگی مجاز ہوں میں
مری سبھال میں ہو مگر نہ زیست درشتی
کرمو شعبہ ہشتیم نیم باز ہوں میں
فراق میں ہو عجیب وصل کا لطیف احسا
ترا سپاس گنارائے شہید باز ہوں میں
نجانے ہو کہ نہ ہو عشق میں حصول کمال
ابھی تو وقف ادوا ہائے سود ساز ہوں میں

مرے وجود سے ہے کائنات کی تکمیل

جو کچھ ہوں سحر خود اپنا مگر جواز ہوں میں

سرورش۔ دیں راج نام سرورش تخلص۔

اے نرگس ساقی مجھے متانہ بنائے
قید غم کوین سے بیگانہ بنائے
دنیا کی حقیقت کا مجھے راز بتا کر
دنیا کی حقیقت کو اک انسانہ بناد
گر تو نے مجھے ذوق نئے ناب یا ہے
عالم کو مرے واسطے میمانہ بنائے
شع کو کبھی چہرہ پر نور دکھا کر
غنچہ اور جگر سوزی پر دانہ بنائے
مہبائے بہاراں کے بیاسو ہیں دل
ہر گل کو چھلکتا ہوا پیمانہ بنائے

دیوانگی عشق میں برباد بہت کر تو اپنے کرم سے مجھے فرزا نہ بنا دے
 یہ قادر قدرت کی رونا چو بھی چاہے صحر اکو جہن، باغ کو دیرا نہ بنا دے
 مستانہوں کے بڑی ہوئی قسمت میں نبی قسمت مری لے بہت مردانہ بنا دے
 یہ ترک و فنا کا ہے سر و ش ایک کرشمہ

جو قطرے سی شے کو دیر یکرا نہ بنا دے

سیال - ہر چند رنام سیال تخلص - آپ کا شاعرانہ ذوق بہت لطیف ہے

پہنچی اٹھے - پڑھے - وہ صبح کی رانی آئی

کلیوں نے موتی پھینکے جہنروں نے راس چائی

دیویاں جاگیں، دیوتے جاگے، جاگی دھرتی مائی

وہ صبح کی رانی آئی

اگر گری کی ڈب ڈب - ڈور کی گھر گھر - چوڑیونکی کھکا

پنکھٹ - بیٹھا بیٹھا شور - اور پریوں کی بھر مار !

سا بھنہ سویرے ہر وہ کھویا - ہاسے رام دہائی

وہ صبح کی رانی آئی

بوجن یوگ پجاری جی نے مندر کے بٹ کھوے

سنگھ بجا اور نمیند کے ماتے جاگے ہوئے ہوئے

آدھ کھلی اکھیوں میں نشہ - جہمائی - انگڑائی

وہ صبح کی رانی آئی

دہن بل کھاتی اٹھی - رنجے سے جیا نڈھال

پھیکا سرسہ۔ باسی ہار اور اُلجھے اُلجھے بال
 کروں نے مسکا کے دیکھا۔ بیپاری شرمائی
 وہ صبح کی رانی آئی

سدرشن۔ میاں سدرشن کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ پنجاب
 کے رہنے والے ہیں اور نیز افسانہ نگاری کی حیثیت سے مشہور ہیں عرصہ تک رسالہ چندن
 نکلاتھا۔ ایک بڑی حد تک وہ افسانہ نگاری میں پریم چند سے متاثر ہیں آجکل بقول
 دیوانہ وہ دوسروں کی تجارت چکانے اور حلال کی کمائی کھانے میں مصروف ہیں۔
 بڑے منصف مزاج ادیب ہیں جب بھاگوت پر میرا مضمون ادب میں شائع ہوا
 تو سدرشن نے ایک خط اڈیٹر ادب کے توسط سے بھگو بھیجا اور اس مضمون میں بہت تعریف
 کی اور یہ بھی لکھا کہ سری کرشن کا جس عقیدت و احترام سے آپ نے ذکر کیا ہے بہت سو
 ہندو ادیب بھی ایسا نہیں کر سکتے،

عرصہ سے خط و کتابت نہیں ہوئی ہے۔ چندن بھی عرصہ ہوا بند ہو گیا۔

شوق۔ مادو پرشاد نام شوق تخلص۔

دل ہے دل دادی امین کا ہو دھوکا جیل

اب تو انشد ہمارا وہی ویرانہ ہے

شبہنم۔ بنسی دہر نام شبہنم تخلص جگر بھوانی سے مشورہ کرتے ہیں۔

تو جو بالیں پہ نہ اے شوخ ستگر ہوتا نزع کے وقت ترانام زباں پر ہوتا
 شیدا۔ بنسی پریشورہ یاں نام شیدا تخلص جگر بھوانی سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔

ہر بان و منہ و بھی کبھی ہنسی ہوتا
شیدہ - بابو رام نام شیدہ تخلص سے

تو بے نیاز ہے ترے سب ہیں نیاز مند
شعلہ - منشی بنواری لال نام شعلہ تخلص آپ کا مجموعہ کلام ار مغان شعلہ شائع ہو چکا ہے
کہہ کے بیم لہ کر لیجئے ستم جو دل میں ہے
تیرا ہی جلوہ ہے کعبہ میں تیرا ہی ویریں
چھوڑو اسباب تعلق طے کرو راہ فنا
شعلہ نادم کر رہی ہو بھگو کیوں مشق گنا
گر تو رحیم ہے تو قیامت کا ڈر نہیں
وہ چشمے ہیں جو پانی سے کریں سیراب بیا سکو
بڑے گی جب زیادہ آفتاب حشر کی گرمی
چلے آد چلے آد گنہگار رو چلے آد
شیونہ تھہ - پنڈت شیونہ تھہ نام -

عدو ہے وہ برہمن زادہ میرے دین و ایمان کا
پسند آیا جسے زنا میرے رشتہ جاں کا،

شعلہ - پنڈت امر ناتھ نام شعلہ تخلص -

اے ابرجد اگشتی گردوں سے نہ ہوتا
شور - موہن کشن نام شور تخلص
جب طلب تم نے کیا ہم نے دیا بے تکرار
دل کو دل اور نہ کچھ کہہ کو کھلی سمجھا

شیرما۔ پنڈت پیارے لال شیرما نام میرٹھ کے مشہور دکھان ہیں کانگریسی وزارت کے ابتدائی دور میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ علوم شرقیہ پر عبور ہے شعر خوب کہتے ہیں میں نے لکھنؤ کے دو مشاعرہ میں آپ کا کلام سنا ہے تصوف الہیات کی طرف رجحان ہے۔ ناممکن ہے کہ شیرما صاحب سے ملنے کے بعد ایک گہرا نقش ان کے اخلاق کا ملنے والی ہے۔ قلب پر ثبت نہ ہو جائے بہت مرنجیاں مرنج بزرگ ہیں آجکل سنٹرل اسمبلی کے ممبر ہیں۔ شیرما پنڈت اندر جیت نام شیرما تخلص ضلع میرٹھ کے رہنے والے ہیں اور ہندوستان کے نوجوان شعرا میں ان کا پایہ بہت بلند ہے مولانا ندراٹ میرٹھی کے حضور میں زانوئے ادب کیا ہے آپ کا مجموعہ کلام ”نیرنگ فطرت“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے

ہر شے میں تیرا یا رب جلوہ نظر آتا ہے جس کو دہ جانا ہوں سینا نظر آتا ہے
 اشکباری کے سوا کام نہیں لکھوں گا محشرستان محبت ہے یہ طوفانِ لکا
 جان و دل ہم نثار کرتے ہیں اس طرح ان کو پیار کرتے ہیں
 کر کے وعدہ بھی یہ جواب آیا آپ کیوں انتظار کرتے ہیں
 لکھل گیا مقہ حیات و ممات کا اک انقلاب نیست میں پیدا کر کے کوئی
 صاحبِ ہمت نہیں ملدیتے ہیں مرنیسے کبھی رت کیا ان کے لیے زیست کا پیغام ہے
 تقاضا تو محبت کا یہی ہے جو ان کو چاہتا ہے اس کی چاہیں
 حقیقت سے یہ مانا دور ہوں میں محبت میں مگر سرور ہوں میں
 سب اہل ہندوست ہیں شامل ہیں گانے میں مردوزن سبھی ہوئے رگ آج
 ہے بیٹ کو اناج نہ کپڑا بدن کو ہے
 ہر شخص کھیلتا ہے لنگوٹی میں بھاگ آج

لے در عشق ہاں مرے پہلو میں قہر پ
شعلہ! بھڑک کے آگ لگا دے حجاب میں
شاگر۔ منشی پیار سے لال نام شاگر تخلص میرٹھ کے رہنے والے ہیں اردو ادب
کے دیرینہ مخلص خادم ہیں عرصہ تک انڈین پریس الہ آباد سے آپ کا تعلق رہا ہو۔ ادیب
کے مدتوں ایڈیٹر رہ چکے ہیں عرصہ تک اخبار ریاست کے شعبہ ادارت سے بھی آپ کا
تعلق رہا ہے۔ شعر و شاعری سے فطری تعلق ہے ترجمہ میں ازجنبلی کی جھلک پائی جاتی
لازم ہے صفائے قلب طاعت کے لیے ہے شرط خلوص آدمیت کے لیے
آلودہ اسے دروغ و غیبت سے نہ کر غافل! ہے زبان شکر نعمت کے لیے
شائق۔ کیلاش ناتھ دربان نام شائق تخلص تہ گام ضلع نچور کے شرفا رہیں ان کا
شمار ہے ان کا ذوق بلند ہے۔

کبھی ہوں عین حقیقت کبھی مجاز ہوں میں	جہاں راز میں پوشیدہ ایک راز ہوں میں
انیس عم ہوں مگر غم سے بے نیاز ہوں میں	کہ خود ہی در دہوں در خود ہی چارہ ساز ہوں میں
نیاز ختم ہے چھ پرستام ناز ہوں میں	جو اپنا آپ ہے محمود وہ ایاز ہوں میں
قبول ہو کے رہا رنگ ناتمامی عشق	نظر میں حسین مکمل کی سرفراز ہوں میں
نفس نفس سے ہے آہنگ نیست کا انظار	ہزار راز کے پردوں کا ایک ساز ہوں میں
ہزار شکر کہ تکمیل عشق ہو کے رھی	کہ ناز بول اٹھا بسندہ نیاز ہوں میں
کشیدگی بھی تعلق میں کار فرما ہے	تمام ناز ہیں وہ سر بسر نیاز ہوں میں

عجب ہے کیا جو حقیقت سے دور ہوں شائق

فریب خور وہ نیس رنگی مجاز ہوں میں

شوق۔ چودہری ہر دیال نام شوق تخلص الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔

عشرت کی مغللوں کو راحت کی منزلوں کو
دنیا کے مشغلوں کو دنیا کے مریحوں کو

حرمان دیاس پیکر

شکل خمار مضطر

تسلیم عرض کسکے۔ ہے ایک روز چلنا

ذہن رسا سے ہو کر جون خشک تصور

یا ہوا داغِ اشگر جون تابشِ منور

یا جس طرح ستارے

رخصت ہوئی آسماں سے

اس طور اس جہاں سے۔ ہے ایک روز چلنا

سرشار۔ مہاشے جے منی نام سرشار تخلص۔ جب وطن آپ کی نظم بہت مشہور ہے۔
شوق۔ پنڈت جگ موہن ناتھ رینہ نام شوق تخلص آپ کو شعر و شاعری سے فطری
لگاؤ ہے اور اردو کے پُرانے مخلص خادم ہیں۔ عرصہ تک اس سویرے کے نظم و نعت میں
بحیثیت پراوشل سول سروس کے رکن ہونے کے ذلیل رہے ہیں۔ آپ کا کلام
اکثر زمانہ میں شائع ہوتا رہتا ہے آپ نے ایک ضخیم کتاب کشمیری شعرا کے حالات
میں شائع کی ہے۔ آپ کے کلام میں تنوع کوٹ کوٹ کر بھرا ہے اور سوز و گداز
سے بھر ہے۔ لکھنؤ اسکول کے دفاتر شاعر ہیں۔ آپ کا نمونہ کلام یہ ہے۔
جھلک تھی جلوہ کی لیکن وہ بے حجاب نہ تھا نگاہِ شوق کا درپردہ کچھ جواب نہ تھا

خودی کے نشہ میں دل مائل شراب نہ تھا
ہمار آئی۔ کھلے پھول، ہر نفسا بدلی
دہ ایک پردہ غفلت تھا، مست خواب تھا
نیم صبح نے غنچوں سے چھیڑ چھاڑ جو کی
مگر یہ دل ہی تھا جس میں کہ انقلاب نہ تھا
ہو انہ ہم کو کچھ احساس جو شہ بیتابی
چمن میں عارض گل کوئی بانقلاب نہ تھا
کیا نہ اُس نگہ شرکیں نے خون میں غرق
فریب شورشن دل تھا یہ اضطراب نہ تھا
جفا کے نام سے واقف ترا حجاب نہ تھا
سوال کو مرے گو تیری ملکنت کبھی
مگر وہ چُپ ترا رہنا کوئی جواب نہ تھا
ہجوم موج فنا سے محال تھا بچنا
کسی کے ہاتھ میں وہ ساغر حباب نہ تھا
ہزار آفتیں گردل کے ساتھ تھیں لیکن
غریق موجب بدستی شباب نہ تھا
کبھی وہ کعبہ بنا اور کبھی وہ بہت خانہ
یہ اور کیا تھا، اگر دل کا انقلاب نہ تھا

ملائے عام تو ساقی کی تھی، مگر لے شوق

ہمارے میکہ میں شیشہ شراب نہ تھا

شفیق۔ رام نرائن نام شفیق تخلص۔

دور سے اس کے جہاں کون نہ روشن ہو شفیق

نور پاتا ہے رخ خیر البشر سے آفتاب

شاد۔ ہمارا جہاں اور سرکش پر شاد نام شاد تخلص۔

بج کو نکلا تھا اگرچہ گرد فر سے آفتاب
آسمان پر گر گرے برق ہنگامہ تند یار
منہ پھرایا ہونچل اس عشوہ گر سے آفتاب
گر پڑے بیتاب ہو کر چرخ پر سے آفتاب
ابر میں رہ جائے چھیکر اس کے ڈر سے آفتاب
ہو گیا دھوکا کہ یہ نکلا ہے سر سے آفتاب
طرحہ الماس ان کے سر پہ جو آیا نظر

دل میں جب سے دیکھتا ہے وہ تری تصویر کو فہرسانا ہے اپنی چشم تر سے آفتاب
ہیبت شاہ دکن کا شاید یہ شہر ہے آج
کا نپٹا نکلا کر سے جیب سے آفتاب

صبا۔ منشی چند رہا ری لال نام مہتا تخلص مائل دہلوی کے شاگرد ہیں۔
ہائے اس کا روٹھنا میرا منانا پھر کہاں سورہ اخلاص کا عامل نہ ہونا چاہیے
بے صبا تو ادب آموز حیا کا شیدا وہ یہ کہتا ہے مجھے دیوانہ بنایا ہوتا،
داغ رسوائی لگا کر چین آیا عشق کو صاف ستھرا حضرت یوسف کا دامان دیکھ کر
اس کے یہ معنی ہوئے رحمت کے ہم قابل ہیں داغ غلو تو یہ کا کرنا بھی بڑی تفسیر ہے
دل کو کیسو کر کے جب کوئی ارادہ کر لیا وہ ارادہ ہی دعا ہے اور پرتا شیر ہے
صادق۔ رائے صاحب منشی برج بلب کشور نام صادق تخلص فیض آباد کے رئیس
میں ان کا شمار ہے۔ اردو ادب سے عشق ہے شعر خوب کہتے ہیں برابر مشاعروں میں
شرکت کرتے رہتے ہیں عرصہ تک اس صوبہ میں سب رجسٹرار رہ چکے ہیں آپ کا کلام
متقدمین کی شاعری سے متاثر ہے۔ آج کل ایک قومی اخبار کی ادارت آپ سے متعلق
ہے بہت عجیب و غریب مرنجاں مرنج بزرگ ہیں اپنے نیاز مندوں کے دل سے قدر دان
ہیں۔ آپ کی ملاقات کے بعد ملنے والا ہمیشہ ایک گہرا نقش اپنے قلب پر برتسم پاتا ہے
مختلف قومی جلسوں میں شرکت کرتے رہتے ہیں اور نوجوانوں کی تمنے اور اسناد
دیکر عزت افزائی کیا کرتے ہیں آپ کے صاحبزادے مسٹر پرپاتا کشور بھی اس صوبہ
کے محکمہ رجسٹری میں ایک انتظامی عہدہ پر مامور ہیں۔

صبر نہ گزید چند نام صبر تخلص -
صبر شاید ہوتا ہے ہر شام کو بے نقاب
شب کو چھپ جاتا ہے جو سب کی نظر سے آفتاب

طیش - گنگا پر شاد نام طیش تخلص جگر بسوانی سے اصلاح سخن لیتے ہیں -
آپ کیوں میری محبت کو بُرا کہتے ہیں قدر کرتا جو کہیں آج سکندر ہوتا
طالب - اقبال بہادر نام طالب تخلص -

اے جنوں صدقے ہزار آذایاں اس قید پر
وہ اگر خود بیٹھ کر دریائی زنداں کریں ،،،

ظفر - بہیم سین نام ظفر تخلص - ملتان کے رہنے والے ہیں انجمن ارباب ادب
ملتان کے ناظم ہیں احسان بن دانش سے شرف تلمذ ہے ابھی نوجوان ہیں لکھی شاعری
میں ترقی کی راہیں موجود ہیں اگر کوشش جاری رہی تو وطن غالب ہے کہ کل کی تاریخ ادب
ظفر کے کلام سے خالی نہ ہوگی ان کا مجموعہ کلام جو تیار کے نام سے شائع ہو چکا ہے -
کون سی محفل میں تیرے حسن کا چرچا نہیں تیرا طالب ہے زمانہ میں ہی کہ شیدائیں
آئے بھی تو کب کہ جب آنکھیں مری پتھر نہیں ہائے جو آسمان اب مرنے بھی نیا نہیں
وہ نہ مانیں گے تو کیا اسے دل نہ باز آئے گا تو

پھر میرے آئے یا آئے نہ سامان ہمار

چلے گئے ہیں وہ دور مجھ سے مرا سکوں و قراں ہو کر

مری تباہی پہ ہنس رہا ہے نصیب جا کا عرو کا

بھکی ہوئی ہے جبین مری۔ اپنے قدموں پر
میری آنکھوں میں گلابی رنگ کے ڈولے نہ بچھ
پھر آئی یاد بچھ ان کہ آستانے کی
دل میں ہر دم نشہ جام و نثار کھتا ہوں
خواباں سے دل لگی کا یا انجام ہے ظفر
دل دے کے پھر نصیب کو رو یا کرے کوئی

عاصی۔ کیلاش ناتھ ہکسر نام عاصی تخلص۔ آپ آجکل بیکانیر میں وزیر اعظم ہیں مگر
عرصہ تک آپ گوالیار کے نظم نویس سے متعلق رہے ہیں اردو ادب سے آپ کو فطری
لگاؤ ہے۔ آپ کو متقدمین و متاخرین کے شعرا کے ہزاروں شعر یاد ہیں۔ آپ جب
باتیں کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پھول پھرتے ہیں ۱۹۳۲ء کی گوالیار کی ادبی سبھا
جس میں ایں ہیچ میر کو بھی دعوت شرکت دی گئی تھی کرنل ہکسر ہی کے ادنیٰ تو مجھ کا
کرشمہ تھی۔

عالم۔ رام پرستاد نام عالم تخلص۔ شعر اچھا کہتے ہیں شنوی دریائے طلسم ان کی
یادگار ہے۔

عشرت۔ میکولال نام عشرت تخلص بلال لکھنوی سے تلمذ تھا۔

ہر باں جو دمہ کامل نہیں
چاندنی راتوں سے کچھ حاصل نہیں
عاشق۔ پریمو دیال نام عاشق تخلص یزدانی میرٹھی سے شرف تلمذ ہے عرصہ سے نیچ
چھاؤنی (مالوہ) میں مقیم ہیں شعر و سخن کا ذوق بہت بلند ہے۔ نعت رسول خوب کہتے
ہیں کالیڈائٹس متعدد ڈراموں کا نظم میں خوبی سے ترجمہ کیا ہے۔ بھگوت گیتا کا بھی ترجمہ
غذائے روح کے نام سے کیا ہے۔

عشرت۔ نانک چند نام عشرت تخلص۔

آغاز ہے اس عشق کا انجام نہیں ہے رستے تو ہزاروں ہیں مگر بام نہیں ہے
 عشق۔ ٹھاکر پر شاہ نام عشق تخلص
 داغ دل ٹھنڈا ہے تیری سہمہری دیکھ کر اسے نہ خوبی یہ بدلا ہے قمر سے آفتاب
 عشرت۔ بانگی پر شاہ نام عشرت تخلص۔
 جب سے اس کا جلوہ عشرت دیکھ پایا اگر گیا دن کی نظروں سے قمر شب کی نظر سے آفتاب
 عاشق۔ سمیت لال نام عاشق تخلص۔
 دل میں رکھا ہے چھپا کر اسے رشک منیر کو کب ہوا آگاہ عاشق کے ہنر سے آفتاب
 عیش بیگ پر شاہ نام عیش تخلص۔
 عیش کس کے روئے انور کا تجھے رہتا ہو دھیا گر گیا جو اندنوں تیری نظر سے آفتاب
 عاصی۔ بکول کرشن نام عاصی تخلص۔
 وصل کی شب اس قدر عاصی خدا کرے پین سے سویا کریں نکلے نہ گھر سے آفتاب

فہیم۔ پر بھو دیال نام فہیم تخلص جبیر لکھنوی کے شاگرد ہیں۔

کعبہ دل سے مرے کیا نسبت دیر و حرم ہے تفاد و عباد اور معبود کی تعمیر کا
 ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا ہے بہت مرے دل کو ہوگی تسکین تمہاری یاد سے
 فہمی۔ گنگا پر شاہ نام فہمی تخلص۔

وہ آئے دم نزع بہر عیادت خدا دیکھ لینے دے موت کسی کی
 فہم۔ موہن لال نام فہم تخلص لکھنؤ کے مشہور ناول نگار ہیں شاعری میں دبستان قدیم
 کے دفا شعرا بہرہ دہیں۔

فراق - نشی رگھوپتی سہائے نام فراق تخلص گو رکھو رکے کالیٹھوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے والد عبرت مرحوم عربی فارسی کے بڑے ادیب تھے فراق کی شاعری دورِ حاضر کے لکھنؤ اسکول کی شاعری سے یکسر متاثر ہے ان کی شاعری میں ایک خاص قسم کی کشش اور خشکی پائی جاتی ہے بسا اوقات تصوف کے اعلیٰ مضامین بھی ان کے یہاں پائے جاتے ہیں فراق کی شاعری میں عبرت مرحوم کا گہرا رنگ چھلکنا نظر آتا ہے اردو ادب کی آئندہ تاریخوں میں فراق کا نام بڑے ادب احترام سے لیا جائیگا وہ آجکل جامعہ الہ آباد میں شعبہ انگریزی سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو کے ایک بلند پایہ استاد ہیں اور اسی کے ساتھ اردو ادب میں جہاں تک تنقید و تبصرہ کا تعلق ہے فراق ایک بے لاگ ناقد اور ایک زندہ دل تبصرہ نگار بھی ہیں ان کا مجموعہ کلام عنقریب انڈین پریس سے شائع ہونے والا ہے۔

حیاتِ نو جو پاتے ہیں لوگ اے ساقی	کساں کا درد اٹھاتے ہیں لوگ اے ساقی
جہاں کو بھولتے جاتے ہیں لوگ اے ساقی	یہ کب کا حال سناتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ دورِ جامِ یہ غمِ خانہ ہاں، یہ رات	کساں چراغِ جلاتے ہیں لوگ اے ساقی
نثارِ مست نگاہی سنبھالِ محفل کو	کہ بے خبر ہوئے جاتے ہیں لوگ اے ساقی
سنا ہے دیرِ حرم کی بھی محفلیں ہیں کہیں	وہاں بھی پیتے پلاتے ہیں لوگ اے ساقی
دلوں میں بند کیا ہے وہ بحرِ بے ساحل	کہ ڈوبتے چلے جاتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ ہر ماہ بھی تحلیل ہوتے جاتے ہیں	تراشنا نہ سناتے ہیں لوگ اے ساقی
یہ برقِ دیکھ یہ بارانِ اک آگ سی دل میں	یونہی لگاتے بھاتے ہیں لوگ اے ساقی
کچھ اور گم ہوئے جاتے ہیں تیرے متوالے	کہ راہِ پراغ نہیں لاتے ہیں لوگ اے ساقی

نہیں کہ سختی منزل سے ہار دیں ہمتست مجھے سراہنے جاتے ہیں لوگ لائے ساقی
دلوں میں آگ اور صبح کا دھندھلکا ہے شراب خانہ سے جاتے ہیں لوگ لائے ساقی

نہ وہ سکون کا عالم نہ اضطراب فراق

مجھے کہاں لیے جاتے ہیں لوگ لائے ساقی

جامِ اُدھر بھلکے اُدھر راتیں درخشاں ہو گئیں ظلمتیں لہرا کے سامان چراغاں ہو گئیں
دل بھی ششدر رہ گئے آنکھیں بھی پراں ہو گئیں سب ادائیں حسن کی آئینہ سامان ہو گئیں
پھر سرشکِ نوں ہوئے آئینہ دار دروئے یار پھر مری آنکھیں گلستاں در گلستاں ہو گئیں
مادرائے ہوش غفلت ہے یہ قول بے جسی منزلیں غم کی نہ مشکل تھیں نہ آساں ہو گئیں
پھر عیاں کر حسن کی وہ خوبیاں تیرے نثار ہاں وہی جو چشمِ طاہر ہیں سے پہاں ہو گئیں
پھر تری زلفین جنون کے باندھ کر کچھ سلسلے صورت شیرازہ ہستی پریشاں ہو گئیں
ایک صلائے عام بھی ہو ایک پیامِ راز بھی حسن کی باتیں نہ ظاہر تھیں نہ نہاں ہو گئیں
چار دن کی چاندنی ہو پھر اندھیری رات ہے منزلیں جبکی مگر شامِ غریباں ہو گئیں
تیرے دیوانوں کو جبکی دستوں پر ناز تھا وہ فضا میں کیوں در دیوار زنداں ہو گئیں
ہو چکی تھیں کچھ سکونِ آدرا دائیںِ حُسن کی اک نئے انداز سے پھر حشرِ سامان ہو گئیں
ہاں وہی دکھتے دلوں کو بھی خبر جن کو نہ تھی وہ رگیں بھی صرف کاوشائے شرکاں ہو گئیں
غیب کا پہلو بد لنا باعثِ خلقت ہوا نیستی کی کروٹیں ہستی کا سامان ہو گئیں
خود بقا لیتی تھی جنکو دیکھ کر انگڑا سیاں کیسی کیسی صورتیں خواب پریشاں ہو گئیں

وہ نگاہیں، گرچہ تھیں اپنی بگڑے لیکن فراق

باعثِ سدا متیاز کفر و ایمان ہو گئیں

خبر کچھ ان کی بھی رکھتے ہو رنگ دیو والو جو کاٹتے چلے جاتے تھے راہ محسرا کو
یہ اہل بھی کیا یہ عدم بھی کیا کبھی دیکھ آکے فراق کو
اسی زندگی کی تجھے قسم کہ جو رد بھی ہے دوا بھی ہو

حیات ہو کہ اہل سب سے کام لے غافل
جان یو اے جنوں گو ہیں یہ سرگردانیاں
کیوں بہک جاتے ہیں لیکن خود رہ منزل ہنگام
تم کو دیکھا خدا کو دیکھا
ہمارا جلوہ صبح ازل کو دل نہیں بھولا
کوئی مزاج داں نہ تھا گردش روزگار کا
اک فسوں سلمان نگاہ آشنا کی دیر تھی
کماں ہر ایک سے بار نشاط اٹھتا ہے
حسن کو ایک حسن ہی سمجھے نہیں دلے فراق
ہجر کی شب تریں گئی یوں تو ترے پیام کو
کماں کا وصل تنہائی نے شاید بھینٹ لایا ہو
کھوئی ہوئی سی عشق کی ہستی قبول کر
بھردل پہ پہ نگاہ کسی کی رکی رکی
نیرنگ حسن یا ترے بس میں کیا نہیں
سلوک عشق سے کیا کیا نہ حسن یا کرے
تمام جوش جنوں ہے تمام صحر ہے
وہ سوز درد دمٹ گئے وہ زندگی بدل گئی
کہ مختصر بھی ہے کار جہاں دراز بھی ہے
کیوں بہک جاتے ہیں لیکن خود رہ منزل ہنگام
تم کو دیکھا خدا کو دیکھا
پڑی جب جب نظر تیری نگاہ اولین بکلی
حسن تھا شادمان تو کیا عشق ادا تھا تو کیا
اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے
بلائیں یہ بھی محبت کے سرگئی ہوں گی
درباں ناہراں کیا کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم
آج مگر سناؤ دار و رسن سنا دیا
ترے دم بھر کے آجانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں
پلے نہ ہوش ہے نہ گرہ میں ہیں مستیاں
کچھ جیسے کوئی یاد دلاتا ہے آج پھر
لطف و کرم تو مانع جو روحنا نہیں
کسے یقین ہو کون اس کا اعتبار کرے
کسے وہ جہر کرے کس کو اختیار کرے
سوال عشق ہے ابھی یہ کیا کیا یہ کیا ہوا

اٹ یہ کسنا بار ہے ہیں اب نہ آئیں گے کبھی
غرض کے کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دست
کسی کا پوچھنا کیا کام ہکو گھر بلانے سے
دہ جا بھی چکا کب کا وہ بھول چکا کب کا
چھٹا نفس تو وطن کا سراخ بھی نہ ملا،
آج بھی قافلہ عشق رواں ہے کہ جو تھا
آج بھی عشق لٹا نادل و جاں ہے کہ جو تھا
تیرہ بختی نہیں جاتی دل سوزاں کی فراق

شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

برق فنا بھی کھائے جہاں ٹھوکریں فراق
ہر گام پر طریق محبت میں موت تھی
ڈرنا ہوں کا میا بی تقدیر دیکھ کر
نصیب عشق جہاں سوز ہے ہیبت کی نیند
نگاہ ناز ترے پھیلنے کی اور بات ہے
یہی ہوا کہ ترے بے دلوں پہ کچھ نہ ہوا
نہ سمجھنے کی یہ باتیں ہیں نہ سمجھانے کی
کم نہیں کچھ غم نہاں ترے ناکاموں کی
گلایا کسی مست کی کیوں آئے یاد
زندگی میں دل برباد ہوئے بے چین
راہ و فانیں آتے ہیں ایسے مقام بھی
اس راہ میں کھلے در رحمت کہاں کہاں
یعنی ستم ظریفی تفتیر دیکھ کر
وہیں اس آنکھ کے جاوہر جگائے جاتے ہیں
مول بھی کہاں ہوں میں اگر چہ شادماں نہیں
جو آئے لفظ و بیاں میں وہ واردات نہیں
زندگی اچھی ہوئی نیند ہے دیوانے کی
کس کو فرصت ہے ترے جبر کے غم کھانگی
ساقیا آہ وہی روج بھی میخانے کی
پھر ہوا اے چمن عشق نہیں آنے کی

کھینچ کے رکھ دی ترے نغزش متانے نے
 کیا ہے یہ سلسلہ بینی پیچیدہ دھر
 صبح کو دیکھ جو عالم ہے سر شمع خاموش
 بردہ یاس میں امید نے کروٹ بدلی
 چھپ گئی شمع سر طور تماشا ئی سے
 اب کسے نیستی کیلئے کسے ہستی کیلئے
 دامن ابریں کیا برق کا چھینا دیکھیں
 غفلتوں سے مری دنیا ہوئی بیدار فراق

ایک تصویر ہوں میں ات کے کٹ جائیگی
 فراقی۔ رائے سرھنا تہ نام فراقی قلص دریا باد نلغ بارہ نیکی کے رئیس اعظم ہیں شہ
 نگاری کا شوق ہے آپ کا ایک مرثیہ میں نے بھی دیکھا تھا۔ آپ کی شاعری میں وسعت
 نظری۔ لطافت خیالی۔ مکر و فہمت موجود ہے۔

ہوتی ہے قدر و زرب مکان کی مکین تو
 شایاں یہ ہر طرح ہے امیروں کے واسطے
 انگشت سری کو فخر ہے حاصل نگیں سے
 اندوختہ کبھی نہیں آتا ہے اپنے کام
 کیا ہم غریبوں کو ہے عرض شہ نشیں و
 مشکل ہے اُن کے حال میں بھنسنے چھٹے کوئی
 مکھی کو فیض پہونچا ہے کیا انگبیں سے
 یارب بچا تو مجھے زن زر زین سے
 پیدا نگاہ کرتا کھلے عقدہ و ہرود
 چلتا ہے بال بال پتہ خوردین سے

باتیں بنانا تو ہوتا ہے عادت یہ اُس کی تو
 مطلب نہیں ہے کچھ بھی فراقی کو دین سے

فرحت - ششی شکوہ بال سکینہ نام فرحت تخلص لکھنؤ کے قدیم شہر فامیں ان کا شمار تھا۔

سنا ہے آپ ذکر عاشق ناشاد کرتے ہیں۔ جزاک اللہ مجھ بھولے ہوئے کو یاد کرتے ہیں
اُتر آتی ہیں بریاں صاف نائیکے شیشہ دل میں نہیں معلوم کیا بادو یہ آدم زاد کرتے ہیں
عروس گل کی ہندی آج چوکیا صحن گلشن میں کہ مرغان چین شور مبارکباد کرتے ہیں
فرحت - گنگا دھر نام فرحت تخلص کا پنور کے رہنے والے ہیں

جب وقت سہانا ہوتا ہے اور کوئل نغمے گا رہی ہے
جب بھول چین میں کھلتے ہیں غنوں کو ہنسی آتی ہے
ہر یالی اہر میں لیتی ہے اور موج پر ہندی آتی ہے

فطرت کی ہر اک شے فرقت میں رہ رہ کے مجھے تڑپاتی ہے
تم جانتے ہو کیا ہوتا ہے جب یاد تمھاری ہوتی ہے

فخر - دیو کشور چند نام فخر تخلص۔

فخر کے گھر میں ہے ہمارا آج وہ رشک فخر کیوں نہ ہوتا بند ہر دیوار و در سے آفتاب
فوق - رنگیلے موہن نام فوق تخلص۔

اختر اقبال یارب فوق کا چمکے کہیں
بلوہ فرما ہوں اور ہر سے وہ ادھر سے آفتاب

فراق - ... نام معلوم نہیں فراق تخلص۔

پر تو عارض سے کس کے وحشت اگیں چو فراق
منہ چھپاتا پھر نام یہ شب کو جو در سے آفتاب

قیصر۔ شام سندر نام قیصر تخلص علامہ آنتی سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔
 سامنے داد بخشہ کے وہ شرمندہ ہیں اے زباں رہنے بھی دے حشر میں خاموش مجھے
 قمر۔ لالت بہاری نام قمر تخلص بسواں کے تعلقدار ہیں بگر بسواں سے شرت تلمذ ہے۔
 اپنا آئینہ دل میں جو دکھانا اس کو صورت آئینہ حیدر اس سکندر ہوتا
 قمر۔ منشی بال کرشن نام قمر تخلص لکھنؤ کے مشہور شاعر تھے۔ ابھی حال میں انتقال ہوا
 ہے۔ آپ کی شاعری دبستان قدیم سے متاثر تھی۔ لکھنؤ میں آپ کے بہت شاگرد ہیں
 اگلے وقتوں کے بزرگ تھے مرزا مرزا آپ سے جملتا تھا وہ قمر صاحب کے اخلاق کا
 گہرا نقش لے کر واپس ہوتا۔

کیف۔ کانتی سرودپ نام کیف تخلص۔ ابھی نوجوان ہیں آپ کی شاعری میں مستقبل
 کی جھلک نمایاں ہے۔

تارے ڈوبے، سورج نکلا، رات گئی اور ہوا سویرا
 اب تک ڈولت ہے آوارہ سا بن سا جن کے من میرا
 رات کٹی تھی نینوں میں اب دن بپٹانے ہے گھیرا
 پیچ بڑی کے نیا اور پر، دور بان شہری کوئی بجا دے
 دھبی دھبی ہنسی کی کئی میرے دل میں اتری جاوے
 ایسے میں پھر روگ برہ کا گھن کی نیائیں من کو کھائے
 سادہ روئے بیت گیا ہے، ہماروں دیکھیں کیسا آئے
 چہرہ، ہنسی، ہے من کو کہیں بھی، ہر دم اس کی یاد ستائے

ایسا ہو، میں اُس کو بھلا دوں، اُسے سجن جو موہے بھلائے
کتر۔ کنیالاں رستوگی نام کتر تخلص۔

نہیں چھوڑیں گے رندی شیخ جی جنت کے دعدوں پر

وہ ارزاں اور تپہ نقد یہ جنس گراں میری

کشتہ۔ ڈی۔ پی بھٹنا اگر نام کشتہ تخلص دہرہ دون کے شرفا میں ان کا شمار ہے۔

اپنے رخ سے تم ذرا پردہ ہٹا کر دیکھتے دیکھنے والوں کو بھی حیرت کا منظر دیکھتے
نقش سجدہ سے وہیں کبہ کی پڑ جاتی بنا شوق سجدہ میں جہاں ہم سر جھکا کر دیکھتے

قدر ہستی خود ہی کشتہ تم پہ ہو جاتی عیاں

قید ہستی سے رہا ہو کر جو دم بھر دیکھتے

کیفی۔ پنڈت برج موہن نام ونا ترہ خاندانی لقب کیفی تخلص۔ آپ کا سن شریف

تقریباً ۷۰ سال کا ہو گا۔ آپ کا علمی تبحر مسلم ہے۔ نثر کی متعدد دکتا ہیں اور مختلف

مضامین آپ کی یاد گار ہیں۔ زبان کی صفائی اور سلاست پر آپ کے متعدد پر مغز

مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ حال میں آپ کی تنوعی شائع ہوئی ہے جس کو ادبی حلقوں

میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ آپ اردو کے چند منتخب اور ممتاز تخلص کام

کرنے والوں میں ہیں۔ مدتوں لالہ سری رام مولف خاندان جادو کے معادن رہ چکے ہیں

آج کل مخدوم ادب ڈاکٹر عبدالحق سکرٹری انجمن ترقی اردو کے معادن کی حیثیت

سے دہلی میں مقیم ہیں آپ کی زندگی کا مقصد اردو بولنا اور اردو کی پرچار کرنا ہے

پنجاب۔ حیدر آباد دکن۔ دہلی۔ علیگڑہ۔ لکھنؤ میں آپ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھ

جاتے ہیں۔

کوشک - پنڈت بشمبھرا تھا نام کوشک تخلص - آپ بھی امتیاز نگار کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے ہیں آپ کی طبیعت ابا بلی اور زندانہ ہے امیرانہ و بے نیازانہ فرصت پرستی کے شیدائی ہیں - آپ جو کچھ لکھتے ہیں اپنے ذوق ادب کی تشنگی کو پورا کرنے کے لئے لکھتے ہیں - آپ کی روش سدرشن اور پریم چند سے بالکل مختلف ہے - کوثری - پنڈت دتو رام نام کوثر تخلص - آپ کا کوثر ہی تخلص ہے - نعت رسول میں تمام عرصہ کر دی ہے - صوتی میں آپ کی نظمیں بہت شائع ہو کر آتی ہیں - کلام میں درد ہوتا ہے اور اثر بھی -

کول - پنڈت کشن پرشاد نام کول عرفیت سروٹ آف انڈیا سوسائٹی کے لکھنؤ برانچ کے خاموش لیکن سرگرم کارکن ہیں اور ادب سے ذوق ہی نہیں عشق سے ہے - آپ کی کئی اچھی مفید کتابیں شائع ہو چکی ہیں گزشتہ سال لکھنؤ کے یوم آؤ کے جلسہ کی صدارت آپ ہی نے کی تھی -



گلشن - مسٹر بشن داس نام گلشن تخلص - وادی کا نگراہ کے رہنے والے ہیں -
 کہہ دیا منصور نے راز محبت بر ملا اسکو لئے دل خاموش جنوں سمجھا ہوں
 چاک و اس میں حد چاک گریباں مل گئی آج گلشن راز نگیل جنوں سمجھا ہوں میں
 گھر - دوار کا پرشاد نام گھر تخلص - لکھنؤ کے رہنے والے ہیں کلام اچھا ہوتا ہے -
 خوف سزا جزا نہ کر فعل کے از کتاب سے رکھ نہ غرض ثواب و دل میں ڈر عذاب سے
 خاک شہر آہ دل شعلہ کر اضطراب سے زیر و حرم کو بھونک لئے نالہ برق تاب سے
 کایا پٹ ہو مہند کی جلوہ ہے نقاب سے ساتی انجمن ہو مست ساغر آفتاب سے

دل نہ بتوں کو دیکھے اکتے تھے ہم جناب سے
 مگر کفنا مشی بنے دونو ہی بیچ و تاب سے
 اُن کی اداؤں میں لگ گئے اور چار چاند
 گلشنِ خاں زار میں پھولوں کے لالہ زار میں
 چھڑ ہی گئی شیب و صلیٰ جنگِ حجابِ شوق تھا
 پیری و عیبِ مدہِ نزار و اہِ رسی حسرتِ شبِا
 سنتے ہیں صوفیانِ مست میکدہٴ حیات میں
 خواب و خیال میں نظر آتے ہیں وہ کبھی کبھی
 فلسفہٴ حیات کو کہتے ہیں سب خیال و خواب
 قطرہٴ آب نے کہا بھر سے روکے ایک دن
 بھر نے تب جناب کو موج کی نذر کر دیا
 یونہی ہے کائنات کا جملہ وجود ہست و نیست
 دیکھ کے حسن و عشق کی ساری کرشمہ بازیاں
 مہرِ پیسن اور دُرِ نرسر، ملکہٴ محسن و شاہِ عشق
 ایک سے اک گلے بٹے چھوٹ کے ہر عذاب سے
 بزمِ مشاعرہ میں آج سنتے ہیں حضرت گھر
 لائے ہیں کر کے انتخاب کوئی غزل کتاب سے

مسرت۔ گوری شکر نام مسرت تخلص دانش لکھنوی کے شاعر تھے
 تجلی تھی وہ کیسی جس سے موسیٰ کو غفلت آتا تھا جگھے بھی دیکھنا سہ سوئے کوہ طور جانا ہوں

مقبول۔ بے سکہ رائے نام مقبول تخلص آزار کے شاکر دتھ۔
 بہت کھلائے گا گل گرجنوں سلامت ہے دکھائے گا ابھی کیا کیا ہمارا دل مسدا
 منکر۔ رام بی نام منکر تخلص آزاد لکھنوی کے شاکر دتھ ہیں۔

اسرار وحدت اس پر سب آئینہ ہو گئے جس نے کدل سے داغ دلی دود کر دیا
 میکش۔ جانکی پرشاد نام میکش تخلص ہے

ہم ہیں میکش لالہ گل سے ہیں ہے کام کیا ہے فقط درکار ہم کو باغچہ انگور کا،
 محروم۔ منشی تلوک چند نام محروم تخلص اردو ادب کے قدیم ترین خادم ہیں اور ایک
 خوش ذوق ادیب ہیں ان کے کلام میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

پھولا ہوا ہے کس لیے کیا بلبل میں ہے اللہ کون سی یہ ہوا بلبل میں ہے
 اف کس قدر غرور بھرا بلبل میں ہے فرعون کوئی آکے چھپا بلبل میں ہے
 کتنا ابھار کتنی اکڑ کتنی شان ہے

پانی کی ایک بوند میں کیا آن بان ہے

یارب کسی کا ابلہ پاس ہے بلبل یاد دل ہلوں کے دل کا پھو پھولا ہے بلبل
 فوراً نہاں نظر سے جو ہوتا ہے بلبل جھک کر یقین ہے جھینہ عنقا ہے بلبل
 یہ بلبل ہے یا کہ علم حیات ہے

پیدا ہوا ابھی ابھی ندرمات ہے

محروم اس کو چشم بصیرت سے دیکھے اپنی نگاہ عاشق قدرت سے دیکھے
 کچھ سوچے جناب نہ حیرت سے دیکھے ہر ایک شے کو دیدہ نہیرت سے دیکھے
 جو یائے کنہ را ز نراں کے لیے بریاں۔ عالم کا ذرہ ذرہ ہے۔ ارا کا ہواں

آکے بھٹکوا آئے دے عشق ہے شامہ سر مست ہوئے عشق ہے

ماننا بھی ہے جو ہوئے عشق ہے مقتل عشاق کوئے عشق ہے

شمع پر پروانہ کو دیکھا نہیں عشق بازی کھیل بچوں کا نہیں

دل میں پیدا ہمت پروانہ کر درند مرغ شوق کے پروانہ کر

راز پنہانی کمی پروانہ کر اپنی ہستی کی ذرا پروانہ کر

دل کو تو پہلے جلا بھر آب جل عشق کا دعویٰ ہے تو جب چاہے

ملا۔ بندت اندر نرائن ملا نام ملا تخلص ڈاکٹر جگت نرائن ملا مشہور مقنن کے صاحبزادہ ہیں خود کامیاب وکیل ہیں اور عمدہ شاعر انجمن بہار ادب لکھنؤ کی بہار آپ کے دم سے قائم ہے۔ نوجوان طبقہ میں بہت ہونہار و خوش گو شاعر ہیں۔ کلام جوش و ورد سے مملو ہے آپ کی شاعری ستر و نادر چمکتے سے متاثر نظر آتی ہے۔ گزشتہ سال یوم چمکتے مناکر اردو ادب کی بڑی خدمت کی تھی۔ اردو ادب کو آپ سے بہت سے جائز تو قعات وابستہ ہیں۔

اپنے سوز و غم کی شرح داستان کیوں کر دل کی جو باتیں ہیں وہ نذر زباں کیوں کر کرے

راز جو مجھ سے بھی پنہاں ہیں بیاں کیوں کر کرے اپنی ہستی کو زمانے پر عیاں کیوں کر کرے

بنالیں گے ترے زنداں کو بھی ہم غیرت محفل یعنی اپنی نگاہوں میں جمال انجمن ہم ہیں

ترے خنجر سے اپنے دل کی طاقت آزماؤ مجت ایک اپنی ہے ترا سارا زمانہ ہے

حیات عارضی صدقے حیات جاودانی پر فنا ہونا بھی اب اک زیست کی صورت سمجھئے

ہم نے بھی کی تھیں کوششیں بہت ہم نہ تھیں بھلا سکے

کوئی کمی ہم ہی میں تھی یا د تھیں نہ آکے

شرم سی ایک ل میں تھی انہی حقیقت نذر کی
 قفل سا اک زبان تھا آنکھ میں کچھ نی سی تھی
 اس نے تو کی نظر گرہم نہ نظر ملا سکے
 ہوش نہیں کہ دل کا بھید کہ گئے یا بھپا سکے
 اپنے ہی شوق کی خطا اپنی ہی آنکھ کا قصور
 وہ تو اٹھا چکا نقاب ہم نہ نظر اٹھا سکے

تسلی میرے قلب کو دینے والے
 یہی بیکے نور شید محشر نہ چھکے
 اب کہ صر وہ نگاہ ہے پیارے
 جیسے آج داغ جبیں جانتے ہیں
 تیری معصوم کی نظر کی قسم
 ابھی دم گناہ ہے پیارے
 جو بظاہر نہیں مری جانب
 وہ نظر بے پناہ ہے پیارے
 دو دنگا ہیں جہاں پہل حبائیں
 عشق کی مشاہدہ ہے پیارے
 اور ملا کو کیوں مٹاتے ہو
 وہ تو خود ہی تباہ ہے پیارے

شب ہجر ہے اور تنہائیاں ہیں
 لبوں پر ہے اک ہلکا ہلکا تبسم
 تری یاد سے بزم آریاں ہیں
 تبسم میں کیا کیا دل افزائیاں ہیں
 مزے سے مری انکی ہوتی ہیں باتیں
 کہ جیسے کہیں کی شناسائیاں ہیں
 کوئی سننے والا نہ دہرانے والا
 نہ غماز کوئی نہ رسوائیاں ہیں
 کبھی شوق گستاخ کی پورشیں ہیں
 وہاں روج جا جا کے ٹکرا رہی ہے
 کبھی خود غفل ہو کے پسائیاں ہیں
 وہاں قلب انسان کی گمراہیاں ہیں
 محبت کی باتیں تصور کو سونپیں
 تصور پر قرباں گویا یاں ہیں

نہ کر ان کا بیچھا ارے جاگ ملتا

یہ سب خوابِ رماں کی پرتھائیاں ہیں

تم مجھے بھول جاؤ گے

رہ نہ سیکے گا عمر بھر آج کا جوش اضطراب آرزوں میں آئے گا کوئی ضرور انقلاب
پھر کوئی دوست ڈھونڈھ ہی لے گی نگاہ انتہا زیست ہو زیست دل ہو دل اور شب بھر شب
عہد وفا ہے ایک خواب - تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

جسکی تجلیوں سے تھی بزم امید حشر خیز جس کے تبسموں سے تھا ساز حیات نغیز
جس کے نفس نفس سے تھی محفل درد شکر گزیر رکھ کے کو جگر پہ ہاتھ آج بھی ہو وہی عزیز
وقت ہو کچھ عجیب، چیز - تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

رسم جہاں ہو انقلاب، دور کا نام کائنات دم کوئی لے سکے کہیں تناسکوں بھی بے حیات
ایک نگاہ اک مانگ، ایک مانگ ایک لات آرزوں کی دل میں ہو ایک سچی ہوئی برات
ہستی عشق بے ثبات - تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

کوئی کسی کی یاد میں حشر تلک جیا نہیں تیر نظر کی چوٹ سے کوئی کبھی مرا نہیں
بن کے کھڑنڈ کون ساداغ جگر اڑا نہیں سنگ لحد کو توڑ کر سبزہ کمان کا نہیں
غم کوئی لا دوا نہیں - تم مجھے بھول جاؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے

بھرتے نگاہ خانہ شوق کو تم سجاؤ گے پھر کسی بت کے واسطے فرش نظر دکھاؤ گے
آج کی بات کو کبھی خواب میں بھی نہ لاؤ گے نام مرا اگر کوئی لے گا تو مسکراؤ گے

تم مجھے بھول جاؤ گے تم مجھے بھول جاؤ گے
مفتون نہ سردار دیوان سنگھ نام مفتون تخلص۔ اخبار ریاست کے مالک اور ادیب
ہیں۔ اردو ادب سے خاص تعلق ہے آپ نثر میں شاعری کرتے ہیں شعر بھی کہتے ہیں۔
اخبار ریاست ہندوستان میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتا ہے۔
منور۔ منشی بشیشور پرشار نام منور تخلص لکھنؤ کے نوجوان خوشگو شعرا کے طبقہ سے
تعلق رکھتے ہیں آپ کا مستقبل تابناک ہے۔

ضرو رائے جذبہ دل تو ہو محو کارِ شرمائی حیات اک لفظ بے معنی چو بے ہنگامہ آرائی
میر سے سروئے تن سو بھول بن بکر لوٹیکے کرے سوز درد و دشمن چراغ شام تنہائی
کماں تک جبر ہو گا تم سے اپنے دیدہ دل پر کماں تک آئینہ دیکھو گے ہنگامہ آرائی
حدود شوق سجدہ سے گذرنا عین سجدہ ہے نہ ہو وقت جبین سائی بھی اس جبین سائی
رتبہ پہ جان دے دینے سے حاصل ہو گیا سوز پر و اندہ فروغ شمع محفل ہو گیا
ہر منشی سورج زراں نام ہر تخلص خالص دہلی کے باشندے تھے ۱۹۳۳ء میں انتقال کیا
ہر ساز کے پردے میں صدا تیری سنی ہے ہر شکل کے اظہار میں میں نے تجھے دیکھا
زاہد کے دل پاک تو جلوہ منسا ہے اور صورتی سرشار میں میں نے تجھے دیکھا
یلوے ہیں جلالی و جمالی ترے دونوں ہاں نور میں اور نار میں میں نے تجھے دیکھا
مشتاق۔ منشی بہاری لال نام مشتاق تخلص مرزا غالب کے شاگرد تھے ۱۹۰۵ء میں
انتقال کیا۔

نہیں ہوں تاکہ خلعت رحمت سے مستحق بھر دی ہے کوٹ کوٹ کے لذت گناہ میں
تاثیر آہ و نالہ تو معلوم ہاں مگر دل کا بخارِ خوب نکلتا ہوا آہ میں

تم جاتے ہو تو جاؤ خدا کے لئے مگر
ظاہر میں یہ بار بار بکھائیں یہ لوگ
سے جاؤ اپنے ساتھ نہ صبر قرار کو
باطن میں یہ سب کچھ ادا ہیں،

پالا ڈھڑے کسی کو ان سے یا رب
مدہوش - سنت پر شاد نام مدہوش تخلص فارسی ادب میں دست گاہ رکھتے ہیں رستم
حافظ شمس تبریزی اور مولانا رومی اور دیگر صوفیائے کرام کا کلام آپ کے زیر مطالعہ رہتا
ہے۔ آپ کی ادبی کاوشیں شاعرانہ حیثیتوں سے پُر ہوتی ہیں ان کے کلام میں خستگی
سپر دگی موجود ہے۔ آجکل ریال باغ اگرہ میں رہتے ہیں اردو ادب کو آپ سے جائز
توقعات وابستہ ہیں۔

وصل تک ہی نہیں محدود محبت کے لئے ہم کو مقبول ہیں یہ تلخی فرقت کے لئے
آرزو مرنے کی ہے داغ محبت لیس کر بس یہ غم ہے کہ نہ مر جائیں یہ حسرت لیکر
رہا تو خانہ خراب آیا میں تو خانہ بدوش چلوں یہاں سے تو نہ کیونکر نہ لامکاں کے لئے
بندہ ہوں ادا ساز کرتا ہوں میں اک فرض سے اپنے ساز کرتا ہوں

دے کچھ نہ مجھے وہ دینے والا مدہوش پر دست طلب دراز کرتا ہوں میں
ہے طالب رب تو سب ہی کھو جانے دے دنیا کی طلب کا ہاتھ سو جانے دے
مدہوش ضرور چشم دل دا ہو گی تو چشم ہوس تو کو رہے ہو جانے دے
ہاں میں آئے تماشا بنا ہاں کے لئے بشر سے پوچھ چلا کرے اب کہاں کے لئے
تجھے شوق خلد کی جاہ ہے مجھے ذوق لطیف نگاہ ہے

نہیں اس کا حسن نہیں بوا الموس جو مزہا ہے سوز و گداز میں

عشق ہی زندہ ہمیں رکھتا ہے پر واندہ مدہوش

خون کچھ دل میں نہیں جان حقیقت میں نہیں،
 بے بس و ہجرال نعیب ہو مدہوش وہ کب جیا سے جینے کا کب مزا آیا

ہیش پر شاو - جامعہ بنارس کے ناموش کام کرنے والوں کی فرمت میں
 ہیش پر شاو کا نام بہت بلند ہے آپ علوم شرقیہ کے فاضل ہیں۔ اور برابر ادبی
 خدمات میں منہمک رہتے ہیں۔ عرصہ سے آپ غالب کے خطبہ جمع کر رہے ہیں اور
 اس سلسلہ میں آپ کی ادبی کاوشیں اکثر بلند پایہ رسائل میں شائع ہوا کرتی ہیں۔
 آپ عرصہ ہوا ایران بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے واپسی پر اپنے تاثرات
 ایران یا ترا کے عنوان سے شائع کر چکے ہیں۔ بہت مخلص کام کرنے والوں میں ہیں۔
 مدن مراری لال سکسینہ - مدن مراری لال سکسینہ نام لکھنؤ کے ایک مشہور
 کالیستھوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کا قدیم مکان محلہ مشک گنج میں مکان
 لالہ امام بخش کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے پردادا لالہ شتاب رائے بڑے
 علم دوست تھے جنھوں نے مولوی سید امام اشرف صاحب کی مصنفہ کتاب
 بہترک شاہی (تاریخ واجد علی شاہ) کا ماثیہ لکھا ہے۔ ان کے والد نشی
 گوری پر شاہ سکسینہ قلمی کتب و تصاویر کے بڑے قدر دان تھے اور موصوف نے اپنی
 تہا کو ششوں کی ایک بہت بڑا ذخیرہ قدیم نوادر کا جمع کیا ہے جس میں سب سے زیادہ قابل ذکر
 رباعیات عمر خیام کا ایک قلمی نسخہ ہے جو ۸۲۶ھ کا ہے اور اس وجہ سے دنیا کا
 سب سے زیادہ قدیم نسخہ رباعیات خیام کا مانا جاتا ہے۔ آپ کو افسانہ نگاری کا
 بھی شوق ہے آپ کے افسانے ہمارا تخت جگر۔ اور رات کے بارہ بجے بہت
 مشہور ہیں۔

مدن لال سکسینہ - مدن لال سکسینہ نام لکھنؤ کے نوجوان ادیب ہیں ان کا پایہ بہت بلند ہے خاموش کام کرنے والے ہیں آپ کا کتب خانہ نوادر سے پر ہے آرٹ سے بہت دلچسپی ہے شعر و شاعری آپ کو درشہ میں ملی ہے۔ اردو ادب کو آپ سے جائز توقعات وابستہ ہیں۔ لکھنؤ میں وکالت کرتے ہیں۔ عرصہ سے سیر و سیاحت کیلئے بیٹے گئے ہوئے ہیں۔

نانک - نانک چند نام نانک تخلص - پیارے صاحب رشید سے شرفِ تلمذ ہے مرثیہ خوب کہتے ہیں۔ آپ کا دیوان شائع ہو گیا ہے۔

یاں ذات عشق فانی واں حسن جادوانی موسیٰ نہ سمجھے اتنا کس سے مقابلہ ہے
محدود زندگی دنیا ہے اس قدر ہر سانس پرگماں ہے کہیں آخری نہ ہو
نظر - منشی زبیر رائے نام نظر تخلص منظر لکھنؤی کے شاگرد تھے غنک نظر - ادیب
اودھ اخبار میں مدتوں ایڈیٹر رہے۔ شعر و سخن کا لطیف ذوق تھا

یہ دل ہے مرا نقش کف پا ہے غل ہے کہ اک آئینہ سر راہ پڑا ہے
نزع میں دیکھا ہوا انکو اپنے پاس آتے ہوئے اٹھ گئے اکبار دونوں ہاتھ تھراتے ہوئے
ہو رہا تھا مجھے ان سے عین غلوت میں نفات آئسوؤں نے آکے دونوں کو پشیمان کر دیا
میرادل پھیر دیں میں عدہ فردا سے درگذرا قیامت میں سینے کا کون میری شور و محشر میں
ہے عارفوں کو نقش کشی باعث نجات جی جاؤں میں جو دل کی تما کر سے کوئی
یاس سے ویرانی حسرت کبھی ایسی نہ تھی دل میں ستائنا تھا وحشت کبھی ایسی نہ تھی
اب تو دنیا کی ہوا اور روشنی آتی ہے صاف جا بجا سے شوق میری تربت کبھی ایسی نہ تھی
جان ہی لینے لگی مابوہی مہرچ دصال دل جگر میں درد کی شدت کبھی ایسی نہ تھی

بجہ میں دل پاک مرتع تھا اُمید و بیم کا تھی بہت اتیر نگر مالیت کبھی ایسی نہ تھی
عیشِ رفتہ کا مصیبت میں کیا جب ہم نے نوکر دل بے بول اٹھا تیری قسمت کبھی ایسی نہ تھی
دل کے چھائے میں سمٹ کر حسرتیں سب گھسٹیں قابلِ عبرت کوئی تربت کبھی ایسی نہ تھی
دیکھ ڈھلے زندگی میں دل و فرقت کے طلسم غم کبھی ایسا نہ تھا راحت کبھی ایسی نہ تھی
دل کو کیا سمجھا دیا تو میدی جاوید نے پردہ دارِ غم مشبہ فرقت کبھی ایسی نہ تھی

زندگی کی کشمکش سے مر کے پائی کچھ نجات

اس سے پہلے اے نظر فرصت کبھی ایسی تھی

ناشا و - تارا شکر نام ناشا و تخلص - آپ غالباً محکمہ تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں - اردو ادب
سے ذوق ہے امید ہے کہ آئندہ اچھے ادیبِ ثابت ہوں گے - زمانہ میں اکثر لکھتے لکھتی ہیں
ناشا و - رام پرشاد لکھو سلسلہ نام ناشا و تخلص - اردو ادب کے پرانے خادم ہیں محکمہ تعلیم
میں کسی کالج کے پرنسپل ہیں آپ کی نظم بسنت بہت مشہور ہے - زمانہ اکثر آپ کے رخصیات
قلمی سے مستفید ہوا کرتا ہے - نمونہ کلام یہ ہے -

ہر شجرِ صحنِ چین کا مست نوشا نوش ہے ساغرِ شبنم کو بی کر ہر کھلی مدہوش ہے
وہد میں آآ کے ہر غنچہ لب خاموش ہے عند لبِ گلستان بھولوں وہم آغوش ہے
یخودی کے راگِ مرغانِ چین گاتے ہیں آج

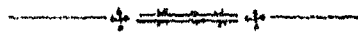
میٹھے نغموں سے عروسِ گل کو بہلاتے ہیں آج

آسمان پر رنگِ ابر رحمتِ باری کو دیکھ صحنِ گلشن میں عروسِ گل کی بیداری کو دیکھ
سبزِ نخل پر پردہ رت کی گلکاری کو دیکھ نازِ گل کو بلبلوں کی نازی برداری کو دیکھ
دیکھ لے تو اے بشر اگر تماشا ہے ہمار

ہے بسنت آتے ہی کیا کیا حُسنِ قدرت پر بکھار
 چھلکا نا بخودی کارنگ جامِ گل میں ہے بے بسی کی تان مضمر خندہ قلقل میں ہے
 اک نیا اندازِ مستی نغمہ بلبل میں ہے اک نیا طرزِ جنوں ہر شاخ و برگ گل میں ہے
 گلستاں میں ہر شجر ہے مائلِ رقص و سرور
 سازِ موسیقی بنا ہے پتے پتے کا و جو د

بارہ عشرت سے پھر لہریز بہانے ہوئے بے پرستوں سے پھر آباد آج بنگانے ہوئے
 نوجوانانِ چین بھری کے مستانے ہوئے منتشر پھر زہد کی تسبیح کے دانے ہوئے
 جس جگہ دیکھو وہیں ہو محفلِ عیش و نشاط
 جا، کچل پٹیں نظر ہے رنگِ بزمِ امنساط
 ہر رگِ قدرت میں جوشِ رنگِ بُو پیدا ہوا گوشہ دل میں بھی شورِ آرزو پیدا ہوا
 سوکھے تنکوں میں تر و تازہ لُہو پیدا ہوا شورِ مرغانِ گلستاں چار سُو پیدا ہوا
 دُور دُور آغوشِ غفلت سے عروسِ گل ہو آج
 فوہلا لایِ چین پر نغمہ زنِ بلبل ہے آج

نور - گور سہاے نام تو رِ تخلص -
 صبحِ پیری زردم میں خاک میں مل جائیگی عشرتِ تک تاباں یوں ہی ہوگا سحر سے آفتاب



دُعا - بابولال نام دُعا تخلص -
 فائدہ انسان کو کیا ہو کوششِ تدبیر سے زور کچھ چلتا نہیں بگڑی ہوئی تقدیر سے
 دُعا - بابو گوریال نام دُعا تخلص

نہیں ممکن کہ پہونچے کنشتی امید ساحل تک ہمارا ناخدا غرق ہے دریائے نخت میں
وحشی - سری کشن سہائے نام وحشی تخلص - ہنگام ضلع فتح پور کے رہنے والے ہیں۔
زمانہ میں آپ کا کلام بہت شائع ہوا کرتا ہے۔

وفا - لالہ ہرم پال گپتا نام وفا تخلص "تیج" وہلی کے اڈیٹر ہیں۔ شعر و شاعری کا ذوق
بہت ارفع ہے۔ نعت خوب کہتے ہیں۔

چھڑا کے بت کی پرستش سکھائی تھی وحد
مرے خیال کی تردید عام ہو جائے
شراب نوشی کی بدعت کو اس طرح رد کا
کہ اس کا پینا بلا نا حرام ہو جائے
سکھا با اہل عرب کو برادری درس
کہ امتیاز کا قصہ تمام ہو جائے
سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے
کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے
عرب کو تو نے جہالت سے پاک کر ڈالا
تو تیرا دل میں نہ کیوں احترام ہو جائے
ترے خیال میں یہ سخت نامناسب تھا
بشر کوئی بھی بشر کا غلام ہو جائے
رفاہ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین
لقب نہ کیوں ترا خیر الانام ہو جائے

وفا جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے

عطا جیسے مئے عرفاں کا جام ہو جائے

وحشی - کرشن برشا نام وحشی تخلص ثواب تفضل حسین خاں فرخ آبادی کے درباری
شعرا میں تھے آپ بلگرام کے رہنے والے ہیں لیکن فرخ آباد میں عمر گزار دی۔ آپ کے
والدہ منشی چند رکا برشا وحشی بھی بہت کامل تھے۔ اور ثواب تجل حسین خاں کی سرکار میں
دارالمہام تھے یہ وہی تجل حسین خاں ہیں جن کی شان میں غالب نے کہا تھا ع
بنی ہے عیش تجل حسین خاں کے لیے

منونہ کلام یہ ہے۔

اس کی رز د میں پھرتے ہیں اندھے کفن
رنگین ہمارے خون سے شمشیر بار ہو
وہ ہر سیر آئیں جو گلشن میں وقت صبح
کلیاں ہنسیں چین کی تو بلبل نثار ہو
جائے شب فراق کے ہیں دفن سیکڑوں
آہستہ سے چلو نہ کوئی ہو شیار ہو
ہاں لے دیتی ہنسوں بزم حسنا میں ٹھکر
ہنسنا تمہارا ان کو کہیں ناگوار ہو

طعنہ زن پوئل و اعظم میری بخاری پہ کج
آیا ساقی بھی تو بن کر پار سامیر سے لیے
جہن ن ترے کوچہ سے نکلے تھے یہ دیوانے
بت خانہ بھی لرزاں تھا کعبہ میں بھی جل تھی
سور بار منا لینا سو بار خطا کرنا
اللہ کسی صورت سے اظہار وفا کرنا
اشد تری زلفیں اللہ وہن تیرا
کس ادج پہ گویا ہے مدہوش چین تیرا
وہ سر ہاں پھر کوئی آیا
اور نوید حسین تر لایا

منزل گل ہے ہر اک اداس کی
اس منم کا شباب کیا کسنا
نواب زی وقار کی کیا شان ہو بیاں
تعریف کر رہے ہیں گل و خار سب کے سب
مختلف آواز ہیں در مختلف ہیں زیر دم
یہ بھی اک اعجاز ہے گویا ترانہ ساز کا
پیش جاوید قہری کا پوری نے حسب فیہل مزید حالات لکھے ہیں جو دلچسپ ہیں اس لیے پیش کیے جاتے ہیں

منشی کرشن پرشاد دہشی فرخ آبادی نواب فضل حسین خاں صاحب فرخ آبادی

کے درباری شعرا میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اس کے علاوہ دارو
توشک خانہ بھی تھے اور بحیثیت ”محافظ دیورہی“ بھی اکثر و بیشتر سرشار کئے
جائے تھے۔ نواب مذکور کو حضرت دہشی سے بھی ایک دلی لگاؤ تھا اور ان پر
بڑی عنایت فرماتے تھے۔ چنانچہ ان کے ایک ہلا قہد حاضر ہی و ممبر چالیس آٹھ

ماہوار نشیمن پاتے رہے۔ جب تک رات کی محفل میں وقتی نہ ہوتے نواب موصوف کو چین ہی نہ پڑتا۔ ادھر نشی جی تشریف لائے ادھر نواب کی باجھیں کھل گئیں اور واقعی دہی تھے بھی دراصل بڑے لطیف اور آداب مجلس کے ماہر۔ موقع شناس اتنے واقع ہوئے تھے کہ جو بات کہتے اس پر کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملتا۔ سیکڑوں بار انگوٹھیاں بار آور خلعت سرور بار پائیے تھے۔

نواب موصوف کو حاکم فرخ آباد کے عزیز بھی تھے مگر ان کی داد و دیہش نواب رئیس والی فرخ آباد سے کسی طرح کم نہ تھی۔ بڑی بڑی دور سے لوگ آتے اور خاطر خواہ انعام پاتے تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب خود تو سخن گو نہ تھے مگر سخن شناس ضرور تھے۔ ہمہ وقت شعر و شاعری کا چر چار ہوتا۔ موجودہ اسٹیشن کے پاس جو گڑھی کمنہ مشہور ہے اس میں نواب صاحب رہا کرتے تھے۔ بڑا محل۔ نازباغ۔ ہندی باغ۔ شاہی قبرستان سب ہی کچھ تھا۔ خانہ باغ میں بیگمات جمع ہوتیں۔ جھوٹے بڑے پکوان پکیتے۔ لہار لگاتے جاتے۔ باغ کے چاروں طرف چونکہ اونچی اونچی دیواریں تھیں اس لئے آزادی سے بیگمات ساون مناہیں وہ گھبراہٹ رہتی، وہ تھیں بلند ہوتے کہ سننے والے مدہوش ہو جاتے۔ مگر زمانہ نے بٹا کھایا وہ مناظر خواب ہو گئے نہ وہ نوابیاں رہیں اور نہ تخت فرخ آباد۔ گڑھی کمنہ اب بھی ہے مگر بحالت کمنہ در دیوار سے آئنا شکست و ریخت ظاہر ہیں۔ وہ عالیشان۔ پھاٹک جس میں سے نواب باجھی پر مع عمارت کے نکل جاتے تھے اب دن کاٹ رہا ہے۔ نہ نوبت سبقتی ہے اور نہ نقارہ نہ کساروں کی۔ ہٹو بھونائی دیتی ہے۔

اور نہ تلنگوں کی ”دورِ باباش“ نہ نواب تفضل حسین خان !
 دہلی نے جس ماحول میں پرورش پائی تھی وہ ایسا نہ تھا کہ ایک ذہین و پرفوق
 انسان پر کوئی اثر نہ ڈالنا چنانچہ دہلی پر بھی اثر پڑا اور ایسا پڑا کہ مرتے مرتے
 بھی اپنی یادگار چھوڑ گئے۔

دہلی نواب تفضل حسین خان صاحب کے ہم عمر تھے بلکہ شاید تین دہائیوں سے
 ہی تھے ایک ساتھ ہر درش پائی تھی اس لئے نواب کے مزاج میں کافی دخل
 رکھتے تھے اور شاید یہی وجہ ہو کہ نواب آپ کو اتنا عزیز رکھتے تھے۔
 فرخ آباد میں بڑے بڑے مشاعرے ہوتے تھے دور دور سے شاعر آتے حاضر
 خواہ مدارات ہوتی۔ انعام اور خلعت ملتے۔ دہلی تو درباری شاعر ہی تھے۔
 ہر مشاعرہ میں شریک ہوتے اس لئے طبیعت پر اور جلا ہوتی جلی گئی۔ لکھنؤ اور
 دہلی کے اکثر مشاعروں میں مدعو ہوتے۔ اور جہاں جاتے فرخ آباد کا نام ہی ادب چڑھا
 کر کے لوٹتے۔ نواب کا معمول تھا کہ شام کو تمام درباری جمع ہوتے مختلف موضوع
 پر خیال آرائیاں مکی جاتیں ہنسی مذاق، شعر و سخن اور موسیقی کی خوب خوب محفلیں
 منعقد ہوتیں ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ سر مشاعرہ کاوش خیر آبادی نے جو اس وقت
 فرخ آباد ہی میں مقیم تھے ایک مصرع پڑھا کہ ”بہر صورت مرے دل پر چٹاکی“ اور
 کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی فرخ آبادی اس مصرع پر مصرع لگا دے۔ لکھنؤ۔
 حیدر آباد اور دہلی کہاں کہاں میں نے لوگوں کو یہ مصرع سنایا مگر جیسا چاہئے تھا
 ویسا مصرع ایک سے بھی نہ لگ سکا۔ اگر کوئی صاحب لگا دینگے تو شکریہ ادا کر لگا
 دہلی بھی موجود تھے اور نواب بذاتِ خود مداح۔ سر مشاعرہ تھے۔ نواب نے ہر شاعر کو

فرخ آباد پر نظر ڈالی۔ سب گردنیں نیچی کئے مصرعے لگا رہے تھے۔ دھمی نے ہاتھ جوڑ کر
نواب سے اجازت چاہی اور کیا برجستہ مصرعے لگایا۔ فرماتے ہیں۔

جفا چاہی تو ظالم نے دمناس کی، بہر صورت مرے دل پر جھٹاس کی
کاؤش کھڑے ہو گئے اور دھی کو اپنی تسبیح اتار کر دے دی جو شاید دنیا کا سب سے
بڑا انعام کمی جاسکتی تھی۔ کاؤش اس شعر کو بار بار پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ نواب
اسنے خوش ہوئے کہ اپنا دوشالہ اتار کر اوڑھوا دیا۔ اللہ اللہ یہ تھی داد و دہش دل
قدر دانی جس نے ہندوستان کے کونے کونے سے علماء اور فضلاء کو کھینچ کر
فرخ آباد میں بلا لیا تھا۔

شکار کا دھمی کو بڑا شوق تھا۔ برادر سی والے ان کو اسی لیے اچھی نظر سے
نزدیک سے تھے۔ گوشت وغیرہ سے انھیں کوئی پرہیز ہی نہ تھا۔ مسلمانوں کے سے
طریقے کے پابند تھے پان دن بھر کھاتے اور عجیب شان سے کھاتے بتنے آدمی
بیٹھے ہوتے سب کے سامنے ایک ایک فاصدان میں پانچ پانچ سنہری گلوہاں
مطر معطر نفیس پانوں کی آتیں۔ ادھر دھی کے پان ختم ہوئے ادھر سب کے
فاصدان اٹھ سکے۔ اور فوراً ہی نئے سرے سے بھر کر آگئے۔

وہ مکان جس میں محمدی تنگیم صاحبہ رہتی ہیں دھمی کے پاس تھا بال بچے
سب اسی میں رہا کرتے تھے نواب کے ایک قریبی عزیز قاسم حسین تھاں تھے۔
ان کی شادی لکھنؤ میں کہیں ہوئی تھی اور بڑی رقم ملی تھی اس لیے خوب داد و عیش
دے رہے تھے ایک دن دھمی کی اکلوتی لڑکی پر جو واقعی حسن و جمال میں لاتانی
تھی نظر پڑ گئی اور رنگ طبیعت بدل گیا چل سڑا قلعہ کی خبر دھمی کو ہوئی تو نواب اس کے

پاس گئے معاملہ بیان کیا اسی وقت حکم ہوا کہ قاسم کو گڑھی سے نکال دو۔ چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اور اسے شرم کے فرخ آباد چھوڑ کر خدا جانے کہ کھڑکلی گئے یہ تھا صنعت مزاجی کا عالم، مگر یہ سب کچھ تو ہوا ”وہ گل رنگین“ ہی نہ رہا جس کے بیٹے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ محبت پر قابو ہی کب ہے جب اس کی سوہیں بڑھتی ہیں تو سب کو اُلٹ پلٹ دیتی ہیں، اندھ بھ کی دیواریں نہتی ہیں اور نہ سماج کے قانون۔۔۔ چنانچہ اُسے بھی محبت ہو گئی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ میرا تاج الملوک شہسبد بد کردیا گیا ہے تو بقراد ہو گئی مگر شریعت زاد سی نیی زبان سے اُٹ تک نہ کی۔ دن رات رونے سے کام تھا آخر روتے روتے سب کو گڑلا دیا اور اس جہنم سے تڑپا میں خزاں آہی گئی۔ خود مر گئی مگر باپ کو زندہ ورگو کر گئی کہیں واقعہ کے سات برس بعد تک دھتی زندہ رہے مگر حقیقتاً وہ مر چکے تھے اس کے مرنے پر دھتی نے ایک مرثیہ بھی لکھا تھا جس کا صرف مطلع یاد رہ گیا ہے فرماتے ہیں یہ

دیئے ہیں دل پر مرے زخم آتشیں تھنے مرے چمن کی بہاریں بھی لوٹ لیں تھنے جب دربار میں دھتی نے یہ مرثیہ پڑھا تو نواب پر وقت کا عالم عاری ہو گیا آخر یہ شاعر با کمال بھی زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکا۔ اور اس سرائے فانی سے نواب تفضل حسین خاں مرحوم کی وفات سے تین مہینے بیس دن قبل رحلت کی۔ مرنے وقت بھی ہوش با سکل بجا تھے۔ چنانچہ مرنے سے آدھ گھنٹہ پیشتر یہ شعر کہا تھا

نہ کر نکرو دھتی مرنے بھی دے ظالم بہت ممکن ہے اُلفت راز ہو جائے اس کے بدلہ بکلی آئی نواب سرہانے کھڑے تھے۔ آنکھیں کھلیں نگاہیں

اٹھیں اور بھٹک گئیں اور ہمیشہ کے لیے یہ شیعہ ہمیشہ شاعر بھی خاموش ہو گیا۔ کوئی
 مطبوعہ دیوان یا دگاہ نہ چھوڑا مگر تقریباً دو ہزار غزلوں کا غیر مطبوعہ دیوان تھا جو نواب
 کرا حسین خاں صاحب مرحوم فرخ آبادی کے پاس تھا اب معلوم نہیں کہاں چر
 ممکن ہے کہ ان مکہ فوج پر تے نواب علی نقی خاں کے پاس محفوظ ہو۔ مرثیہ بھی اکثر
 و بیشتر کہا کرتے تھے مگر مجھے بڑھتی سی کوئی بند یاد نہیں۔“

ہاجر۔ یکم رگھناتھ سنگھ نام ہاجر تخلص۔

لاہور سے بن رہا ہے موج سراب سہرا کیا چھو متا ہے ہو کر مست شباب سہرا

کرنا ہے خوب پاس شرم حجاب سہرا

اترا رہا ہے ہو کر رخ پر نقاب سہرا

ہوش۔ شیدو نرائن نام ہوش تخلص۔ جناب اشیم خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں ہیں

زمانہ نے میں بدنام ہو جانے بھی د

حسینوں کی الفت کا حاصل ہی ہے

حضرات آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارے برادران وطن نے کس طرح خونِ بکر

سے اس جہنستانِ ادب کی آبیاری کی ہے ہندو رو سانسے بھی اپنی دولت کے ہیچ

مصرف سے ارباب وطن کے شکستہ دل افراد کی دلجمعی کی ہے اور مختلف طریقوں

سے ان کی عزت افزائی کر کے ادب اردو کی سرپرستی کی ہے۔ راجہ شباب رائے

ناظم ہنگامہ و بہار کی قدر دانی ضرور بالمثل ہے ان کے صاحبزادے راجہ بہادر راجہ

اردو کے پاکمال شاعر تھے میر حسن اسی سرکار کے رہین منت زیادہ رہے۔ اس میں

راجہ جنگل کشور کا نام نامی آج تک سپہر ادب پر سیل جگر نیا پاشی کر رہا ہے۔ جو کہ بھی سرکار اتر کے متوسل رہے۔ ہمارا راجہ چند دلال کی زرافشا نیاں کا فی مشہور ہیں پتہ کے دور آخر میں کنور سکھ آج بہادر نے بقول مصنف حیات فرمایا ہے مشہور مشاعرے کے کہ ان کی یاد اب تک بہتوں کو بے چین کرتی ہے۔ ہر مشاعرہ میں ۳-۴ ہزار روپیہ خرچ ہونا تھا آج بھی دکن میں ہزار کسٹنسی سر بین السلطنت ہمارا راجہ بہادر راجہ راجا یاں کشن برشا د نظامی شاد بہادر بالقابہ جی۔ سی۔ آئی۔ اسی پیش کار دولت آصفیہ کی قدردانیوں کا غلغلہ ہند میں کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ہمارا راجہ بہادر کا دربار گہر آبادار خود مستقل ایک تعینت کا محتاج ہے۔ ہمیشہ اہل کمال اس دربار سے متعلق رہے ہیں چنانچہ خیر آباد کا مشہور بوڑھا شاعر ریاض بھی عرصہ تک اس سرکار سے متعلق رہ چکا ہے۔ اور آج بھی نانی کا تعلق کسی نہ کسی طرح اس دربار سے ہے۔ ہمارا راجہ بہادر شاعر ہی نہیں ادیب بھی ہیں متعدد ادبی کتابوں کے مصنف ہیں آپ کی شہسویری پریم درپن ادبی حلقوں میں بہت مشہور و معروف ہو۔ لکھنؤ کی گذشتہ زرعی و صنعتی نمائش کے مشاعرہ کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ لیکن عین وقت پر کچھ سیاسی ضروریات کی بنا پر شرکت نہ کر سکے۔ اور ان اوراق پریشاں کو آپ ہی کی ذات گرامی سے معنون کیا جاتا ہے آپ کا رنگ سخن یہ ہے۔

درد و فرقت سے نہ جو دل کی تسلی نہ بھی گر نہیں لیتے خبر تم میرے دل کی نہ بھی
کوڑہ و بام بتانے کی تو ہٹی خاک مری اس کے بھی کام کی گریہ نہیں ملی نہ بھی

قابل جلوہ گہ یار تو دل ہے اے قیس گر نہیں اس میں ابھی جلوہ لیلانہ سہی
سرفت علم نوحی ہے کمون کیا تجھ سے واعظا اگر تو سمجھتا نہیں معنی نہ سہی

اس میں بھی شک ہو تمہیں کیا کہ نہیں سینہ اب

خیر کافی ہی سہی شاہ جو صوفی نہ سہی

ہندو دایان ریاست میں بہت رئیس خوش ذوق ادیب گزرے ہیں
اور بہت ادب پرست اور ادب نواز آج بھی موجود ہیں۔ انہیں میں ایک
دربار گواہیار بھی ہے جس سے ہمیشہ تشنگان ادب سیراب ہوتے رہے ہیں
چنانچہ مغلطری آبادی کا نیر اقبال اسی مطلع پر تادیر منظر فروزا رہا۔
اسی طرح ریاست جھالراپاٹن یا بھالادار جس کے قیام کو ابھی ایک
صدی بھی نہیں گزری ہے لیکن ہزار ہائیں ہمارا اجراناسر بھوانی سنگھ
ہمدرد۔ کے۔ سی۔ ایں۔ اسی کے بار احسان سے اور وادب کبھی بھی
سبک دوش نہیں ہو سکتا۔ آپ نے سرپرستی اور قدردانی سے اساتذہ
فن کو جمع کر کے ایک چھوٹی سی بستی میں سیکڑوں ادیب و شاعر پیدا کر دیئے
جناب عجلو حید نیرنگ کا کوہی کو افتخار الشعرا کی سند عطا کی اور پندرہ
روزہ بزم مشاعرہ کی بنیاد ڈالی۔ افسوس یہ ہے کہ ہزار ہائیں کے انتقال
کے بعد یہ ادبی سبھا کسی قدر پھیلکی ہو گئی تھی لیکن موجودہ ہمارا اجراناسر
راجندر سنگھ ہمدرد فراموشی سے ریاست جھالادار سے بھی ادب اور دو کو ایسی درخشندہ امید
دابتے ہیں اسی طرح دیگر امرائے ہند نے بھی ہر موقعہ پر ادب کی خدمت کو سعادت تصور کیا
ہے ہمدرد شکایت ان سے نہیں ہے۔ بلکہ شکوہ اپنی تنگ دامانی کا ہے !

نقشه هندستان ۱۹۳۹ء



مشر احمد علی
۲۲
۱۲
۱۹۳۹

خمنائے ناگفتنی۔ مخدوم ادب ڈاکٹر عبد الحق صاحب نے خوب کہا ہے کہ۔

”آجکل زبان کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے ہندوستان کے اور مسئلہ تو آسانی سے حل ہو سکتے ہیں لیکن اگر زبان کا مسئلہ زیادہ پیچیدہ ہو گیا تو اس کا حل مشکل ہو گا۔ قرینیت میں لکھا ہے کہ جب انسان کا تمدن بڑھا تو انسان کو آسمان فتح کرنے کا بھی خیال ہوا اور اس کام کے لئے اس نے ایک بڑا مینار آسمان پر جانے کیلئے بنایا لیکن خدا نے ان مینار بنانے والوں کی بولیاں مختلف کر دیں جس سے یہ لوگ متفرق ہو گئے یہ ان کے لئے لگو بہت بڑی سزا تھی اگر بولی کا الگ ہونا ایک سزا ہے تو ہندوستان کو بھی اسی قسم کی سزا ملی ہے جہاں بے شمار بولیاں اور زبانیں رائج ہیں لیکن اس سزا سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ اردو زبان ہے جو ملک کے ہر حصہ میں سمجھی جاتی ہے میں نے ملک کے گوشہ گوشہ کا دورہ کیا ہے اور دور دراز صوبوں میں جہاں جہاں میں گیا مثلاً مدراس۔ بمبئی۔ گجرات۔ اندھرا وغیرہ وہاں لوگ میری تقریر سمجھتے تھے۔ لیکن دوسری زبانیں محدود ہیں۔ تامل۔ اور مرہٹی یہاں کوئی نہیں سمجھتا ان زبانوں کے بولنے والوں کے لئے لگو یا ہم گو گئے ہیں اس چیز کو دور کرنے کے لئے ہندوستان میں صرف اردو ہی زبان ہے یہی وہ زبان ہے جو ہر جگہ سمجھی جاتی ہے دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ ہم زبانی سے ہم خیالی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لحاظ سے ہندوستان میں اردو دونوں کے لئے بڑی آسانی ہے۔ ہندو مسلمان

پارسی عیسائی سب اُردو سمجھتے ہیں اور بولتے ہیں۔ ہندوستان کی مختلف قوموں میں دوستی اور اتحاد اُردو ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے کہ اُردو بہت آسان زبان ہے مکن ہے بعض لوگوں کو اُردو بولنے وقت کچھ جھجک معلوم ہوتی ہو مگر زبان سیکھنے کا یہی طریقہ ہے جھجک زبانی ہونی چاہیئے زبان کا سیکھنا بات چیت ہی سے مکن ہوتا ہے۔ اس جھجک کو دور کرنے کیلئے دلیری سے کام لیجئے فو ساری شکل آسان ہو جائے گی۔

آجکل زمانہ بدل گیا ہے ہرمت سے غریب اُردو پرے سے ہو رہی ہے اور بقول مسٹر ٹلے۔ این سپرو آئی۔ سی۔ ایس آجکل اُردو پر بہت حملہ ہو رہا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ متحدہ محاذ پیش کیا جائے اگر اجتماعی حیثیت سے اس وقت اعیانہ کے تلے ہوئے پیتروں کا رخ پھیر دیا گیا تو پھر اُردو زبان کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُردو اس وقت ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔ ہم کو ہندی کی ترقی اور عروج ناپسند نہیں ہے لیکن اُسی کے ساتھ اُردو کے ساتھ جو جان بوجھ کر دشمنی کی جا رہی ہے اس سے قلب کو ایک گونہ تکلیف ہوتی ہے اس نازک اور پُر آشوب دور میں محبان ادب اُردو کا یہ ادلیں فرض ہونا چاہیئے کہ وہ مخالفانہ قوتوں کو پوری طاقت کے ساتھ دبا دیں اور ہر اُس کا سننے کی دھم دے کی سعی کریں جو ہماری زبان کی ترقی میں سدراہ بنے اسی سلسلہ میں محسن ادب رائے آنریبل ڈاکٹر سر شیخ بہادر سپرو کی تقریر بھی ملاحظہ ہو جو انھوں نے حال ہی میں کشمیر میں کی تھی :-

سلاہیں کشمیر ممالک متحدہ آگرہ اور دہ۔

”مجھے محنت افشوس کے ساتھ اس امر کا ذکر کرنا پڑتا ہے کہ جہاں ہندوستان میں کئی اور شورشیں بہا ہیں وہاں زبان کا مسئلہ بھی بچ میں گھسیٹ لیا گیا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ میں اردو زبان کا حامی ہوں اور اس ہیرانہ سالی میں بھی میں اگر اردو زبان کی خدمت کر سکوں تو میں اپنے لئے سعادت سمجھوں گا اگر کوئی زبان ایسی ہے جو پٹا در سے لے کر سی۔ پی اور بی۔ ای اور مدراس کے بعض علاقوں میں بھی جاسکتی ہے اور جس کی بدولت ہمیں مائے ملک کے سفر میں آسانی ہو سکتی ہے تو وہ اردو ہی ہے۔

اگر مسلمان یہ دعوے کریں کہ اردو ان کی ایجاد اور ان کی ساختہ پر ختم ہے تو مجھے اس سے قطعی انکار ہے اور اگر ہندو ایسا دعوے کریں تو وہ بھی غلط اس کے بنانے اور ترقی دینے میں دونوں کا برابر حصہ ہے۔ آج کل ہندو اردو سے متنفر ہو رہے ہیں اور مسلمان ہندی سے اسلئے بعض اصحاب ایک نئی زبان ہندوستانی کے رواج دینے پر تے ہوئے ہیں۔ میں نے اسکی اکثر شکایت کی ہے اور اب بھی اسکا اظہار کرتا ہوں کہ اسکے رواج دینے میں ڈاکٹر عبدالحق نے بھی کچھ حصہ لیا ہے۔

ہندوستانی کوئی زبان نہیں اسکا کچھ مطلب نہیں تامل، تیلگو، بنگلہ، گجراتی اور دوسری زبانیں بھی ہندوستانی کہی جاسکتی ہیں۔ اگر ہندوستانی سے وہ زبان مراد ہے جو تیرا، ستودا، غائب اور آتش و ناسخ نے کہی ہے اور جو پچاس برس پہلے یا اس کے بعد دہلی میں بولی جاتی تھی اور گھنٹوں میں رائج ہے اور ہمیں اسکے ماننے میں کوئی تامل نہیں۔ میری ریلے میں صحیح اور فصیح

اُردو وہ ہے جو ڈاکٹر عبدالحق اپنے رسالہ اُردو میں لکھتے ہیں وہ زبان جو
 دہلی اور گھنٹوں کے بازاروں میں بولی جاتی ہے اور جس کا دواغ تعلیم یافتہ
 طبقہ میں ہر جگہ ہے اس میں یکڑوں عربی و فارسی نیز سنسکرت کے لفظ
 شامل ہیں عوام کو اسکا علم بھی نہیں کہ وہ الفاظ عربی فارسی کے ہیں یا
 سنسکرت کے اس لئے اب وہ غیر زبان کے لفظ نہیں رہے بلکہ اُردو کے
 ہو گئے ہیں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ یہ الفاظ جو مدت دراز کے
 استعمال سے اُردو میں جذب ہو گئے ہیں اور اسکا جزو بن گئے ہیں۔
 زبان سے خارج کر دئے جائیں اور ان کے بجائے ایسے لفظ داخل کئے
 جائیں جو سراسر غیر ماؤس ہیں البتہ یہ میں ضرور کہتا ہوں کہ عربی فارسی
 سنسکرت کے ثقیل اور غیر ماؤس الفاظ اُردو زبان میں بلاوجہ نہ ٹھونسے
 جائیں اس سے زبان کی وضاحت میں فرق آتا ہے۔

اُردو ہم ہندو اور مسلمانوں کی وراثت مشترکہ ناقابل تقسیم ہے
 یہ ہمارے اتحاد کی سب سے بڑی یادگار ہے ہم کئی صدی سے یہ زبان
 بولتے چلے آ رہے ہیں میرے باپ اور دادا میرے بچے سب ہی زبان
 بولتے ہیں اور ہم کسی حال سے بھی اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ جو لوگ
 اس میں غیر ماؤس ثقیل سنسکرت الفاظ خواہ مخواہ داخل کرتے ہیں
 وہ زبان کو خراب کرنے کے درپے ہیں جو لوگ مردہ اور ماؤس الفاظ
 کو محال کر بید سے اور نئے الفاظ داخل کرنا چاہتے ہیں انہیں یاد رکھنا
 چاہئے کہ دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں ہے جس کی شہری اور دیہاتی

بول چال میں کوئی فرق نہ ہو یہ ساری خرابی اسوجسکے ہو کہ ہماری زبان کو سیاسی مسئلہ بنالیا گیا ہے زبان کی سیلیڈ اسلی نہیں بن سکتی ہے وہ جماعت قانون ساز ہے زبان ساز نہیں ہو میں اس زبان کیلئے اردو ہی کا لفظ پسند کرتا ہوں جب کوئی میرے سامنے ہندوستانی کا لفظ کہتا ہو تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور محنت صدمہ ہوتا ہے ۛ

اسی سلسلہ میں محسن ادب نے ایک مرتبہ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ —

”مجھے اس موقع پر اپنی الہ آباد کی ایک تقریر کے الفاظ دہرانے پڑتے ہیں کہ اردو زبان ہندوستان کے ہندو اور مسلمانوں کا ایسا مشترکہ ترکہ ہے جو قطعاً ناقابل تقسیم ہے“ اس لئے مسلمان اگر یہ دعوے کریں کہ یہ ان کی زبان ہے تو یہ دعوے ہرگز قابل قبول نہیں یہ ایک مشترکہ ترکہ ہے جو صدیوں سے ہمارے حصہ میں آیا ہے یہ ہماری تہذیب کا خزانہ ہے بحیثیت ہندو ہونے کے مجھے یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ میری مادری زبان اردو ہے۔ اور ہندوستانی کا کیا مطلب ہے؟ میں ڈاکٹر عبدالحق سے پھر سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اسکا مطلب سمجھائیں۔ یہی زبان جسے ہم اردو کہتے ہیں۔ تنہا وسیلہ ہے جس سے ہندو مسلمان ایک دوسرے کی تہذیب کو سمجھ سکتے ہیں یہی ذریعہ ہے جس سے ہندو اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے میرے خیال میں اس سے بڑھ کر کوئی غلطی نہیں ہو سکتی کہ زبان کو مٹانے اور اس رشتہ کو توڑنے کی کوشش کی جائے ۛ

آپ نے محسن ادب کی تقریر سنی ایک ایک حرف صحیح ہے اصل یہ ہے کہ

زبان اردو نے ہندو مسلم اتحاد اور شمالی ہند کے تمدن و تہذیب کے گہوارہ میں پھول پائی اور برادران وطن ہمیشہ اردو کو ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ اور آنے والی نسلوں کا ناقابل تقسیم جائز مشترکہ ترکہ سمجھتے رہے اس جگہ اس سلسلہ میں پنڈت رشنو ناتھ درماہ جموی کے خیالات بھی ملاحظہ کیجئے کہ ۔

”فساد آزادی کے یگانہ روزگار مصنف پنڈت رتن ناتھ سرشار زندہ جاوید شہنشاہ گلزار نسیم کے زوجان شاعر پنڈت دیا شنکر کول نسیم اور پنڈت چکیت اردو زبان کو اگر اپنی زبان نہ سمجھتے تو یقیناً اسکی خاطر لوہو پسینہ ایک نہ کر سکتے ہندو مسلم اتحاد کی برہی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف گلزار نسیم اور رانت کی اندر بھما میں ہندو دیوالا کی فوری مخلوق کو مسلم عقائد کے مطابق ناری مخلوق کے ساتھ عجیب طریقہ پر مخلوط کیا گیا رہبر مطلب راجہ انڈر اور ہریوں سے ہے ہندوؤں میں اندر کے ساتھ ایسراہیں یعنی حمدیں دہستہ ہیں پر یاں نہیں) تو دوسری طرف پنڈت رتن ناتھ سرشار نے مسلم یورپی سوسائٹی کے نوابوں سے لیکر ادنیٰ طبقہ کے مسلمانوں تک تمام رنگ دکھا دیئے۔ دل مازت نہیں دیتا کہ ان ہندو مسلم بزرگوں کی محنت شاقہ یوں برباد ہوئی نظر آئے۔ اور ہم دیکھا کریں اگر میری آوازیں طاقت ہوتی تو ان تمام بھادوں، سوسائٹیوں سے اتنا عرض کئے بغیر نہ رہتا کہ خدا نا اس غریب زبان پر رحم کر جس پر ہندو مسلمان بزرگوں نے عظیم الشان شہنشاہ اکبر کے جذبات قومی کی حکمت علی کو مدت دراز کے بعد سمجھ کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہندو مسلم اتحاد کی بنیاد رکھی“

اس سلسلہ میں ہندوستان وراما کے یہ خیالات بھی ملاحظہ کیجئے کہ ا۔۔۔
 ہندی اور اردو کی ولادت ہند میں ہوئی دونوں ہماریسے وطن کی زبانیں
 ہیں اور ایران و عرب میں پیدا نہ ہوئی صرف ہندوستانی ا۔۔۔ سے بولتے ہیں
 صرف ہندوستانی اسے لکھتے ہیں اس زبان کی بعض ہندو بھائیوں کی طرف
 سے اتنی مخالفت کیوں ہو رہی ہے میں سمجھنے سے قاصر ہوں اسکی کیا وجہ
 ہے کہ بعض تنگ نظر مسلمان بھائیوں نے اسکا اجارہ سے رکھنے کی کوشش
 کی ہے شکیب جس طرح اس قسم کے تنگ نظر ہندو ہندی زبان سے کر رہے
 ہیں اس بڑھتی ہوئی اجنبیت بلکہ مخالفت میں بعض اُن ہندوؤں اور مسلمانوں
 کو میں بری الذمہ نہیں کر سکتا جن کی مدد گاہ وسعت کا پہلو نہیں رکھتی جیسے
 وہ متعصب ہیں اور قوم کے دشمن بھی ان اصحاب کی شناخت یہ ہے کہ کئے
 دن مشکل سے مشکل اور غیر قدرتی ہندی اور اردو ترکیبوں کو تشکیل دے رہے
 ہیں میری ہمدردانہ نصیحت ان پیارے ہم وطنوں کو ہے کہ اس کوشش
 کو خیر باد کہیں حقیقت تو یہ ہے کہ مشکل قلیل اور نا آشنا ترکیبیں ہندی اور
 اردو کی خوبصورتی کو خاک میں ملا دیں گی۔ اپنی قومی زبان کی مٹھاس، رطانی
 حسن، سامع نوازی، ہر قسم مختصر اس کی زندگی کو برباد نہ ہونے دیجئے۔ ان
 بڑا دران وطن کو میری نصیحت کڑوی معلوم ہوگی سچائی تلخ ہوا کرتی ہے
 اور اسے علانیہ بیان کرنا تلخ تر لیکن مجھے امید ہے کہ صحیح الدماغ اور قوم
 پرست ہندو مسلم بھائی میری اس التجا کو ہمدردانہ نگاہ سے دیکھیں گے
 کیونکہ یہ ایک درد بھرے دل کی پکار ہے۔ ہندی اور اردو کو اپنے قدرتی

دور سے گزرنے دو تھیں عرض کرتا ہوں کہ چند تنگ نظر مسلمان اردو زبان کو جھگڑا مشکل اور غیر قدرتی بنا کر اسکا اجارہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی قدر ہندو زاویہ نگاہ اس سے بدظن ہوتا جائے گا اور اس تنگ نظر ہندو طبقہ کو جسکا ذکر ابھی کر چکا ہوں۔ ایسی چیز ملتی رہے گی جس سے وہ ہندو اکثریت کے دلوں کو اردو کے غلط فہم سمجھ کر سکے گا۔ اس طرح مشکل ہندی یعنی ہندی ناسنسکرت کا زہر آلود اثر مسلمانوں پر ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح مسلم عوام کو ہندی سے قطعی نفرت ہو جائے اس حفاظت اور نفرت کی دودھاری تلوار سے قومیت ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ فرقہ دارانہ خاصیت جسکے تباہ کرنے کی کوشش ہر ہندوستانی کا فرض اولین ہے غیر قدرتی زبان سے بنی ہو جائے گی اور ہماری پیاری زبان بچی اس ادبی مجاہدہ کے ذریعے ایک ایسی صورت پیدا کرے گی جس سے متحدہ قومیت کا پیدا ہونا دشوار ہو جائے گا۔ میں اپنے ہندو بھائیوں کو محسوس کرانا چاہتا ہوں کہ اردو زبان ایک مشترکہ قومی زبان ہے جس کی بنیاد ہندی پر ہے اور اسکے زیر اثر ہندو مسلم اور شمالی ہند کے ہندو ہیں جیسے ہندی زبان ہندوستان کے بعض صوبوں میں یقیناً قومی زبان ہے۔

محسن ادب اور ہندوستان در راہ کی تقریروں نے میرا کام بہت ہلکا کر دیا جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا وہ سب کچھ لکھی ہوئی بہت نیراز تقریروں میں ہو جوسے دیکھنا یہ ہے کہ اردو کی جان داران آئے دن کے حلوں سے کس طرح بچ سکتی ہے۔

ہندوستان میں اردو کی حیثیت اسٹریٹ لال شاگر میرٹھی سابق ایڈیٹر

ادیب (الہ آباد) کا ارشاد ہے کہ :-

”اُردو کے مقلق ہرگز یہ کہہ نہیں جاسکتا کہ یہ مسلمان کی زبان ہے ہاں صرف اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی دور حکومت میں اُردو زبان نے ترقی کی لیکن اسکو خالص مسلمانی زبان کہنا غلط ہے حیدرآباد سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں اُردو کے پورے وچین شعراء کا ذکر ہے اس کتاب کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ زبان اُردو کی ترقی میں نہ صرف ہندو اور مسلمانوں ہی کا ہاتھ ہے بلکہ اس کی ترقی میں پورے وچین اور فرانسیسی شعر طے اُردو کا بھی ہاتھ ہے اُردو زبان میں اس قدر ہمہ گیری ہے کہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں چلے جائیے آپ کو اُردو شعراء ضرور ملیں گے لیکن اسکے مقابلہ میں ہندی کا کوئی شاعر نہیں ملے گا۔ اسی طرح دیں پر آپ کو ہندوستان کے کسی صوبہ کی زبان کے ساتھ ساتھ اُردو زبان بھی لکھی ہوئی ملے گی۔ بنگال میں بنگلہ پر بنگالی کے ساتھ اُردو ملے گی لہذا ماننا پڑے گا کہ حکومت ہند بھی اُردو کو ہندوستان کی زبان مانتی ہے۔ اسی طرح سکھ راج الوقت پر دیکھ سہجئے چوٹی، اٹھتی، روپیہ اور نہ سب پر آپ کو اُردو ملے گی حالانکہ چوٹی پر ہمیں ہندی نہیں ہوتی اس حقیقت سے بھی آپ یہ دیکھیں گے کہ حکومت خود جانتی ہے کہ ہندوستان کی زبان اُردو ہی ہے اس قدر ہمہ گیری حاصل ہونے کے بعد بلا اُردو زبان ہندوستان سے کیسے مل سکتی ہے؟ اور اسے کون

مٹا سکتا ہے؟“

صاحب شہادت دیو پرنسپل - پنڈت جی کا صداقت نامہ بھی ملاحظہ کیجئے

دراگھڑوں کے دھبٹوں نے دشمن بن کر نہیں بلکہ دوست بن کر ہندی اردو کے سوال کو اٹھایا ہے۔ اردو زبان اس ملک کی ماورسی اور ملکی زبان ہے جس کے تحفظ کے لئے سب کو کوشش کرنا چاہئے تاکہ وطن آزاد ہو اور وطن والے آزاد ہوں جو زبان بلا اختلاف اس ملک میں رائج ہوگی وہ اردو ہے۔

پنڈت کشن پرشاد کوں ممبر سرورنٹ آف انڈیا سوسائٹی | پنڈت جی نے
فسر یا ہے کہ :-

”اردو زبان مسلمانوں کی زبان ہے اور نہ ہندوؤں کی بلکہ دونوں کے اختلاط اور میل جول سے پیدا ہوئی اور اس کی آبیاری میں دونوں نے اپنے خون پانی کیلئے۔ میری ماورسی زبان اردو ہے اور میری تمام قوم (جسے کشمیری پنڈت کہا جاتا ہے) کی پیدائشی زبان بھی یہی ہے ہمارے گھروں میں ستوریت بھی یہی زبان بولتی ہیں جو اس وقت میں بول رہا ہوں ممکن ہے کچھ ہندو دیکھیں بھی ہوں جن کے یہاں یہ زبان نہ بولی جاتی ہو لیکن میں یہ عرض کروں گا کہ ہمارے یہاں کی قوانین جب دوسری برادری کی ہندو قوانین سے ملتی جلتی ہیں تو وہ اپنے مفہوم اور مطلب کو اسی زبان میں ادا کرتی ہیں اور تمام ہندو عورتیں اس کو بخوبی سمجھ لیتی ہیں۔“

راجہ نریندر ناتھ رئیس عظیم پنجاب | راجہ صاحب کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو :-
 وہ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ اردو ہندوستان کی مشترک زبان ہے

میرے اپنے گھر کی زبان فارسی اردو ہے۔
مسٹر نیل فیڈرٹن کنٹرولر برائو کا سٹینڈنگ نوٹ | میں نے ایک

سوال میں ریڈیوسنسنے والوں سے یہ دریافت کیا تھا کہ اگر مرہٹی زبان میں تقریریں
 لے بیٹی کے ریڈیو اسٹیشن سے سترہ ہزار ریڈیوسنسنے والوں کے پاس چند سوالات بھیجے،
 گئے تھے ان سوالات میں سے تین سوالوں کا تعلق زبان سے تھا یعنی ریڈیوسنسنے والوں سے
 یہ پوچھا گیا تھا کہ ان کی مادری زبان کیا ہے؟ وہ کس زبان میں ریڈیو کی تقریریں سننا چاہتے
 ہیں اور انہیں گانوں اور ڈراموں کے لیے کونسی زبان پسند ہے؟ ریڈیو والوں کو ان سوالوں
 کے جواب سات ہزار آدمیوں کی طرف سے موصول ہوئے۔ ان سات ہزار جوابوں سے جہاں
 حیرت انگیز حقیقت کا اظہار ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بیٹی جیسے صوبہ میں رہنے کے باوجود جہاں
 کہ مقامی زبان مرہٹی اور گجراتی ہے اکثر لوگوں نے اردو زبان میں ریڈیو سننا پسند کیا اسی
 قسم کے سوالات بیٹی کے علاوہ بنگال، مدراس اور دہلی کے ریڈیو اسٹیشن نے بھی اپنے
 اپنے موصول ہونے کیے ہیں وہاں جو جوابات موصول ہوئے ان میں سنسنے والوں کی اکثریت نے
 اردو زبان ہی کو ترجیح دی ہے۔

اب آئیے اس زبان کے سوال کے سلسلہ میں ایک قدم اور آگے بڑھائیں۔ سوال
 نامہ میں ایک سوال یہ بھی کیا گیا تھا کہ کلکتہ دھلی اور مدراس کی نشر گاہوں میں لوگ کس زبان
 میں نشر چاہتے ہیں؟ اس کے جواب میں دھلی کے متعلق تو چار ہزار سنسنے والوں نے یہ جواب
 دیا کہ وہ ہندوستانی زبان میں نشر چاہتے ہیں۔ اور سترہ سو نے انگریزی کے حق میں اے
 دھلی کلکتہ کی نشر گاہ کے متعلق ساڑھے تین ہزار نے ہندوستانی سترہ سو نے انگریزی اور
 چار سو نے مائل اور صرف دو سو نے تلنگی کے حق میں رائے دی۔

اب غور کیجئے کہ ان تین سوالات کے جواب کس قدر دلچسپ ہیں، اول تو دیکھئے کہ
 اردو ہی زبان کے سوال پر کس قدر اختلاف رائے ہے۔ دوسرے یہ کہ نشر و اشاعت کیلئے

بندر دی جائیں تو آپ کو افسوس تو نہ ہو گا۔ اس سوال کے جو جواب جھکو موصول ہوئے ہیں، ان کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اس لیے کہ اٹھارہ سو سینے والوں نے اس سوال کے حق میں رائے دی مگر ۳۳ سینے والے ان کے خلاف نکلے۔ ان جو اباً کا نتیجہ یہ ہے کہ گویا ہم جب مرہٹی زبان میں تقریر کرتے ہیں تو اپنے سینے والوں میں تو صرف ایک چوتھائی کو خوش کرتے ہیں اور آدمے سے زیادہ کو ناخوش۔

بقیہ ماشیہ صفحہ ۱۴۶۔ سب سے آگے ہندوستانی اور انگریزی ہے اور تیسرے یہ کہ دوسری نشر گاہوں (ریڈیو اسٹیشن) پر بھی صوبائی زبان کے مقابلہ میں ہندوستانی زبان کی مانگ کتنی زیادہ ہے۔

زبان کے سوال پر دریافت کیا گیا تھا کہ عام طور پر لوگ ہندوستانی "پکا"، گانا سننا چاہتے ہیں یا انگریزی موسیقی یا "پلٹا ہوا" ہندوستانی گانا؟ اس سوال کے گیارہ ہزار جوابوں میں چار ہزار آٹھ سو نے چلتے ہوئے ہندوستانی گانے کے حق میں رائے دی۔ تین ہزار نو سو نے پکے گانے کی تائید کی اور دو ہزار ایک سو نے یورپین موسیقی کے حق میں رائے دی۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ گویا دو گھنٹہ عام ہندوستانی گانا، ۸ منٹ پکا گانا اور ۵ منٹ یورپین موسیقی کو نشر ہونا چاہیے۔ عموماً آجکل آل انڈیا ریڈیو کا پروگرام اس کے قریب قریب ہوتا ہے۔ لیکن اگر مذاق کی تسکین کا خیال رکھیں تو ڈرامہ کا سوال سب سے مشکل ہے، ہندوستانی زبان کے ڈرامے سب سے زیادہ ہوتے ہیں، تین ہزار سینے والے اس کو سب سے زیادہ پسند کرتے ہیں، اس کے بعد مرہٹی زبان کے ڈرامے پسند کیے جاتے ہیں، ان کے حق میں دو ہزار تین سو دو ٹولے اور انگریزی سب سے آخر میں ہے اس کے لیے صرف ایک سو تیس دو ٹولے آئے۔

صوبہ بھٹی میں ہیں نے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ سننے والے کس زبان کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں اس سوال کے جوابات مجھے موصول ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکثریت گجراتی زبان کے حق میں ہے جو بات دینے والوں میں سے ڈھائی ہزار نے گجراتی کو ایک سو پچاس نے مرہٹی کو، ایک ہزار دو سو نے ہندوستانی کو آٹھ سو پچاس نے انگریزی کو نشر نے کٹری کو۔ انتالیس نے کوئٹہ کو اپنی مادری زبان قرار دیا مگر جب انہی لوگوں سے یہ پوچھا گیا کہ تقریریں کس زبان میں نشر کی جائیں تو مجھے یہ معلوم کر کے بے انتہا حیرت ہوئی کہ ڈھائی ہزار سننے والوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ تقریریں ہندوستانی زبان میں نشر کی جائیں اور ڈھائی ہزار ہی نے انگریزی زبان کے حق میں رائے دی۔ صرف ستر سو ایسے تھے جنہوں نے مرہٹی میں اور پندرہ سو ایسے تھے جنہوں نے گجراتی میں تقریریں سننے کی خواہش کی اور کوئٹہ کی طرف دار تو مشرق بارہ ہی تھے۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ بہت سے وہ سننے والے بھی جنکی مادری زبان مرہٹی یا گجراتی ہے، انگریزی یا ہندوستانی زبان میں ریڈیو سننے کو پسند کرتے ہیں۔

آنریمیل سر سکندر حیات خاں کی تجویز اس سلسلہ میں آپ وزیراعظم پنجاب کا فیصلہ بھی سنیے۔

”تمام حاکم قوین اپنے محکموں کو اپنی زبان قبول کرنے پر مجبور کیا کرتی ہیں لیکن مسلمانوں نے ہندوستان میں اگر فارسی کو چھوڑ دیا اور ہندی و فارسی کو مخلوط کر کے ایک نئی زبان رائج کر دی جسے اردو کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مغلوں اور ہندوستانیوں کے درمیان یہ ایک قسم کی مفاہمت تھی

جس میں اساسی اعتبار سے زبان تو ہندوستان کی رہی لیکن رسم الخط فارسی کا
 اختیار کیا گیا چنانچہ اردو کے افعال و حروف تقریباً ہر جہاں سے لیے گئے
 اور اس میں بعض فارسی کے الفاظ شامل کر لیے گئے۔ جو علی العموم گفتگو میں رائج
 ہو چکے ہیں اور جنہیں تمام ہندوستانی بخوبی سمجھتے ہیں ان حالات کے پیش نظر
 یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملاپ کی اگر کوئی زندہ اور محسوس
 یادگار اس ملک میں موجود ہے تو وہ صرف اردو ہے۔ اس لیے تمام عربوں کی
 حکومتوں کا فرض ہے کہ اس زبان کو تقویت پہنچا کر قومیت متحدہ کے نصب العین
 کی ترقی کا باعث بنیں۔ اگر مسٹر گاندھی اور کانگریس اردو زبان کو قومی زبان تسلیم
 کر لیں اور اس کی فوٹو پرتو جہات مذکورہ کر دیں تو وہ حصول آزادی کی جدوجہد
 میں کامیابی کے میدان میں بہت آگے بڑھ جائیں گے واقعہ یہ ہے کہ اگر کانگریس
 پورے طور پر ماس کنٹیکٹ کے پروگرام کو چلانا چاہتی ہے تو اسے اردو سے کام
 لینا ہوگا۔ یہ ایک قابل لحاظ واقعہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم قرائد و اؤں نے
 اردو کی خاطر خود اپنی زبان کو قربان کر دیا تھا اور اسی طرح تمام حلقوں کے

درمیاں بگاڑت سی پیدا کر دی تھی ۛ

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی شہادت۔ ہندو مسلمانوں دونوں سے الگ
 سات سمندر کے ایک بے لاگ ناقد کی شہادت ملاحظہ کیجئے۔

”اردو کا یوں شدید طور پر فارسییت آمیز ہو جانا ایرانی اثر سے زیادہ ہندی
 اثر سے تھا۔ اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے اسلامی تھی تاہم اس میں فارسی
 عنصر کو کثرت سے داخل کر کے واسطے ان ایرانیوں یا ایرانی نژاد لوگوں سے

زیادہ دہ ہندو عمال تھے جو حکومت مغلیہ میں ملازم اور فارسی داں تھے۔ کیونکہ وہ ایرانی و منسل صدیوں سے اپنے علم و ادب کے لیے صرف اپنی ہی فابری استعمال کرتے آئے تھے۔ ملاحظہ ہوا انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۵۰، جلد ۱۱

۱۹۱۹ء کا جدید انڈیشن (گھان)

سامن کمیشن کی شہادت ہندوستان کے باشندوں کی سب سے بڑی تعداد ہندوستانی زبان بولتی ہے (روداد اردو کانفرنس علیگڑھ ۱۹۳۶ء صفحہ ۵۳) (نواب ہندی یا جنگ بہادر)

جواہر لال نہرو کی شہادت۔ انڈین نیشنل کانگریس کے محبوب لیڈر مسٹر جواہر لال نہرو آبادی نے اپنی سوانح عمری میں ہندوستانی کے متعلق حسب ذیل رائے کا اظہار کیا ہے:-

”جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے مجھے صحیح اعداد و یا رہنیں پڑے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس زبان کی مختلف بولیوں کے بولنے والوں کی تعداد کم از کم سے کم نہیں اس کے علاوہ اس کے سمجھنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد اور ہے جو پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے ظاہر ہے کہ اس قسم کی زبان کی ترقی کے لیے بڑے امکانات ہیں یہ سنسکرت زبان کی مستحکم بنیادوں پر قائم ہو اور فارسی زبان سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ چنانچہ دونوں زبانوں کے خزانوں سے یہ الامال ہو سکتی ہے (جواہر لال نہرو در سیرۃ) صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۰ دوسرا

انڈیشن (اردو ترجمہ)

پروفیسر ضامن علی کی رپورٹ۔ ۱۹۲۴ء میں ہندوستانی اکادمی کی ایات

پروفیسر ضامن علی صاحب نے اردو کتابوں کی پبلیکیشن کی مخفروں و دوا شائع کی ہے اس میں باجمال سترہ ہزار نو سو ستانوے کتابوں کا شمار ظاہر کیا ہے۔ اس تحقیقات پر بھی بارہ برس گزر گئے ہیں اور عجب نہیں کہ اب یہ تعداد پچیس ہزار تک پہنچ گئی ہو۔ پروفیسر سجاد مرزا بیگ مرحوم کی الفہرست کے اندراجات کے دو سے سولہ برس پہلے ان کے علم میں ہر علم و فن کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد یہ تھی:-

(۱) ادبیات	۲۹۰	(۵) ادبیات	۲۰۴۴
(۲) علوم	۱۹۰۴	(۶) متفرقات	۴۲۵
(۳) تواریخ	۶۶۰	(۷) تعلیم نسواں	۱۵۹
(۴) سوانح	۷۵۳	(۸) فن تعلیم	۲۶
میزان کل ۶۲۶۶			

ان فہرستوں سے مجھ کو اتفاق کلی نہیں ہے کیونکہ وہ ایک فرد و احد کی تنہا کوشش کا نتیجہ تھیں میرے خیال میں اردو کتابیں اس سے کہیں زیادہ ہیں یہ ممکن ہے کہ اچھی اور قابل ذکر کتابوں کی تعداد پروفیسر سجاد مرزا بیگ کے خیال میں ۶۲۶۶ ہی ہو۔ بہر حال پروفیسر ضامن علی کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے کہ سرسریہ تو ہوا۔ انھوں نے خادمان ادب کے لیے جدید راہیں یقیناً کھول دی ہیں۔

ملکی زبان کو منشی ہے۔ ڈاکٹر گستاوی بان ایک فرانسیسی محقق ہندوستانی زبانوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

در مختلف محاوروں کو چھوڑ کر ہندوستان میں آریا طبقہ کی تقریباً سولہ زبانیں ہیں۔ ان میں ہندوستانی (اردو) وہ زبان ہے جس کا سیکھنا نہایت

ضروری ہے، یہ گویا ملک کی دولتی زبان ہے۔ اسی میں بہت کچھ خط و کتابت ہوتی ہے اور اخبارات و رسائل چھپتے ہیں۔ غرض کہ جن اشخاص کو ہند کے لوگوں سے کام پڑتا ہے ان کو اردو کا جاننا لازمی ہے یہ زبان باوجود ملک میں عام ہونے کے ایک بالکل جدید زبان ہندی فارسی اور عربی سے مشتق ہے اور عموماً یہ فارسی حروف میں لکھی جاتی ہے، یہ زبان زیادہ تر اردو کے نام سے مشہور ہے“

موصوف نے اپنی کتاب میں ہوشیار کے قریب شائع ہوئی، مختلف زبان کے بولنے والوں کا بہت تفقیش و تحقیق کے بعد ایک نقشہ پیش کیا ہے۔

نام زبان	بولنے والوں کی تعداد	نام زبان	بولنے والوں کی تعداد
اردو	۸ کروڑ ۲۵ لاکھ	بنگالی	۳ کروڑ ۹۰ لاکھ
تلنگی	۱ کروڑ ۷۰ لاکھ	مرہٹی	۱۱ کروڑ ۷۰ لاکھ
پنجابی	۱ کروڑ ۶۰ لاکھ	تامل	۱ کروڑ ۳۰ لاکھ
گجراتی	۹۵ لاکھ	کنڑی	۵۰ لاکھ
اڈیا	۷۰ لاکھ	مالیالم	۵۰ لاکھ
سندھی	۳۰ لاکھ	ہندی	۳۰ لاکھ

انڈین نیشنل کانگریس نے بھی اپنے قانون کی دفعہ ۴ کے ماتحت ضروری تحقیق کے بعد مختلف زبانوں کے متعلق ایک نقشہ ملک کے روبرو پیش کیا تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو زبان عمومی حیثیت سے کہاں کہاں بولی جاتی ہے۔ کانگریس کا نقشہ ملا دوسرے صفحہ پر ملاحظہ ہو

۱۵۱
نقشہ کانگریس

نام مقام	نام زبان	نام مقام	نام زبان	نام مقام	نام زبان
۱ اجیر مارواڑ	اُردو	اندھیرا	تلیگ	آسام	آسامی
۲ بہار	اُردو	بنگال	بنگالی	برار	مرہٹی
بہلی	مرہٹی گجراتی	برما	برمی	ناگپور	مرہٹی
۳ دھیلی	اُردو	گجرات	گجراتی	کرناٹک	کناری
کرالا	ملیالم	صوبہ قوسط	اُردو (۵)	ہمارا شتر	مرہٹی
۴ شرحد	اُردو	پنجاب	اُردو (۶)	سندھ	سندھی
تامل ناڈ	تامل	صوبہ آگرہ	اُردو (۷)	اڑیسہ	اڑیا

اس کے بعد کانگریس نے بیان کیا ہے کہ اندھیرا و تلیگوں میں ۲۰ فیصدی اُردو بولی جاتی ہے۔ بنگال و بہار میں تقریباً ہر شخص سمجھتا ہے۔ ان تینوں مقامات پر ۹۰ فیصدی اُردو سمجھی جاتی ہے، گجرات و کرناٹک میں لوگ ۵۰ فیصدی اُردو سمجھتے ہیں، سندھ میں پچاس فیصدی لوگ اُردو سے واقف ہیں تامل ناڈا اور اڑیسہ میں ۲۵ فیصدی اُردو جاننے والے ہیں۔

کانگریس تحقیقات کا خلاصہ | کانگریس کے اس نقشہ کے بموجب زبان کے لحاظ سے ملک کے ۲۱ حصہ ہیں ان میں سے، حصوں کی زبان اُردو تسلیم کر لی گئی ہے حالانکہ مندرجہ صدر تمام مقامات پر اُردو سمجھی ضرور جاتی ہے۔

۱۹۳۰ء میں ہندوستان کی آبادی ۳۵ کروڑ تھی لیکن آج ۱۹۳۹ء میں، ہندوستان کی آبادی ۳۸ کروڑ سے کم نہ ہوگی اسی کی رو سے کانگریس کے مجوزہ سات علاقوں کی آبادی یہ ہوگی :-

اجیر مارداڑ -	ہمارا ڈبہ -	صوبہ دھلی -	سرحد -	صوبہ متوسط
۲ کروڑ ۸۰ لاکھ -	۴ کروڑ ۲۵ لاکھ -	۱۰ لاکھ -	۵۰ لاکھ -	۲ کروڑ -
پنجاب -	۲ کروڑ ۲۵ لاکھ	آگرہ متحدہ - ۵ کروڑ ۳ لاکھ		

گویا کانگریس کے سرکاری نقشہ کے رو سے سترہ کروڑ ۲۰ لاکھ آدمی اردو زبان جانتے ہیں اگرچہ ملک کی اکثریت اس تحقیقات پر پیشہ کی ترقی کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان ایک مخصوص تعداد کو چھوڑ کر سارا ہندوستان سمجھتا ہے۔

اخبارات و رسائل میں اردو کا حصہ اذیل کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے جو اخبارات و رسائل کی تعداد بتائے گا اور یہ کہ کس زبان کی اشاعت سب سے زیادہ ہے۔

نام زبان	تعداد اخبارات و رسائل	روزانہ	ہفتہ وار	ماہانہ و سالانہ
تیلیگو	۱۰۸	۲	۲۵	۸۱
آسامی	۱۰	۰	۲	۸
بنگالی	۲۳۸	۸	۱۲۲	۱۰۸
گجراتی	۲۴۱	۱۸	۶۵	۱۵۸
گودریکھی	۴۱	۳	۱۵	۲۳
ہندی	۴۱۰	۳۰	۱۰۶	۲۹۴
کناری	۸۹	۱۱	۲۹	۴۹
مالیالم	۸۰	۳	۱۴	۴۳

لے میرا خیال ہو کہ یہ فہرست مکمل نہیں ہو اردو کے رسائل و اخبارات بہت زیادہ تعداد میں نکلتے ہیں اور روزانہ درجنوں درجنوں کے ہیں اضافہ ہونا چاہیے۔

۳۸	۱۴	۴	۵۶	اُڑیا
۱۶۳	۶۸	۱۳	۲۵۴	مرہٹی
۳۱	۴۷	۱۱	۸۹	سندھی
۱۰۹	۳۴	۱۰	۵۳	تامل
۴۱۳	۳۴۲	۵۷	۸۱۲	اُردو

تینوں شہادتوں کا نتیجہ۔ ان مذکورہ بالا شہادتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مشہور محقق و مستند فرانسیسی کے نقشہ سے انڈین نیشنل کانگریس کے فیصلہ سے اور اخبارات کی تعداد سے ثابت ہو گیا کہ ہندوستان کی تمام دیہی زبانوں میں عام ملکی زبان ہونے کا شرف ہرچیت سے اردو زبان کو حاصل ہے لیکن داستان میں پر ختم نہیں ہوتی۔ ذرا ہندوستان کے باہر کے حالات پر بھی نظر ڈالنا چاہیے۔

بیروں ہند کا نقشہ۔ ہندوستان کے باہر دو بولنے والوں کی تعداد حسب ذیل ہے

نام مقامات	اردو بولنے والے سمجھنے والے انکشافات
کابل و ایران مع علاقہ غیر	ایک کروڑ
گلگت، بلخ، بخارا، قفقز وغیرہ	پچاس لاکھ
تمام عربستان مع عدن	ایک کروڑ
ریجنیہ سیلون، افریقہ	پچیس لاکھ
تمام یورپ و امریکہ	بیس لاکھ
مختلف ممالک	پندرہ لاکھ
	میزان۔ تین کروڑ دس لاکھ

مذکورہ بالا مقامات میں گلگت، بلتچ، چٹار اور شبن وغیرہ میں اردو کے
مکاتب قائم ہیں، زنجبار، سیلون، جاپان اور افریقہ میں بعض بعض جگہ اردو پڑھا
جاتی ہے اور یورپین ممالک میں بے شمار ایسے اشخاص ہیں جو اردو جانتے اور
سمجھتے ہیں علاوہ بریں ہندوستانی بہ تعداد کثیر ان مقامات میں آباد ہیں۔

غیر ممالک میں اردو کے اثر کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔ جوہا را پرل ۱۹۳۴ء
کو لکھنؤ کے مشہور انگریزی اخبار پائیر میں شائع ہوئی ہے :-

دولندن میں ایک انگریز ادرا ایک ڈچ (باشندہ ہالینڈ) سے ایک اہم
کاروبار طے کرنے کے سلسلہ میں ملاقات ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کے
زبان سے نا آشنا تھے اور انگریز کو چونکہ یہ خیال تھا کہ ڈچ کو انگریزی زبان
آنی ہوگی، اس لیے کسی ترجمان کا بھی انتظام نہ تھا جب ڈچ نے اٹھ کر
جانے کا ارادہ کیا تو آخر میں انگریز کو خیال آیا کہ لاؤ ہندوستانی زبان کی
آزمائش کر لیں اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ ڈچ اس زبان کو سمجھ گیا اور
معاملت انجام پا گئی ۱۱

اردو کی ہمہ گیری کی یہ بڑی دلیل ہے کہ یہ ہندوستان ہی میں پیدا ہوئی
اور یہیں بلی بڑھی اس کے پردان چڑھانے والے بھی سب ہندوستانی ہیں۔ نہایت
رتن ناتھ سرشار، برج نرائن چکبست، سورج نرائن تہریشی نو لکشور اور منشی
برہم چند سے لیکر سر سید اعظم، محمد الملک، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، استاد الاسانڈ
علامہ ذرا محسن تہریشی، امیر احمد علوی، خواجہ حسن نظامی، مولانا طغر الملک علوی، مولانا
نیا زنجپوری اور درائے صاحب منشی دیا نرائن نگم نے یکساں طور پر اس کی تربیت

کی ہے، نہ صرف یہاں بلکہ غیر ممالک میں بھی اس کو ہندوستان کی واحد زبان تسلیم کیا گیا ہے سینٹ پیٹرس برگ گزٹ میں مندرجہ ذیل مضمون شائع ہوا ہے۔

دوسرا ایشیا میں روسی تجارت کی آئندہ ترقی کے معاملہ میں اردو زبان کو،

تعمیم سے دخل ہے اور یہ ایک ایسی زبان ہے جسے ملکی فوائد کے لیے

حاصل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس زبان کی تعلیم کو ہر ایک صورت

سے ترقی دینے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور اگر اسے لازمی نہ قرار دیا جائے

تو پھر بھی وسط ایشیا کے امیدواران ملازمت کے لیے اس کا جاننا ضروری

ہونا چاہیے چونکہ ایشیا میں سمرقند سے لیکر آفریقہ میں زنجبار تک زبان مذکور

کے بولنے والے پائے جاتے ہیں سرکاری خرچ سے اس زبان کی تعلیم کیلئے

مدارس قائم ہونا چاہئیں۔ جہاں کے کامیاب طلباء کو آئندہ زیادہ ملازمت میں

وسط ایشیا کی اقوام اور لوگوں سے گفتگو اور بات چیت کرنے میں سہولت

ہوگی۔ چینی زبان کے بعد اردو زبان ہے جو دنیا کے بہت بڑے حصہ میں بولی

جاتی ہے۔ اور سرحد ترکستان سے آفریقہ تک بھی زبان محال مشکلات فیصل

کی جاتی ہے۔ اگر جرمن صرف ذاتی اغراض سے ہندوستانی زبان کی تحقیق

کو لازمی سمجھتا ہے تو روسی عہدہ داروں کے لیے زبان مذکور کی تعلیم کتنی کچھ

ضروری نہ ہوگی جو ہائے ایشیائی مقبوضات اور ہندو کش کے ان دروں

میں جو پنجاب کو جاتے ہیں بولی جاتی ہے۔ تمام روسی یونیورسٹیوں میں مکمل روسی

کالجز اور وسط ایشیا کے خاص مدارس میں ادنیٰ و اعلیٰ سب طالب علموں

کے لیے ہندوستانی زبان اردو کا پڑھنا لازمی ہونا چاہیے۔“

یہ ۱۸۹۹ء کی حالت تھی اب ۴۰ سال میں دنیا بہت آگے ہو گئی اور آج اردو کی تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ جاپان۔ افغانستان۔ عرب۔ بنگلہ دیش اور انگلستان کی اکثر یونیورسٹیوں میں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بکھڑے ہمالیے ملک میں بھی جملہ درس گاہوں میں ہندوستانی نوذریہ تعلیم تسلیم کر لیا گیا ہے۔

رسم الخط اردو کی لسانی وسعت ملاحظہ فرمانے کے بعد اب در رسم الخط پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیجئے تمام دنیا کی آبادی تقریباً پونے دو ارب ہے اور اس میں مسلمانوں کی تعداد ۴۵ کروڑ ہے جن کا رسم الخط اردو سے مشابہ ہے۔ افغانستان۔ ایران۔ عربستان۔ اور تمام چینی مسلمانوں کا مذہبی رسم خط اردو کے مماثل ہے۔ اب اگر اس میں ہندوستان اور باقی دنیا کی وہ غیر مسلم آبادی بھی شامل کر لی جائے جو اردو رسم خط لکھنا جانتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ دنیا کے کم سے کم پچاس ساٹھ کروڑ انسان اردو رسم الخط سے واقف ہیں اور ۳۵،۳۰ کروڑ انسان اس زبان کو سمجھتے ہیں۔ ان حالات پر غور فرمائیے کہ اگر آج ہندوستان کو حکومت خود اختیاری حاصل ہو جائے تو اس کے لیے ہندی رسم الخط زیادہ مفید ہو سکتا ہے یا اردو؟ غیر مالک کی مراسلت کے لیے ہندی رسم الخط زیادہ بہتر ثابت ہو سکتا ہے یا اردو؟ میرے خیال میں اردو ہی مفید ہو سکتی ہو۔ یہی سلسلہ اس ہوبہ کو ایک ہزار برس پیش رو مشر سپور ناند کے خیالات کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں ضرورت ہے کہ یہی خواہاں ادب اردو کو ہمارے موہتہ اگر وہ کہلاتی ہو تعلیم کے گراں بہا خیالات سے بھی کافی فائدہ ٹھکانا چاہیے۔

”کوئی بھی ملک ہو اس کی قومی زبان تو وہی زبان ہو سکتی ہے جس کو دہانک

زیادہ تر رہنے والے سمجھتے اور بولتے ہوں۔ اسی زبان کو ملک کی سرکاری اور عدالتی زبان ہونے کا بھی حق ہے۔ مگر کبھی کبھی حکومتیں اس قدر حق کو ٹھکرا کر کسی دوسری زبان کو یہ درجہ بخش دیا کرتی ہیں بلکہ یہ بھی ایسا کرتی ہیں کہ ان کی سرکاری زبان ملک کی قومی زبان بن جائیگی اس کی مثالیں ہمارے ملک کی تاریخ سے بھی مل سکتی ہیں۔ ہماری ملکی زبانوں میں ہندوستانی جس سے میری مراد اس زبان سے ہے جسے اترسی ہندوستان یعنی صلی سے بڑے اور دکن میں جبل پور تک پڑے لکھے آدمی بولتے ہیں) قومی زبان ہو سکتی ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ زبان آپ ہی آپ قومی زبان بن گئی ہے اس کو قومی زبان بنانے کی کچھ کوشش ضرور ہوئی ہے۔ ریاست حیدر آباد نے ایسی سلسلہ میں نمایاں خدمت کی ہے مگر دراصل یہ زبان کچھ تو اپنی خوبیوں اور کچھ تاریخی واقعوں کی بدولت ہی اس درجہ پر پہنچ گئی۔ بڑے بڑے فقروں اور شاعروں مثلاً چندر داسی۔ کبیر۔ سور۔ تلسی۔ ددایٹی۔ کیشو۔ ملک۔ محمد جالسی۔ رحیم۔ بھوشن۔ سکھان۔ نانک۔ پدماکر۔ آتش۔ میر۔ ذوق۔ غالب۔ سودا۔ داغ۔ ہرچندر۔ نسیم۔ وغیرہ نے اپنے خیالات کا اس کے ہی ذریعہ اظہار کیا اس خط میں ہندوؤں کے بڑے بڑے تیرتھ ہیں لہذا لاکھوں آدمی ہر سال یہاں آتے ہیں اور کچھ نہ کچھ یہاں کی زبان اپنے ساتھ ملک کے کونے کونے تک لے جاتے ہیں یہی وجہ ہے آج ہزاروں برس سے شہنشاہیت کا مرکز رہا ہے۔ اس نے مورتیاں اور چہرہ گہشت اور ہر شہر و دھن۔ پٹھان اور غل سلطنتوں کا عروج و زوال

دیکھا ہے یہی وہ کھنڈر ہیں جو پاٹلوں کی شان و شوکت کی شہادت دیتے ہیں
یہی دہلی اور آگرہ کے قلعے ہندوستان کی اس عظمت کی یاد دلاتے ہیں
جو چراغِ سحر کی طرح بھکر پھر روشن نہ ہوئے۔ یہی آج بھی ہندوستان کا
دار السلطنت ہے، اس لیے یہاں کے تمدن، یہاں کی تہذیب اور یہاں کی
زبان کا سارے ملک میں پھیل جانا ایک قدرتی بات تھی اس لیے اگر کوئی
زبان یہاں کی ملکی زبان ہونے کی اہلیت رکھتی ہے تو وہ یہ ہندوستانی زبان ہے
اس زبان کے لیے یہ نام نیا ہے دراصل اس کا نام کیا ہونا چاہیے اس کی بہت
دو قسم کی رائیں سنی جاتی ہیں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس کو ہندی کہنا چاہیے
تھا ملک کی زبان میں غیر مالک کے الفاظ کے مل جانے سے اس کا نام نہیں
بدلا کرتا چاروں فرقہ اور اٹالین اور کرکے الفاظ کے باوجود بھی انگریزوں
کی زبان انگریزی کہلاتی ہے۔ عربی الفاظ کے داخل ہونے پر بھی ایران کی
زبان ایرانی یا فارسی کہلاتی ہے۔ برآسے یورپ کی طرف سیام کی زبان میں

۱۵ یہ سوال کہ ہندوستانی زبان کون ہے؟ بہت اہم ہے کانگریس کے نقطہ نظر سے
ہندوستانی زبان وہ ہے جو آسامی سے ہندی اور اردو رسم الخط میں لکھی جاسکے اور
مسلم لیگ کے خیال میں ہندوستانی وہ ہے جس کو ہندوستان کی بڑی آبادی بولتی
پڑھتی اور سمجھتی ہے یعنی اردو جنسِ ادب کو لفظ ہندوستانی سے بہت تکلیف ہوتی ہے
اون کے خیال میں صرف اردو ہی ایک زبان ہے جس کو ہندوستان میں لنگوا انترنزا
ہونے کا فخر حاصل ہے۔

۱۶ اردو کو بھی میسر نے ہندی ہی لکھا ہے۔

قریب ۴۰ فیصدی سنسکرت کے الفاظ ہیں مگر وہ زبان سیاہی ہی کھلاتی ہے
 اسی طریقہ پر ہماری زبان کو بھی چاہئے اس میں کتنے ہی غیر ہندی لفظ شامل
 ہوں ہندی کتنا ہی مناسب تھا کہ اگر اس زبان میں سنسکرت سے نیکے
 ہوئے الفاظ کچھ زیادہ استعمال کیے جائیں تو اسے ہندی کہا جائے اور فارسی
 عربی کے الفاظ اگر کچھ زیادہ استعمال کیے جائیں تو اردو کہا جائے اس مصیبت
 سے بچنے کے لیے ہندوستانی نام رائج کیا جا رہا ہے۔ اور میں بھی اسے
 بحالت جمہوری منظور کرتا ہوں۔

۱۵۔ یہ لفظ ہندوستانی نہیں ہے بلکہ خالص فارسی نثر اداس کے معنی ہیں ہندوؤں کا ملک
 چنانچہ سعدی نے انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے ۱۵

گل اور سعدی بوسے بوستان بشوخی و نفل ہندوستان

ہندوستانی مصنفین اس لفظ سے وہ ملک مراد لیتے ہیں جس کے مغرب میں پنجاب
 مشرق میں بنگال شمال میں ہمالہ اور جنوب میں دندھیا پل ہے اس میں قدیم مدھ دکیس۔
 (اس کی شرقی حدود موجودہ الہ آباد پر ختم ہوئی ہے) بھی شامل تھا۔ اور دور تک یہ مشرقی ممالک
 میں پھیلا ہوا تھا۔ شروع زمانے کے تمام یورپین مصنفین "ہندوستانی" کو انگریزی میں
 (۵) Hindostani سے لکھتے ہیں اور دہلا سے لکھنا غلط سمجھتے
 تھے اس کا تائید "بوستان" اور "ہندوستان" جو نام تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپین اثرات نے
 لفظ ہندوستانی گڑھا تھا جس کو انگریزوں نے ہندوستانی سے تعبیر کیا۔ یورپین اس لفظ
 کو "O" سے لکھتے تھے۔ اور انگریزوں نے "H" سے لکھنے کی قابل ہے۔ یورپین اس کے معنی
 ہندوستان کی زبان۔ لیتے تھے۔ زمانہ ماقبل کے مصنفین چین پٹری اور فرار ہوا شمالی

بولتے ہیں اگر عوام سے مطلب دیہات کے لوگوں سے ہے تو یہ ماننا ہوگا کہ
سب جگہ دیہاتوں میں ایک ہی طرح کی بولی رائج نہیں ہے۔ جیسا پارس۔ لکھنؤ۔

دکنی بولنے والوں کی تعداد۔ ۱۱۵۵۱۹۱۲	درناکر مندوستانی بولنے والوں کی تعداد .	لڑیری ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد ۱۱۹۱۲۰۰	(بقعہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰) لڑیری ہندوستانی بولنے والوں کی تعداد ۱۱۹۱۲۰۰ ۱۱۹۱۲۰۰
۶۹۱۵۶۶	.	۸۳۱۶۹۴	برہما
.	.	۸۰۱۲۵۶	مالک متوسط
.	.	۱۱۳۲۹۱۸۰۱	پنجاب
.	.	۳۱۸۵۹۱۲۹۱	مالک متحدہ اگرہ دادو
.	.	۱۱۱۵۲۶	برودھ
۶۹۱۹	.	۲۵۱۵۳۴	میسور
.	.	۳۲۲۶۰۰۰	راجپوتانہ۔ سترل لڑیا۔ جیلاروٹا
.	.	۳۶۶۵۴۱۴۲	کشمیر
۳۹۴۶۰۰	.	۱۱۱۳۵۰۳۳۶	دکنی
.	۹۰۹۱۴۰۰	.	دب، مغربی روہیلکھنڈ
۶۰۰۶۰۰	.	.	رام پور ریاست
.	.	.	مراد آباد
.	.	.	بجنور
۱۱۵۱۴۶۵	.	.	شمالی دہلی
۵۹۹۱۴۰۲	.	.	میرٹھ
۹۰۲۱۶۶	.	.	منظرنگر

ادریاب۔ جہانسی۔ شہر۔ سیرٹھ میں مادہ ایک ہوتے ہوئے بھی نعلوں کی صورت
میں فرق ہے۔ چرائی لوگوں کی بول چال کا مضمون بھی معلوم ہوتا ہے اس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) لڑیری ہندوستانی کی۔ درنا کلر ہندوستانی۔ دکھنی بول نے والوں کی
تعداد اولیٰ نے والوں کی۔ کی تعداد۔ - تعداد -

۶۰۲۱۶۶	دھرو دوں
۵۶۲۸۲۶۳۳	پنجاب۔ انبیا۔ اول۔ پٹیالہ
۵۶۲۸۲۶۳۳	۱۱۶۳۵۰۲۳۶
۱۶۵۱۹۱۲	بہی
۸۳۲۶۸۵۳	دراس
۱۶۱۹۸۶۳۸۲	قلم و نظام دکن
۶۹۱۹	کورگ
۳۶۵۴۱۶۲	مجموعہ ۱۱۶۳۵۰۲۳۶

اس نقشہ میں آسام۔ بنگال۔ ممالک متحدہ۔ راجپوتانہ۔ سنٹرل انڈیا۔ اجیر مار وارڈ
اور کشمیر کے اعداد شمار ۱۹۱۶ء کے ہیں اور بقیہ اعداد ۱۸۹۱ء کے مردم شماری کے اعداد
سے حاصل کیے گئے ہیں۔ بہتی میں گجرات و سندھ کی ہندوستانی لڑیری ہندوستانی سمجھی
گئی ہے۔ اور بقیہ دکھنی۔ زبدا کے جنوب میں ستھپور اپہاڑی کی سلسلہ اُردو اور دکھنی کی
حد حاصل بنا ہوا ہے۔

اب یہ ثابت ہو گیا کہ لڑیری ہندوستانی۔ درنا کلر ہندوستانی سے بنی ہے جو اُردو
اور مغربی روہیلکھنڈ میں بولی جاتی ہے اور یہی زبان دربار تھیلی کے اثرات سے ننگو اُردو
کی حیثیت رکھتی ہے۔ عام طور پر یہی زبان بازاروں میں بیٹے ٹیلیوں میں بولی اور سمجھی جاتی

کوئی خاص ادبیت نہیں ہوتی اس سے ہکوڑے لکھے لوگوں کی زبان کی طرف
متوجہ ہونا پڑے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ سب بڑے لکھے آدمی سب کاموں کیلئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) ہیں۔ لڑی ہندوستانی کی کئی شاخیں ہیں۔ اردو۔ رنجیت۔ دکنی اور
ہندی۔ اردو وہ ہندوستانی ہے جو فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور جس میں فارسی
اور عربی کے الفاظ آزادی سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور یہ نام اردو سے ملتی ہے افد
کیا گیا ہے۔ اور یہ زبان مغربی ہندوستان کے تمام وہ مسلمان اور ہندو جو ایرانی اثرات
کو قبول کر چکے ہیں استعمال کرتے ہیں۔

اردو کی رنجیت وہ شکل ہے جو نظم میں استعمال کی جاتی ہے اور جب نواتین شعر
کشی ہیں تو سرچارم لائل کے خیال میں وہ رنجیتی کہلاتی ہے۔ دکنی زبان وہ ہے جس کو دکن
کے مسلمان استعمال کرتے ہیں اور اردو کی طرح یہ بھی فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے لیکن
فارسی کا اثر کم ہوتا جاتا ہے۔

لفظ ہندی مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ بھی فارسی لفظ ہے اس کے معنی ہیں ہندو
کا باشندہ۔ یورپین مستشرقین اس لفظ سے ہمیشہ وہ زبان مراد لیتے ہیں جو ناگری رسم الخط
میں لکھی جاتی ہے اور جس میں فارسی کے لفظ نہیں ہوتے۔ اور سنسکرت کے الفاظ ہوتے ہیں
ہندی کی شاخیں اودھی بندھیلی اور برج بھاکا ہیں۔ بہر حال جو فارسی رسم الخط سے لکھی
جائے وہ اردو ہے اور جو ناگری رسم الخط سے لکھی جائے وہ ناگری ہے۔

اصل معیار عورتوں کی زبان ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہندوستان کی بیشتر نواتین جو
گفتگو کرتی ہیں وہ زیادہ شیریں۔ آسان اور دلچسپ ہوتی ہے اور کلکتہ سے لکھی تک اور
پشاور سے لکھا تک تقریباً اردو کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ جس کو انگریز مستشرق ہندوستانی

ٹھیک اسی طرح بچپن سے سنتے سنتے ہندو بھی سنسکرت آمیز زبان کو میچ سمجھنے لگتا ہے وہ مسلمان اس ہندو کی زبان کو اور یہ ہندو اس کو مسلمان کی زبان تصور کرتا ہے۔

دو زبانیں۔ آخر اس کا کیا علاج ہے؟ ایک نو جاہلوں کا طریقہ ہے کہ جہاں کوئی ہندو اپنے طریقہ پر بولے مسلمان ٹوک دیں اور کہیں کہ ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے۔ ہندوستانی بولیں۔ ادھر مسلمان کو روک کر ہندو ایسا ہی کہنا شروع کر دیں لیکن یوں تو معاملہ کبھی بھی حل نہیں ہو سکتا دوسرا طریقہ کمزوری کا یعنی زبان میں سے چن چن کر عربی فارسی یا سنسکرت کے لفظ نکال دیے جائیں۔ تیسرا طریقہ وہ ہے جس کو میں پسند کرنا ہوں اور وہ یہ جو کہ میں دونوں کو ہندوستانی سمجھتا ہوں۔ ایک صاحب نے منظوم شکایت کی ہے کہ اردو کی جگہ ہندی کے لفظ زبردستی رکھے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی زبردستی کرنا چاہتا ہے تو اسکی غلطی ہے ساتھ ہی اگر کوئی یہ کہنا چاہتا ہے کہ زبان میں کسی خاص معنی میں کوئی ایک ہی لفظ رہے گا خواہ وہ سنسکرت سے نکلا ہو یا عربی فارسی سے، تو یہ اس کی حماقت ہے۔ اسی نظم میں دی ہوئی مثالوں کو لیکر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں تو علم اور دینی تعلیم اور شکستہ رسم و رواج اور پراختہ انتظار پر شکستہ دونوں کو ہی ہندوستانی مانتا ہوں یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ فلاں صاحب اپنی تقریر یا تحریر میں ایسی زبان استعمال کئے ہیں کہ جس کو بہت سے ہندو نہیں سمجھتے میں دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں بہت سے مقررین اور نامہ نگاروں کی اردو ایسی ہوتی

ہے کہ اسے بہت سے مسلمان نہیں سمجھ سکتے مگر یہ مسئلہ یوں طے نہ ہوگا آخر
انگریزی میں فریج، گریگ اور انیکلوپکس سے نکلے ہوئے ایک ہی مینی کے
کئی لفظ مستعمل ہوتے ہیں۔ یہی ہم کو بھی کرنا ہوگا اس سے ادب کو ترقی ہوتی ہے
کسی مضمون میں بار بار ایک ہی لفظ کو دوہرانے کے مقابلہ میں مختلف لفظوں
کے استعمال سے زبان کی خوبصورتی بڑھتی ہے اس سلسلہ میں ان لوگوں کو
جو اخبار نویس یا سیاسی جماعتوں کے لیڈر ہیں ان پر بہت بڑی ذمہ داری
عالمہ ہوتی ہے یہ آواز اٹھانا کہ ہندی بار دو بر محلہ ہو رہا ہے غلطی ہے جو
لوگ پرانی اردو کے حامی ہیں وہ ملک کی ادبی ترقی کے دشمن ہیں ہم کو تو اس
ہندوستانی میں ترقی کرنی ہے جس سے دونوں دھاریں ملتی ہیں اور مل کر
ایک ہو جاتی ہیں میرا تو خیال ہے کہ ہندوستان کی ترقی میں اس وقت سب سے

۱۱ مخزن اقرب ایک نادر تذکرہ ہے جو ۱۲۱۸ھ میں تالیف ہوا ہے اس میں مرزا مظہر جان جانا
رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک فقرہ نظر پڑا جس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندی سے
اس عہد میں بھی اردو مراد لی جاتی تھی۔

بازیان ہندی کہ مراد از اردو است خیلے فصیح و بلیغ بود
امیر خسرو کو اپنی ہندی دانی پر ناز تھا جو ادب کے شعر سے نمایاں ہے
چون طوطی ہندم از راست پرستی زمین ہندوی پر س نالغز گریم
اسی فائدہ میں ایہام کی ایک نئی صفت پیدا کرنے پر فخر بھی کیا ہے۔
”باز الہا ہے دیگر برست کردہ ام کہ یک طرف ہم ہندھی غنیمتی افتد و جانب دیگر فارسی می خیزد
آہی آہی ہماں سپارسی آہی ماری ماری بر آئی موری ماہی“

زیادہ مدد وہ لوگ دے سکتے ہیں جو سنسکرت اور فارسی دونوں سوداقت ہیں۔
 بہت سے لوگ اس تیز تقریر سے خوش نہیں تھے۔ میں نے اس کو بہت ہلکا کر دیا
 ہے میرا خیال ہے کہ خوشی ناخوشی کا سوال نہیں ہے۔ خادمان ادب کو ہر قسم کے سرد و
 گرم سے واقف ہونے کی ضرورت ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرنے سے کام نہیں چل سکتا
 ضرورت اس امر کی ہے کہ اردو بولنے والے افراد کی تعداد بڑھائی جائے۔ اس
 سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معنفین کو اپنی زبان میں خواہ مخواہ ثقیل الفاظ داخل نہیں
 کرنا چاہیے اس سے زبان عوام کے سمجھنے کے قابل نہیں رہتی۔ آخر اس میں کیا
 قباحت ہے۔ زبان وہ کیوں نہ استعمال کی جائے جو نواب نصیر حسین خیال کی تھی
 یا پنڈت منوہر لال دتشی کی ہویانشی امیر احمد علی کی یا خواجہ حسن نظامی جی جانا ایمان بشیر احمد پٹ
 ہاویں کی زبان کا حالانہ بنا حقیقتاً زبان اردو کے ساتھ دشمنی کرنا ہے جب ہم کو اپنوں
 سے یہ شکایت ہے تو غیار کا گلہ فضول ہے !
 اردو بولو اردو۔ مگر مگر۔ اردو کا سنگھ بھونکو اردو کا گھسہ گھسہ پرچار

کر دو کیونکہ اصلی دھرم ہی ہے !

سید سجاد حیدر یلدرم کا قول فیصل ہر صہ ہوا کہ سید صاحب نے بحیثیت صدر

شعبہ اردو ہندوستانی اکیڈمی کی چھٹی ادبی کانفرنس میں ایک خطبہ صدارت دیا تھا۔
 ضرورت ہے کہ یہی خواہان ادب اس کے حسب ذیل اقتباس کو غور سے پڑھیں۔

”ہندوستانی اکاڈمی، اس صوبہ کی دو زبانوں کی رقابتوں اور کشمکشوں کو دور

کرنے کے لیے عالم وجود میں آئی تھی، مگر کیا اس رقابت اور کشمکش میں کوئی

کئی آئی؟ میں سمجھتا ہوں کہ نہیں! دو سال قبل ہی کی بات ہے کہ دو ذریعہ برت

ہستیوں نے اسی اکیڈمی میں دو متضاد خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔
 ”(مخدوم ادب) مولانا عبدالحق نے فرمایا تھا کہ میں اس وقت اُس کے (یعنی
 ہندوستانی اکیڈمی کے) کاموں پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اکیڈمی کے
 کارفرماؤں کی خدمت میں اس قدر عرض کرنے کی ہوا کرتا ہوں کہ جب اکیڈمی
 نے ہندوستانی کا لقب اختیار کیا ہے اور ہندوستانی کے رواج کا بڑا اٹھایا
 ہے تو کیوں اب تک کچھ کتابیں ایسی تالیفات نہیں کرائی گئیں اور کوئی رسالہ ایسا
 شائع نہیں کیا گیا جو ہندوستانی زبان میں ہو اور مجسبہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے
 دونوں رسم الخط میں لکھا جاسکے۔۔۔۔۔ اس سے بھی زیادہ مفید کام ہو اکیڈمی
 کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسی زبان میں ریڈیو تیار کر اسے جو دونوں رسم الخط
 میں لکھی جائیں اور مدارس میں پڑھنے کی جائیں اس سے وہ دو رنگی جو اس وقت
 اس صوبہ کے مدارس میں پائی جاتی ہے خود بخود اٹھ جائیگی۔ ہندوستانی کو
 رواج کا سب سے بڑا ذریعہ یہ مدارس ہو سکتے ہیں جب زبان ایک ہو جائیگی
 تو رسم الخط کی نزاع آپ سے آپ ہی اٹھ جائے گی۔ ابھی زبان ہی ایک نہیں
 رسم الخط کی بحث کیسی“

اسی دن اور اسی مقام پر ڈاکٹر گنگا ناتھ جھانے بحیثیت صدر شعبہ ہندی
 کے جلسہ مایا تھا۔ جب تک ہم عملی حالت میں ہیں، اختلاف ماننا ہی بُرے کا
 اور اسی کے مطابق کام بھی کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ ان سرکاری احکام کو جن کے مطابق
 ان صوبوں میں ہندی اور اردو کو متحد کرنا ملگسٹ بک کمیٹی کا سب سے بڑا فرض
 تھا، اس وقت سے متحد کرنے کی کوشش کو خود اور ذاتی طور سے دیکھتا اور بھگتا

رہا۔ اس تجربے سے یہ اصول میرے دل میں جاگزیں ہو گیا کہ معمولی بول چال میں ”ہیں“ کھانا ہوں ”نہیں“ جانا ہوں ”وغیرہ کے استعمال تو ایک قسم کے ہیں اور ایک قسم کے ہوتے رہیں گے لیکن مضمون نگاری اور تصنیف کے عمل میں یکسانیت قطعاً ناممکن ہے، بغیر ممکن ہی نہیں بلکہ برباد کن ہے۔ اور ان زبانوں کا اتحاد اسی وقت ممکن ہو گا جب پانی کے گل دھارے وجود مطلق کے بحر بے پایاں میں محو ہو جائیں گے۔ جس آدمی کے دل میں یہ اصول جاگزیں ہو گیا تھا اسے دونوں زبانوں کے متحد کرنے والے ادارے کو دیکھ کر تعجب ہونے لگا، اپنے اصول پر شبہ ہونے لگا لیکن کچھ ہی دنوں میں اسے بھی کچھ کم میں یہ دکھائی دیا کہ ہندی اور اردو کے دونوں دھاروں کا پریاگ پر سنگم نہیں ہو رہا ہے اور دونوں دھارے ساتھ ساتھ مگر الگ الگ چل رہے ہیں اور جلائے جا رہے ہیں۔ دونوں زبانوں میں علیحدہ علیحدہ کتابیں تیار ہو رہی ہیں اور آخر میں اس ادارے کے آرگن سماجی رسالے بھی الگ الگ نکل رہے ہیں۔ آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں: آج ہندوستانی اکیڈمی کے اندر اردو اور ہندی کے الگ اجلاسوں کو دیکھ کر اور اس سے اپنے اصولوں کی تائید پا کر میں کتنا مسرور ہوں میں کہ نہیں سکتا! جیسا ہوا ہے ویسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا! یہی مناسب تھا اور یہی مناسب ہے۔

آپ نے دیکھا اور آپ نے غور فرمایا ان دونوں بزرگ ہستیوں کے ارشاد میں کیا فرق ہے؟ میرے نزدیک فرق صاف ظاہر ہے۔

ایک آرزو بیان کر رہا ہے، دوسرا حقیقت جیسے وہ اپنی آرزو کے ہمنام پاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اردو اور ہندی کی شاہراہیں، بالکل علیحدہ علیحدہ ہو گئی ہیں۔

ڈاکٹر گنگا ناتھ بھارناتے ہیں ہی مناسب تھا اور یہی مناسب ہو۔ مخدوم ادبٹ اکثر عبدالحق شاہراہوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے سے انکاری ہی نہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ دونوں زبانوں کو ایک راستہ پر ڈال دینا چاہیے۔

ان دو شاہراہوں کو دیکھ کر ہمارے قابل تعظیم اور استاد پسند صدر (محسن ادب) ڈاکٹر سرتیج بہادر سپرد نے یاس انگیز خیال ظاہر کیا ہے کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو وہ دن دور نہیں کہ ایک دوسرے کی زبان سمجھنے کے لیے ہندو مسلمانوں کو ایک ایک ترجمان ساتھ رکھنا پڑے گا۔ جب اتحاد کے امکان کو ان الفاظ میں بیان کیا جائے کہ ان زبانوں کا اشتقاق اسی وقت ممکن ہوگا جب پانی کے کل دھالے وجود مطلق کے بحر بے پایاں میں موج ہوجائینگے تو کوئی تعجب نہیں کہ اردو کے انتہا پسند بھی یہ کہیں کہ اردو کو آسان کرنے کی کوشش بے سود۔ بے سود ہی نہیں مضر ہے۔ اُسے اگر محض بازار کی زبان سے ادب پر کرنا ہے تو اسے فارسی و عربی کے ان الفاظ سے جو بلند خیالات کو ظاہر کر سکیں مالا مال کرنا ہوگا مگر میں کہنا ہوں کہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ آپ اردو کو ہندی سے یا ہندی کو اردو سے بالکل بے نیاز کر دیں جب تک کہ آپ ایک ملک میں رہتے ہیں ایک دوسرے کے ہم سایہ اور پڑوسی ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک دوسرے کی معاشرت، ایک دوسرے کی زبان یا یہ الفاظ دیگر ایک دوسرے کی رفتار و گفتار سے متاثر نہ ہوں جب یہاں پہنچ کر مسلمانوں کا لباس خوراک طرز و دماند یہاں تک کہ مذہبی مراسم میں مقامی رنگ آگیا اور مقامی اثرات کی جھلک دکھائی دینے لگی، تو زبان تو بہت جلد اثر پذیر ہوتی ہے اور ہندوؤں نے بھی اسی جذبہ بلکہ اس سے زیادہ مسلمانوں کا اثر قبول کیا اور یہ اثر ایک دوسرے پر پڑتا رہے گا جب تک کہ آپ دونوں قوموں کے درمیان ایک دیوار آہن کھڑی نہ کر دیں۔

اب تو دونوں ایک جگہ رہتے تھے۔ جب مسلمان ہندوستان میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے اس زمانہ میں بھی ایک دوسرے کی زبان اور لٹریچر سے ایسے بے گانہ تھے جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔

(ایک پر از معلومات و مہرا ز تحقیقات مقاسے میں، جو پنڈت برج موہن دتا تریہ نے علیگڑھ میں پڑھا تھا، یہ ثابت کیا تھا کہ فارسی کا پڑھنا ہندوؤں میں مسلمانوں کے یہاں آنے سے پہلے جاری تھا، گو عام نہ ہو اور ہندوستان کے ہندو راجہ قبل اس کے کہ مسلمان ہمان حملہ آور ہوئے کابل اور وسط ایشیا کی اسلامی سلطنتوں سے فارسی زبان میں خط و کتابت کرتے تھے۔ اور ہندو دربار کے ہندو منشی ان مراسلات کو فارسی میں لکھتے تھے۔ ہندو عرب کے تعلقات میں مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے بتایا ہے کہ جنوبی ہند میں عرب تاجروں اور عرب بہار رانوں کی بدولت مسلمانوں اور وہاں کے ہندوؤں میں معاشرتی اور تجارتی تعلقات مسلمانوں کے ہندوستان میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہونے سے قبل قائم ہو چکے تھے۔ اسی طرح فارسی زبان کا بہت "اصل میں بدھ ہے یعنی حضرت گوتم بدھ کا مجسمہ اور یہ تو آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ نیپال جو کبھی مسلمانوں کے زیر نگین نہیں رہا وہاں بھی ہمیشہ جنگ رانا بہر جنگ رانا، تیغ بہادر رانا جیسے نام بتائے ہیں کہ مسلمانوں کی زبان کا اثر ان کے سیاسی اثر کے حدود سے باہر پونچ گیا تھا۔

ایسی حالت میں ہندوستان میں مان سکتا کہ اردو جو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں، اگرچہ اس میں فارسی اثر زیادہ ہے، وہ محض مسلمانوں میں محدود ہو کر رہ جائیگی، یا ہندی کو مسلمان نہ سمجھ سکیں گے۔ آخر اب بھی تو ہندی ٹھیکوں اور گانوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اور ان سے لطف اٹھاتے ہیں۔ اردو کا اثر اگر مسلمانوں اور ہندوؤں پر کم و بیش ہو گا۔

حضرت غوث ملت شاہ تبار علی کا کوہی اور شاہ محمد کاظم کا کوہی کی نظمیں یا امیر خسرو کا بابل آج بھی مشہور اور رائج ہے!

ہندوؤں پر کم مسلمانوں پر زیادہ۔ اسی طرح ہندی کا اثر ہندوؤں اور مسلمانوں پر ہوتا رہا۔ کم مسلمانوں پر کم، ہندوؤں پر زیادہ۔

مگر جب عہدِ مذہب کی کوشش کی جائے کہ دونوں زبانیں اس قدر علیحدہ اور ایک دوسرے سے دور ہو جائیں کہ ان میں مشارکت کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ رسم الخط و علمِ ہندی ہے الفاظ بھی ۹۹ فیصدی علیحدہ ہوں تو پھر اگر آئندہ کی طرف سے ناامیدی کی جائے تو کوئی جائے تعجب نہیں۔

اُردو سے ان فارسی الفاظ کے نکالنے کی کوشش جو اس کے جسم و جان میں پیوست ہو گئے ہیں۔ ناخن کو گوشت سے جدا کرنا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے خطبہٴ صدارت میں جو لکھنؤ کی ہندوستانی کانفرنس میں ارشاد فرمایا تھا کہ اتنا کہ اُردو نے جن فارسی الفاظ کو اپنا لیا ہے ان کو انہیں معنوں میں اور ویسے ہی تلفظ اور املا کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے جن معنوں و جیسے تلفظ اور املا کے ساتھ اُردو میں وہ رائج ہو گئے ہیں۔ مولانا نے اس کی مثالیں بھی دیں مثلاً مواد۔ اصل مشکور۔ مسالہ مثال اسی طرح سنسکرت کے الفاظ جن طرح اُردو میں یا ہندوستانی میں رائج ہیں ان کو چھوڑ کر اصلی سنسکرت کے تلفظ کیساتھ ان کو بدلنے کی کوشش کو بھی بالکل سجا طور پر ادبی پاپ قرار دیا ہے۔

ان فارسی الفاظ سے جنہیں ہم فارسی سمجھ کر فارسی میں استعمال کرتے ہیں یا لبراً ان پر چونکتے ہیں اور ہماری ہنسی اُڑاتے ہیں یعنی وہ الفاظ فارسی نہیں رہتے ہم نے اُردو میں ان کو دوسرے معنی دے دیئے ہیں اور اب وہ لفظ بالکل ہمارے ہو گئے ہیں۔ آپ ان کو اپنی زبان سے نکال دیجئے۔ آپ کے ہاں سے نکل کر وہ بالکل بکھرے

ہو جائیں گے کیونکہ فارسی یا عربی ان معنوں میں انھیں قبول نہ کرے گی۔
مثلاً ان دولفظوں کو لیجئے۔ جن کو فارسی میں استعمال کرنے میں جب کہ وہ ایران
میں سفر کرتے ہیں اہل ہند ٹھوکر کھاتے ہیں۔

الغناط - اصل معنی - اُردو میں -

(تکلیف - فرض - ذمہ داری - زحمت -

خفا - گلا گھونٹنا - ناراض ہونا)

(یہ خیال کیجئے کہ ہم نے الفاظ کے معنی بدل دیئے ایرانیوں نے بھی ایسا کیا ہو
مثلاً ناخوشی ہم اصل معنی "ناراضی" میں استعمال کرتے ہیں ایرانیوں نے ناخوشی کو بیماری
کے معنی دے دیئے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک لطیفہ عرض کروں بغداد میں ایک نوجوان ایرانی جو ہندوستان میں
رہ چکے تھے، مجھ سے تعریفاً کہنے لگے کہ ہندوستانیوں کے کیرکڑ کا اس سے پتا چلتا ہے
کہ تکلیف یعنی فرض اور ذمہ داری کو وہ زحمت سمجھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں
میں نے کہا کہ ڈیوٹی کم ایسا ہوتا ہے کہ آرام کی چیز ہو لیکن اگر کوئی ڈیوٹی کو آرام کی
چیز نہ کہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ وہ اس سے گریز کرتا ہے۔ بر خلاف
اس کے ایرانیوں کے خصائص ملی اور ان کی ہمت و بہادری کا اس سے اندازہ
ہوتا ہے کہ لفظ تیغ تلوار کے مفہوم سے گھٹ کر استرے کے معنی میں رہ گیا ہے ایرانی
استرے کو شمشیر کی طرح خطرناک سمجھتے ہیں۔

(ایک ہی لفظ اردو میں ایک معنی دیتا ہے۔ اور دوسری زبان میں بالکل دوسرے
معنی، اس کی ایک اور پُر لطف مثال آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ظاہر و بین

دو لفظ ہیں ظریف ہم اس شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جس کی طبیعت میں مذاق -
 خوش طبعی ہو۔ متین ہم سنجیدہ آدمی کو کہتے ہیں لیکن ایک ترکی اخبار میں ایک جوتا بیچنے
 والے کے اشتہارات میں نے دیکھے جو کہتا ہے کہ اس کی بوتے نہایت ظریف و متین
 ہیں! کیا سمجھے آپ؟ یہ ایک دقت یہ جوتے آپ سے مذاق بھی کریں گے اور نہایت متانت
 سے بھی پیش آئیں گے۔ لیکن اشتہار دینے والے کا یہ مطلب نہیں وہ تو یہ اعلان کر رہا ہے کہ
 اس کے جوتے ظریف یعنی خوبصورت بھی ہیں اور متین یعنی مضبوط بھی! ایک اور لفظ
 کا قصہ عرض کروں جس میں کوئی مذاق کا پہلو نہیں مگر جس نے ایک موقع پر ایک بے خودی
 کی کیفیت مجھ پر طاری کر دی عرصہ کا لفظ ہماری زبان میں مدت کے لیے مستعمل ہے۔
 ”آپ سے بہت عرصہ سے ملاقات نہیں ہوئی“ اسٹینڈل میں قطعہ زمین پر تکی لگی ہوئی
 تھی جس پر لکھا تھا ”یہ عرصہ برائے فروخت ہے“ یہ پڑھتے ہی مجھے داغ کا شعریہ یاد آیا
 اور میں نے مزے لے لیکر اسی مقام پر اُسے پڑھا۔

عرصہ عشر میں اشد کرے کم جھکو اور پھر ڈھونڈتے گھرائے ہوئے تم جھکو
 یہ جو عام شکایت کی جاتی ہے کہ آجکل اُردو دیکھنے والے جان جان کر غیر اُنوں
 اور سخت عربی فارسی کے الفاظ اپنی تحریروں میں ٹھونسے ہیں اور روزمرہ کے سادہ
 الفاظ کے استعمال کو اپنے خلاف شان سمجھتے ہیں! یہ ایک مد تک صحیح ہے۔ مگر میرا خیال
 ہے کہ ایک زندہ اور ترقی کرنے والی زبان ہمیشہ نئے نئے لفظ اپنے میں جذب کرتی
 رہتی ہے، اس کو قطعاً روکنے کی کوشش کرنا مضر ہوگا۔ اب یہ مذاق سلیم اور ہندوستان
 اکیڈمی کے احکام پر موقوف ہے کہ کھنے والا کون سے لفظ استعمال کرے اور ان کو
 ردِ راج دینے کی کوشش کرے۔ نان کو آپریشن کے زمانہ میں اخبارات اور تقریروں

میں "عدم تعاون" اور "مقاومت جموں" پڑھنے اور سننے میں آتے تھے۔ مقاومت جموں لاجول ولاقو! سوائے اس کے کہ (انگریزی) کا ایک بھونڈا سا ترجمہ کر دیا کبھی کی جگہ کبھی ماردی مگر سننے والا خاک نہ سمجھا کہ یہ مقاومت جموں کیا بلا ہے میں اب بھی کہتا ہوں کہ اگر ذہن میں (انگریزی) کے الفاظ پیشتر سے نہ ہوں تو کوئی عربی دان بھی اس کے وہ معنی نہیں بنا سکتا جس کے لیے مقاومت جموں گڑھا گیا۔ بہر حال مقاومت جموں اپنی موت مر گیا مگر عدم تعاون زندہ و قائم ہے۔ اسی طرح مندوب۔ مبعوث۔ نائندہ تین لفظ نکلے یہ اردو میں (یا

کے معنوں میں نئے لفظ تھے۔ مندوب و مبعوث کا استعمال مستقر کم ہے کہ بمنزلہ نہ ہونے کے ہے مگر نائندہ چل رہا ہے ایکٹنگ کی جگہ اداکاری" نے لی ہے اور یہ اچھا لفظ ہے۔

بعض اچھے خاصے لفظ چھوڑ کر نئے لفظ محض اس لیے کہ وہ شاندار ہیں اختیار کیے جا رہے ہیں۔ ناظرین قریب قریب مرحوم ہے۔ اس کی جگہ قارئین کرام نے لی ہے ہیرو کی چھوڑ کر بطل کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر شکر ہے کہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں نے ایک اصول قائم کیا ہے یا یوں کیئے کہ میرا ایک نظریہ ہے عربی کے جو الفاظ فارسی کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں اور وہ انہیں ہضم کر لیتی ہے مگر جو الفاظ براہ راست عربی سے لیے جاتے ہیں اور دو کا معدہ انہیں قبول کرنے سے انکار کرتا ہے فارسی بھی حافظہ و سعدی کی نرم و شیریں فارسی، نہ کہ آج کل کی کرخت ایرانی اب تو فارسی کے لیے عربی کے لفظ کا استعمال بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ بطل۔ نکالآت۔ شذرات ہضم نہ ہو سکے۔ اس بات پر غور کرنا بھی دلچسپ ہے

انپال میں شمشیر جنگ، تیغ ہمارا، بیر جنگ تو چلا۔ سیف الملک صنم الدولہ نہ چلا۔
 یہ الزام بھی غلط ہے کہ ہندی کے لفظ جان جان کر نکالے جا رہے ہیں سماج
 (یعنی سوسائٹی) پر بار۔ چناؤ۔ شانتی۔ جو پہلے استعمال نہ ہوتے تھے اب مسلمانوں کی
 تحریروں میں ملتے ہیں بلکہ میں تو کہہ سکتا ہوں کہ ہندو لکھنے والے فارسی کے مروجہ
 اور زبان زد خاص و عام الفاظ کے ساتھ زیادہ عدم تعدادن برتتے ہیں۔ اور یہ بات
 کہ مسلمانوں کی اردو میں فارسی الفاظ نسبتاً زیادہ ملتے ہیں اور ہندوؤں کی زبان میں
 سنسکرت کے قدرتی بات ہے جس لڑیچہ اور زبان سے جو شخص زیادہ متاثر ہوا ہو
 اس کی تحریروں و تقریر میں اس کی جھلک پائی جائیگی۔

پارسیوں کی گجراتی ہندوؤں کی گجراتی سے ایک حد تک مختلف ہوتی ہے۔ پارسیوں
 کی گجراتی میں فارسی اور اردو کے الفاظ زیادہ ہوتے ہیں۔ "جام حشید" جو پارسیوں کا
 مشہور اخبار ہے اور گجراتی میں شائع ہوتا ہے اگر آپ کے سامنے پڑھا جائے تو آپ اس
 میں بہت سے الفاظ ایسے پائیں گے جنہیں ہم بولتے ہیں اور لکھتے ہیں اخبار کا نام ہی فارسی
 ہے سانچہ و رہنما جو ہندوؤں کا کثیر الاشاعت گجراتی زبان کا اخبار ہے اس میں فارسی
 اور اردو کے الفاظ کم ہیں، وجہ یہ ہے کہ بادیہ و دیہ پارسیوں نے گجراتی زبان اختیار کر لی
 ہے لیکن ان میں ایک کافی تعداد اب بھی فارسی پڑھتی ہے اس کی تحریروں و تقریر میں اس کا
 اثر نمایاں ہوتا ہے اسی طرح قاضی نذر الاسلام جو بنگال کے نوجوان شاعروں میں
 سے حد شہرت و مقبولیت حاصل کر رہا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کی شاعری میں گل و بلبل
 زلف و کاکل، ساغر و شراب اور اسی قسم کے اور فارسی الفاظ کثرت سے آتے ہیں۔
 صرف دیکھنا یہ چاہیے کہ جان جان کر اور تعصب سے تو الفاظ کا استعمال نہیں کیا جاتا

اگر بے ساختہ زبان پر آتا ہے ٹھیک ہے

(یہ کوشش کہ ہندی سے فارسی کے الفاظ یعنی بیسی الفاظ خارج کر دیئے جائیں نیشنلسٹ شراب کے نشے کا نتیجہ ہے ایران و ترکی کے قوم پرور بھی اسی نشہ سے بدست ہیں فارسی سے عربی الفاظ کو دینے کا لال رہا ہے ترکی میں اس کا زور ہے کہ فارسی اور عربی دونوں کو کمال و دمیرا خیال ہے کہ ترکوں اور ایرانیوں کی یہ کوشش کامیاب ہوئی نظر نہیں آتی شروع شروع میں تو میں نے دیکھا کہ ایسی ترکی لکھی جاتی تھی جس کا سمجھنا از بس دشوار تھا گلاب میں دیکھتا ہوں کہ پھر وہی معمولی ترکی ہے جس میں فارسی کے لفظ بھی ہیں اور عربی کے بھی۔ ہندی کی اس نیشنلسٹ تحریک جدید کا کیا خشر ہوگا اس کے متعلق اس وقت کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شدت یہ عصب قائم نہیں رہے گا۔

اس موقع پر خالہ خانم ادیب کی رائے کا نقل کر دینا مناسب ہوگا خالہ خانم اپنے ملک میں بھی سخت قسم کی نیشنلسٹ ہیں اور ہندوستان کی سیاحت کے بعد بولتا ہے کہ وہاں کے لوگ بھی شائع ہوئی ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ہمدردی تمام تر ہندوستان کی نیشنلسٹ تحریک کے ساتھ ہے اور اکثر انھوں نے مسلمانوں کو مورد الزام قرار دیا ہے۔ انکے خیالات یہ ہیں اول انھوں نے اپنے کسی مسلمان دوست کے خط کا اقتباس دیا ہے جس میں سننے لگتا تھا کہ

”آپ کے جانے کے بعد بنغلہزم نے زبان کے معاملے میں مسلمانوں کو سخت ضرب

لگائی ہے۔ یہ تاریخی واقعہ ہے کہ شمالی ہندوستان کی تمام وہ زبانیں جو بولی جاتی

ہیں ابھی ترقی اور ارتقاء کے لیے مسلمانوں کی حالت کی مرہون احسان ہیں لیکن

نیشنلزم نے فیصلہ کیا ہے کہ تمام برہمنی الفاظ قومی زبان سے خارج کر دیئے جائیں اور
اسی قومی زبان کا نام ہندوستانی قرار دیا جائے اور نیشنلزم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے
کہ نہ صرف ٹیکنیکل اصطلاحات کے لیے بلکہ روزمرہ کے الفاظ کے لیے سنسکرت کو ہی
منج و مرجع قرار دیا جائے، وہ سنسکرت جو کبھی ملک میں بولی نہیں گئی تھی

اس ناقبائے کے بعد خالدہ خاتم ادیب اپنی رائے دیتی ہیں :-

”میں اس مسلک کی پیروی ہوں جو خالص زبان کا حامی ہے اور اس بنا پر مجھے ہندوؤں کا
طرہ نڈار ہونا چاہیے تھا مگر میں انکی طرف نہیں ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خالص
زبان یہاں سے سمجھتی ہوں جس میں تحریر کی زبان جہانگیر ہو سکے اس زبان سے جو بولی
جاتی ہے قریب لائی جائے۔ ٹیکنیکل اصطلاحات کے بارے میں میں انٹرنیشنل یعنی
بین الممالک اتحاد کی قائل ہوں“

آگے چل کر وہ فرماتی ہیں :-

”ہندو جن الفاظ کو (عربی و فارسی کے الفاظ کو) غیر ملکی قرار دیتے ہیں وہ غیر ملکی
نہیں رہے جن لفظوں کا استعمال ایک ہزار برس سے ہو رہا ہے ان کی جڑ کہیں کی
ہو اہل ہند ان سے بمقابلہ غیر مانوس سنسکرت الفاظ کے زیادہ آشنا ہیں“

مشترک الفاظ کا حل میرے نزدیک یہ نہیں کہ ایک ایسی زبان بنائی جائے
جو نہ آجکل کی سخت اردو ہو اور نہ آجکل کی سخت ہندی کیونکہ جب ایسی ریڈرین تیار
کی جاتی ہیں تو دونوں طرف سے اعتراض شروع ہوتے ہیں۔ اردو والے کہتے ہیں
کہ مشترک زبان کے پردہ میں ہندی کو رواج دیا جا رہا ہے ہندی والے کہتے ہیں
کہ یہ تو دہی اردو ہے میرے نزدیک اس مشکل کا حل یہ ہے کہ ہر طالب علم کو اردو

ہندی دونوں زبانوں کے سیکھنے پر مجبور کیا جائے پھر آہستہ آہستہ ایک خود بخود گھسی ملی زبان پیدا ہو جائیگی علیگڑھ یونیورسٹی نے اردو کے ایم۔ اے کے نصاب میں اسی اصول کو مد نظر رکھ کر ہندی کا ایک لازمی پرپہ بھی رکھا ہے مجھ سے ایک صاحب نے کہا میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں تک صحیح ہے کیونکہ وہاں کا نصاب میری نظر سے نہیں گذرا کہ اسی کو نظیر قرار دیکر لکھنؤ کے ہندی ایم۔ اے کے نصاب میں اردو کا پرچہ شامل کیے جانے کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا مگر وہ مسترد کر دیا گیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس غلطی کی تلافی ہونا چاہیے۔

شاید یہ کہا جائے کہ طالب علم پر کتنی زبانیں سیکھنے کا بار ڈالا جائے اس کا میرے پاس یہ جواب ہے کہ اردو اور ہندی دو مختلف الاصل زبانیں نہیں ہیں جب جنوبی افریقہ میں ڈچ اور انگریزی اور کینڈا میں فریچ اور انگریزی پسلوبہ پہلو چل سکتی ہیں حالانکہ انگریزی اور ڈچ۔ فریچ اور انگریزی دو بالکل جلیبہ زبانیں ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اردو اور ہندی جو حقیقت میں ایک ہی زبان ہے کیوں ساتھ ساتھ نہ چل سکیں گی۔ ہندو مصنفین سے میری درخواست ہے کہ وہ ایسی اردو لکھیں جیسی میرے دیرینہ محب منشی دیانترامن نگم۔ پنڈت کول۔ پنڈت دتشی۔ لکھتے ہیں مسلمان ایسی لکھیں جیسی سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالحی حسن نظامی۔ ڈاکٹر ذاکر حسین لکھتے ہیں کاش منشی پرچم چند جیسے مصنف ہم میں پیدا ہوں جن کی قادر الکلامی اردو اور ہندی زبانوں میں یکساں تھی اور جنہیں اردو اور ہندی اپنا سب سے بڑا ادیب شمار کرنے میں مسابقت کر رہی ہیں۔

ایک حد تک یہ مسئلہ فرسودہ ہو گیا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ جب سے ہندوستانی

اکیڈمی قائم ہوئی ہے اس کے ہر سالانہ جلسے میں، ہر خطبہ صدارت میں اس کے متعلق
 اظہار خیال کیا گیا ہے۔ سر تاج بہادر سپرد۔ سٹر سچیدامند۔ مولوی عبدالحی صاحب مولانا
 سید سلیمان ندوی۔ ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا، اکیڈمی میں اور اکیڈمی کے باہر بطور قول
 فیصل کے پنڈت جواہر لال نہرو نہایت قابلیت مگر نہایت ٹھنڈے دل سے اس
 مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر ڈال چکے ہیں اور انہوں نے ”ہری پورہ کانگریس“ کے پلیٹ
 فارم سے اس مسئلہ پر اظہار خیال فرما کے اس کی اہمیت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔
 ”مسٹر سہائش بوس رومن حروف کے رواج کے حامی ہیں“ یہ آواز تمام ملک میں
 گونج رہی ہے اس مسئلہ پر جو آوازیں کمزور آدمیوں کی طرف سے اٹھتی تھیں، انکو
 کوئی وقعت نہیں دی جاتی تھی لیکن جب ایک بڑے گرجہ کے بڑے آگن کی عظمت
 آواز سے دہی لے لے کر رہی ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ عقیدت و احترام سے سنی جائیگی
 خاتمہ کلام | میں خاتمہ کلام پر اردو اور ہندی کے ہم گیر اثر کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں۔
 اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ وہ زبان جسے اردو کہتے یا ہندی، یا اصل جو یا نہ طریقہ سے
 ہندوستانی اس ملک کے ایک بڑے حصہ پر چھپائی ہوئی ہے اور چھپاتی جاتی
 فیڈریشن اردو | ہے۔ لیکن میرا عقیدہ ہے کہ ہندوستان
 میں نہ بان کا بھی فیڈریشن (ہندوستان) ہو گا لیکن فیڈریشن
 ہوں گے پنجاب، سندھ۔ صوبہ سرحد، اردو کے فیڈریشن میں شامل ہوں گے، یہاں
 اردو حاکم اعلیٰ ہوگی۔ مقامی حکومت خود اختیاری، پنجاب میں پنجابی کو سندھ میں
 سندھی کو صوبہ سرحد میں پشتو کو دی جائیگی۔ بلوچستان کے متعلق میں کوئی رائے
 قائم نہیں کر سکتا کہ آیا وہ اس فیڈریشن میں شامل ہو گا یا نہیں۔

ہندی فیڈریشن اور دوسرا ہندی کا فیڈریشن ہو گا اس میں ممالک متوسطہ ہمارا اسٹراٹیجی، شامل ہوں گے۔ ہمارا صوبہ اور بہار ہندی کے فیڈریشن میں ہو گا، مگر اردو کا فیڈریشن یہاں حملہ آور رہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ یہاں لسانی طوائف الملوکی اور *Anglo-Indian* کے مسئلہ ہے جس طرح بلوچستان کے متعلق بھی میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔

بلوچستان کا اردو کے فیڈریشن میں شامل ہونا اس لیے مشتبہ ہے کہ وہاں زبان و لسان کے بارے میں کوئی احساس، کوئی بیداری نہیں۔

بنگال کی حالت اس کے بالکل خلاف ہے، وہاں خودداری کا احساس اس قدر تیز ہے کہ بنگالی ہندی کے فیڈریشن میں شامل ہونا اپنی کسر شان سمجھے گا۔ جنوبی ہند ان دونوں فیڈریشنوں سے کلیتاً آزاد رہے گا۔ مسٹر گوپال چاؤہ جنوبی ہند میں ہندی کی ترویج کی کوشش کر رہے ہیں مگر "اینٹی ہندی" کا نفرت کے قیام نے انہیں ثابت کر دیا ہو گا کہ وہ جنوبی ہند میں بہ جبر ہندی کو رواج نہیں لے سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ گوہندو مذہب کی وجہ سے ہندو معاشرت کا اثر وہاں طوی ہے اور سنسکرت لٹریچر وہاں عقیدت اور شوق سے پڑھا جاتا ہے لیکن چونکہ وہاں کی زبانیں "ڈراویدین" ہیں وہ اپنے کو ہندی سے بالکل علیحدہ اور دور پاتی ہیں۔ رسم الخط الفاظ، گرامر، جریز علیحدہ ہے۔

صوبہ سرحد کے اس بدنام اینٹی ہندی سرکلر ہی کو لیجئے جس کی وجہ سے اخبارات کے سیکڑوں کالم سیاہ ہوئے اور سیکڑوں پرنٹسٹرز و لٹیشن پاس ہوئے۔ نتیجہ کیا ہوا۔ سرحد میں نہ ہندی رہی نہ اردو وہاں کی اسمبلی کے ایک مینٹلسٹ نے یہ

رزدیوشن اسمبلی میں پیش کر دیا ہے کہ وہاں کی مادری زبان پشتو ہے۔ لہذا وہاں زردیو تعلیم پشتو ہو۔

میں نے جو یہ کہا صوبہ سرحد اور پنجاب۔ دستدھ میں غالباً اردو کامیاب ہوگی یہ اس بنا پر کہا ہے کہ وہاں کے باشندے (میں اکثریت کا ذکر رہا۔ ہوں) جس رسم الخط میں اپنی اپنی زبان پڑھتے لکھتے ہیں وہ وہی رسم الخط ہے جس میں اردو لکھی جاتی ہے علاوہ ازیں ان کی زبانوں میں فارسی اور عربی الفاظ اُسی نسبت سے شامل ہیں جس نسبت سے کاردو میں اس لیے کہ وہ اردو کو بمقابلہ ہندی کے اپنی زبان کے قریب تر پائیں گے۔

اسی بنا پر صوبہ متوسط، برآر۔ بمبئی۔ ہمارا سٹرا کے لوگ ہندی کو اپنی زبان کے قریب تر پائیں گے۔

غرض کہ ہر جگہ جہاں ہندی کامیاب ہوگی وہاں چاہیے کہ اردو بھی کامیاب ہو اسی طرح جہاں اردو نے گھر کر لیا وہاں ہندی بھی داخل ہوگی! مگر اس کا رہنے والا جو ٹیلیگراف یا کناری یا تلام یا لم بولتا ہے جب ہندی بولنے اور پڑھنے لگے گا تو کیا وہ اردو نہیں سمجھے گا؟

میں نے آپ کا بہت وقت لیا، لیکن میں نے سوچا کہ جب آپ نے موقع دیا تو کیوں اُس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں! پھر ایسا موقع ہا تھا آئے نہ آئے۔ دل کی بھڑاس تو نکال لوں۔

انتیس جمع ہیں احباب، درد دل کدے

بھرا التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

یہ باب میں نے قصداً تالیف کیا ہے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ اردو کی مخالفت (اور موافقت) کس منظم طریقہ سے کی جا رہی ہے جب سے ملک کے سب سے زیادہ مشہور شخص مسٹر گاندھی نے اردو کو چھوڑ کر ایک ایسی زبان استعمال کرنا شروع کی جس کی کوئی تعریف ایک عرصہ تک یا تو نہ ہو سکی یا انھوں نے کرنا نہ چاہی اسی وقت سے ملک کی عام زبان کی تلاش شروع ہو گئی بڑی مدت کے بعد انھوں نے اردو کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کی کہ وہ قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے اس لئے اُن کے لیے ناقابل قبول ہے۔ اتنا کہنا تھا کہ ہندو عوام نے اردو کو خالص اسلامی زبان ٹھہرا کر اس سے منہ موڑنا شروع کیا۔ لیکن اس کتاب کے دیکھنے کے بعد غالباً برادران وطن کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقع ملے گا۔ اور وہ ہر چیز کو سیاسی زاویہ نگاہ سے دیکھنا پسند نہ کریں گے۔ اور یہ بات محسوس کریں گے کہ اردو مسلمانوں کی متحدہ کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ہندو مسلم اتحاد کا پیش خیمہ ہے اور اس زبان کو پریم چند، جگجیوت سنگھ، پنڈت جاند لال پوری، کشن پرشاد کول، منوہر لال دتھی، رائے صاحب یازن، نگم، رائے صاحب شہجودیاں بھٹاگر، فراق، مدھوش، ملا، اور سب سے زیادہ محسن ادب رائٹ آرنیبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرد کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے! کیا یہ کوئی کم اعزاز ہے!

مسٹر گاندھی کی پندت ہیں۔ محسن ادب ڈاکٹر تیج بہادر سپرد کے غرض ہیں۔ اقبال کے زبردست معرفت ہیں آپ کی رفیقہ حیات بھی اردو کی بلند پایہ شاعرہ ہیں۔

اگر اردو ادب کی ترویج و اشاعت میں مسلمانوں نے ہندوؤں کی اعانت کی ہے تو ہندوستانی مسلمان اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے اور نہ اس گراں بہا احسان سے کبھی بھی عمدہ برآ ہو سکتے ہیں کہ اسلامی درسیات اردو ادب کا اور دیگر مذہبی علوم و فنون کی تبلیغ و اشاعت میں منشی نو لکشوریسی - آئی - ای کی جو درخشاں خدمات مسلم ہیں وہ بحیثیت مجموعی کوئی مسلمان (انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے) سہرا انجام نہ دے سکا۔ یقین کیجئے منشی نو لکشور کا زاویہ نگاہ تنگ نہ تھا وہ خود محنت کے عادی تھے اور جو ہر شناس بھی اور یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ سے ان کے مطبع کو مسلمان با کمال ادبا اور شعراء سے قریبی تعلق رہا ہے۔ اگر آپ کو صف ادبی میں منشی امیر اللہ تسلیم - مولانا تسلیم سہسوانی - مولانا پادری علی - اشک - مولانا عبد الحمید قحیر کا کوہی - نسیم دہلوی کی مشہور شخصیت نظر آتی ہیں تو دودھ وسطیٰ میں مولانا عبد الحل علی آسی مد راسی - مرزا حیرت دہلوی - سید جالب دہلوی

لے ثبوت یہ ہے کہ لکھنؤ میں یہ مشہور ہے کہ جس قدر حفاظ - محدث - مؤرخ - ادیب اس مطبع میں تھے ہندوستان کے کسی دوسرے مطبع کو نصیب نہوئے اور جس وقت کلام پاک کی طباعت شروع ہوتی تھی تو منشی نو لکشور کا حکم تھا کہ معیج سے لیکر پریس میں تک طہارت کاملہ سے آراستہ ہو کلام شروع کریں گو مسلمان یہ کہتے ہیں کہ منشی نو لکشور کی روز افزوں ترقی اور جاہ و اقبال میں اس خلوص کو بڑا دخل تھا لیکن چند ممتاز ہندو بزرگوں کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا ہے کہ جو احترام بزرگان دین کا منشی نو لکشور کرتے تھے وہ بہت سے مسلمان بھی نہیں کر سکتے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ کلام پاک کی اشاعت میں منشی نو لکشور کی خدمات ہر آئینہ درخشاں ہیں۔

مولانا امیر علی طبع آبادی۔ منشی احمد علی کاتل۔ مرزا نادر حسین جنوں۔ مولوی محسن علی
 و مولوی امیر حسن کا کوروی بھی اس مطبع سے منوبل رہے ہیں درود در آخر میں مرزا محمد عسکری
 مولانا عبد الباقی آتشی۔ مرزا یاس چنگیزی عظیم آبادی۔ قاضی عبد العزیز عزیز۔ پیر زادہ
 فدا حسین۔ مسٹر نور الحسن۔ اور مسٹر شوکت تھانوی کے رشحات قلم سے مطبع برابر مستفید
 ہونا رہا ہے اور آج بھی مولانا امید ایٹھوی اور مسٹر امین سلووی۔ قاضی نصیر الدین
 وغیرہ کی خدمات ادبی سے ملک کو برابر فائدہ پہنچ رہا ہے جو ہر آئینہ اس مطبع کا،
 فیض جاری سمجھنا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں دہلی کے منشی بلاقی داس کا بھی تذکرہ کیا
 جاسکتا ہے منشی بلاقی داس بھی کلام پاک کی طباعت میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔
 حضرت حقیقت آگاہ شریعت پناہ مصور فطرت خواہ حسن نظامی صاحب دہلوی
 کا صداقت نامہ ملاحظہ کیجئے۔

وہ ہندو ہونے کے باوجود قرآن مجید کی طباعت میں اس قدر احتیاط اور ادب
 ملحوظ رکھتے تھے کہ کسی ہلمان سے بھی اتنا ادب شاید نہ ہو سکتا ہو گا یہاں تک کہ جس
 گودام میں مطبوعہ قرآن مجید رکھے جاتے تھے اس کی چھت برائیک بالافانہ بھی تھا مگر
 منشی بلاقی داس نے اس بالافانہ کے زینہ کو مقفل کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ
 جب تک قرآن مجید اس مکان کے اندر ہیں اور پرکامکان کوئی شخص استعمال
 نہ کرے تاکہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہ ہو۔

قرآن مجید کی طباعت کے وقت بکثرت اور ارق چھپائی کی خرابی کے سبب
 منشی بلاقی داس کے ہاں ردی ہو گئے تھے انھوں نے اس ردی کو بھی بہت
 ادب اور عزت سے ایک جگہ محفوظ رکھا تھا۔ اور جب اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان

حضور نظام کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے آٹھ ہزار روپیہ منشی بلاتی داس کو

دیکھ کر وہ تمام ادراک متبرک ان سے لے لیے گئے

غالباً یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ملک کا پہلا روزنامہ نو لکھنؤ سے شائع ہونا شروع ہوا جو
 مجدد آج بھی اپنے مقدس بانی کی یاد کو تازہ کر رہا ہے اور عروج و زوال کے مدارج طے
 کرتے ہوئے ۸۰ ویں سال میں قدم رکھا ہے اپنے معاصرین میں اس عمر کا ادوہ اخبار ہی
 پہلا روزنامہ ہے جو اپنی اس پالیسی پر جو اس کے بانی نے مقرر کی ہے اور آج بھی باوجود
 امتداد زمانہ اور ملک میں متعدد سیاسی مخالف ہواؤں کے وہ اپنے "موروثی" عظمت
 و وقار کو قائم کئے ہوئے ہے اور دستہ بہ دستہ - بسنت - ہوتی - اور عیدین کے مبارک موقعوں
 پر اس کے سردار رنگین شائع ہوتے ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کے درس دیرینہ کو ملک کے
 گوشہ گوشہ میں پہنچا کر منشی نو لکھنؤ کی روح کو خوش کرتا ہے۔ یہی ایک ایسا اخبار ہے
 جس کی ادارت ہمیشہ سے ملک کے ممتاز اداکار تھے چلے آتے ہیں اور آج بھی اسکی
 ادارت مسٹر دین دیال ماتھری - لے کے سپرد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دور حاضر میں ادوہ
 جس قدر عمدہ طریقہ سے شائع ہو رہا ہے وہ اس کے دیگر معاصرین میں عنقا ہے۔ اس کا
 سہرا یقیناً بھی مسٹر دین دیال ماتھری کے سر ہے۔ اور ضامن آزاد اسی مطلع سے طلوع ہو کر
 دنیا سے ادب کو مسرور کر چکا ہے۔ اسی سلسلہ میں لکھنؤ کے ایک اور قابل ذکر ہستی کا بھی ذکر
 کرنا ہے جنھوں نے سب سے پہلے آزاد سیاسی اخبار لکھنؤ سے نکالا تھا اور جس اخبار
 کا نام ہندوستانی تھا۔ اس شہید ادب کا نام گنگا پرشاد دبرا تھا جو ہندوستانی کے
 ۱۹۰۰ ہندوادیوں میں منشی نیشن رائے زرد - نو بہت رائے نظر - منشی عینی چرن ساہن دہلی اسکپٹر
 مدراس - پیارے لال شکر - منشی پریم چند وغیرہ مشاہیر کا تعلق اسی مطلع سے رہا ہے۔

اڈیشہ تھے۔ ہندوستان شاید اب بھی جاری ہے لیکن اس کے شباب کی بہاریں ختم ہو چکی ہیں۔ منشی نو لکھنؤ خود صبح معنوں میں اُردو کے ادیب تھے مرزا غالب سے ملاقات کیلئے دہلی گئے تھے اور ان کی چند تصنیفات کے شائع کرنے کی اجازت مانگی۔ مرزا غالب اس ملاقات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کا تذکرہ اُردو مسئلے میں کیا اور بطیب خاطر ان کو اجازت بھی عطا کی۔

اس سلسلہ میں لکھنؤ کے منشی مہادیو پرشاد لاہور کے رائے صاحب منشی گلاب سنگھ اور الہ آباد کے انڈین پریس کاندھ کرنا بھی ناگزیر ہے۔ جنھوں نے منشی نو لکھنؤ ^{۱۸۷۵} اور منشی ^{۱۸۷۵} آج کل کے نوجوانوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ منشی نو لکھنؤ کی ابتدائی زندگی عیش و آرام سے گزری بلکہ شروع میں سرکاری فارم چھاپا کرتے تھے اور اپنے کاندھے پر فارم رکھ کر چھاپی کمشنر کا قفس پھونچا دیا کرتے تھے ان کے احباب میں ایک بزرگ مولوی جس بھی تھے جن کا تاریخی نام منظور احمد (۱۷۴۵) تھا تعلیم و تربیت اپنے بڑے بھائی مولوی محمد محسن سے پائی۔ سرکاریوں۔ سب جی (صدر اعلیٰ) کے عہدہ سے دفیض یاب ہوئے۔ ریاست بھوپال میں انگریزی حکومت کی جانب سے انگریزی نائب وزیر دیوانی و نویداری مقرر ہوئے۔ ۸ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ بمطابق کا کوری بھارنہ بنجارہ رعلت کی۔ انھوں نے منشی نو لکھنؤ کو صلاح دی کہ تم کلام مجید کے سبیلے شائع کرنا شروع کر دو انشاء اللہ تم کو فائدہ ہوگا منشی نو لکھنؤ نے مالی اعانت کے متعلق گفتگو کی و دونوں کے مذاق میں مناسبت تھی اس لیے مولوی محمد احسن نے وعدہ معلوم کیا کہ امداد کی۔ جس کا علم مولوی محمد احسن کے احقا میں کسی کو نہیں ہے جب منشی محمد احسن بارہ بنکی میں صدر اعلیٰ تھے تو منشی نو لکھنؤ نے اصرار کیا کہ جو رقم آپ نے دی تھی وہ آپ کے لیے لیجئے لیکن مولوی محمد احسن نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے یہ رقم حقیر بطور قرض نہ دی تھی بلکہ اپنے ہی ادب پر خرچ کر دی تھی۔

بلاقی داس دہلوی کے نقش قدم پر چل کر مشرقی ادبیات کی سرپرستی کرتے ہوئے ترویج و اشاعت میں حصہ لیا۔

انڈین پریس الہ آباد کا بہت پرانا مطبع ہے اس کے مالک مسٹر ہری کیشو رکھوش اور ان کے بھائی ہری پرشن گھوش کو اردو ادب سے بڑا تعلق ہے اردو ادبیات کی دیدہ زیبی سے اشاعت میں ان کا خاص حصہ ہے عرصہ تک اس مطبع کو لسان العصر اکبر الہ آبادی کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا ہے مولانا صغر حسین گونڈوی صاحب سرد زندگی۔ پیائے لال شاکر میرٹھی۔ سید حامد علی۔ پروفیسر حامد اللہ افسر۔ مسٹر وقار عظیم کا بھی اس مطبع سے بہت گہرا تعلق رہا ہے۔ اب بھی اس دور میں منشی علی عباس حسینی۔ مسٹر تقی احمد کا کوردی۔ خانصاحب مولوی منیار الحسن صاحب علوی انسپکٹر عربی مدارس کا کسی نہ کسی طریقہ سے اس دارالاشاعت سے تعلق قائم ہے آج کل انڈین پریس سے الف لیلا کا مصور اڈیشن شائع ہو رہا ہے جس کو خانصاحب مولوی منیار الحسن صاحب علوی نے اصل مآخذوں سے تلاش کر کے مرتب کیا ہے۔ اس نادر کتاب کی اشاعت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۷) آخر میں منشی نوکشور نے کہا کہ اچھا اپنے والد ماجد مولوی ابوالحسن حسن علوی کی بے نظیر تالیف تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء جھکوعنا یت کیجئے میں اس کو شائع کر دوں گا چنانچہ مولوی محمد احسن نے وہ ضخیم کتاب جو دو حصوں میں تقریباً تین ہزار صفحات میں بڑی تقطیع پر ہے منشی نوکشور کو دیدی وہ کتاب مطبع نوکشور سے حنائی کاغذ پر شائع ہوئی ہے اور اس کے مندرجہ ذیل کے ناشرین مولوی محمد احسن کی اولاد و احفاد کو بھیج دیئے گئے۔ یہ تھا حقیقی ہندو مسلم اتحاد۔

برادر صاحب قیلم خانصاحب مولوی منیار الحسن صاحب علوی کا کوردی ایم۔ اے۔ (علیگ) نذرہ العلماء کے پہلے فارغ التحصیل طالب علم ہیں۔ آپ عبرانی۔ سریانی۔ و عربی زبانوں کے ماہر ہیں۔

کے بعد انڈین پریس کی شہرت کا ستارہ بہت بلند ہو جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ اردو ادبیات میں اس ادویشن کی اشاعت سے بہت سی نئی راہیں کھل جائیں گی۔ ہندوستان کے بہترین رسالے۔ ادیب۔ العصر۔ اور بچوں کا اخبار۔ بچوں کی دنیا اسی دارالاشاعت سے نکلتے تھے۔

انڈین پریس کے علاوہ آباد میں تین مطابع نیشنل پریس۔ اگر دال پریس اور شانتی پریس کے نام سے ادبیات اردو کی نشر و اشاعت کے لیے مشہور ہیں۔ نیشنل پریس کو لاہور ام ٹرائن اگر دال کی منجری میں کافی عروج حاصل ہوا ہے اس مطبع کو ڈاکٹر جی زبید احمد اور طالب آبادی کے قیمتی مشورہ حاصل ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸) مولانا فاروق جویا کوئی اور سائنس دان تمام المودیس علامہ شبلی نعمانی سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ خاموش کام کرنے والے ہیں نام و نمود سے دور بھاگتے ہیں آج کل حکمت تعلیمات میں شعبہ السنہ شرفیہ کے اہر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں الف لیلہ کا ترجمہ مولوی ضیاء الحسن کالافانی ادبی کارنامہ ہے جسے آنے والی نسلیں ہمیشہ محبت و احترام سے یاد کریں گی آپ کے مضامین کا انتخاب بھی انڈین پریس سے شائع ہونے والا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت علی مرتضیٰ خلیفہ چارم تک پہنچتا ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۲۹۹ھ میں ہوئی ہے آپ کی تصانیف میں الاتوار المنجیۃ من ریاض فیردان والفرطہ نبات الطرب من آغاثی الغرب بہت مشہور ہیں جن خطاطی میں بھی ایک بے نظیر کتاب آپ کی یادگار ہے۔ آپ کی مغربی تعلیم مدرسۃ العلوم علیگڑہ میں ہوئی ہے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی حسن بن ضیاء صاحب علوم بھی ہونما و فوجان ادیب ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ اردو ادب کو وہ نالا ملے گا اور اپنے محبوبے سہرے قصبہ ”کاگوری“ کی عظمت و اہمیت کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔

اگر دال پر ہیں۔ اگر دال قوم کے متحدہ قومی پیش کش کا نتیجہ ہے زیادہ تر اردو دوسری کتابیں شائع ہوتی ہیں مولوی مقبول احمد صدائی کا اس مطبع سے تعلق ہے۔

شائق پر ہیں کے مالک رائے صاحب لالہ رام دیال ہیں اس مطبع سے اردو زبان کی بڑی بڑی خدمات ہوتی رہی ہیں۔ مولانا محمد رفیع صدیقی، بخنوری سابق پروفیسر لنگ کرچین کالج، مولانا انوار الحق پروفیسر ایوانگ، کرچین کالج، مولانا کیفی چربا کوٹی کا اسی مطبع سے تعلق رہا ہے۔ آجکل بھی مسٹر حسن بن قنیہا، علوی اور مسٹر صدیقی احمد صدیقی کا تعلق اسی مطبع ہے۔ مسٹر حسن کی دو کتابیں ہیں۔ پاس و فا اور دمبار تہجیٹ۔ اردو ادب میں کافی مشہور ہیں مسٹر حسن وقتاً فوقتاً اس مطبع کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔

حضرات یہ کس قدر انہوس ناک واقعہ ہے کہ آج تقریباً نصف درجن سے زائد تہ کرے اردو زبان کے انگریزی اور اردو میں شائع ہو چکے ہیں لیکن کہیں بھی منشی نوکشور کی بے لوث خدمات کا اعتراف فراخ دلی سے نظر نہیں آتا۔ بلکہ حیرت پر حیرت جدید تہ کرہ نگاروں نے خدا معلوم کن مصالح کی بنا پر لالہ سری رام (خجنانہ جاوید) دیا زائن نگم (زمانہ) پروفیسر گھوشال ایم۔ اے (بھوپال) منشی پریم چند ہاشمہ سدر (چندن) مولوی جیش پرشاد (بنارس) محسن ادب رائٹ انریبل سر تیج بہادر سپرو پنڈت منوہر لال دتشی پنڈت کشن پرشاد کول۔ ڈاکٹر تارا چند (الہ آباد) مسٹر شنکر کمار بھٹناگر۔ مسٹر فراق۔ مسٹر منیاب۔ مسٹر بکرم۔ مسٹر جہان۔ مسٹر شاگر۔ پروفیسر ہوش۔ وحشی محمد دم۔ رائے صاحب شہبھو دیال بھٹناگر۔ تارا شنکر ناشاد۔ ٹھاکر چندر تھویشن سنگھ۔ مسٹر جے۔ آر۔ رائے جرنلسٹ۔ دھیراج پرکاش کشتہ۔ رام سروپ بھٹناگر۔ پرینپل دیوان چند۔ گوہند پرشاد۔ ایم۔ اے۔ کرشن سروپ۔ پنڈت صاحب پرشاد دودیدی۔

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ۔ مرثیہ شیوہرت لال دین۔ پنڈت چاند لال ہوسی۔ مسٹر مگدیش سہاسی سکینہ
ہماشے جہنی سرشار۔ سرودش۔ طالب پکوالی۔ اندر جیت شرما۔ قتیبا فوج آبادی جگموج ناتھ
ربینہ شوق۔ کانٹی سروپ کیف۔ دوار کا پرشاد گھر۔ پنڈت انند ترانن تلا۔ پر بھان شنکر
چودھری۔ چودھری ہر دیال شوق۔ بشیشور پرشاد منوہ۔ لکھنوی۔ منشی عیسیٰ چرن
منشی کرشن سروپ کی خالص ادبی خدمات کا بھی اعتراف نہیں کیا !

کیا آپ اس کھلی ہوئی حقیقت سے انکار کو تعصب کے برے نام سے تعبیر
نہ کریں گے ؟ میری رائے میں تو ان حضرات نے بڑی پامردی سے مدینہ ادب کی
آبیاری کی ہے کیا اس کا صلہ ہی ہے کہ آپ ان کا تذکرہ بھی معیوب تصور کرتے

ہیں ؟ اس لیے میری رائے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ زبان اردو کی ایک جدید
تاریخ ادبیات اردو مرتب کی جائے تاکہ آئندہ نفاق و شقاق کا دروازہ بند ہو جائے

لے گوالیار کی سبھا میں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ ایک ذمہ دار کمیٹی گوالیار کی ہرزم ادب
کی جانب سے مقرر کی جائے جو غالباً سال بھر میں ایک مختصر لیکن جامع تاریخ ادبیات اردو
دنیا کے ادب کے سامنے پیش کر سکے ممکن ہے کہ میں نے اس وقت اس کمیٹی کے نام پیش کرنے
میں کچھ زیادتی کی ہو لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو نام میں نے پیش کیے تھے

وہ ملک میں کافی روشناس تھے اور ان کے ذوق ادب پر پورا بھروسہ کیا جاسکتا تھا۔
کہ اگر وہ ملک کی خاطر بغیر کسی معاوضہ کے ایک ایک دور منتخب کر لیتے اور کسی مستند ہرزم آد
کو بھیج دیتے تو میرے خیال میں یہ کام مفید بھی ہوتا اور ایک سال کی مختصر مدت میں تاریخ
ادبیات اردو تیار ہو جاتی۔ افسوس یہ ہے کہ اس فہرست میں اب سائنس دانوں اور محققین کی کمی
ماہرین الفنا و اعراس در منشی پریم چند ہماری مجلس میں موجود نہیں ہیں اور ان کی جگہ ہم کر دے

اب میں اپنے محترم بھائی خان بہادر نواب مرزا جعفر علی خان صاحب آسٹراہیم۔ بی۔ای
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) ناموں کا انتخاب کرنا ہوگا۔ بہر حال میں بایوس نہیں ہوں اور میری
نگاہیں انجمن ترقی اُردو۔ ہندوستانی ایکادمی۔ اور دارالمصنفین کی طرف لگی ہوئی ہیں۔
اور مجھ کو یقین کامل ہے کہ انشاء اللہ ملک منیری تحریک کی تائید کرے گا۔ اور سب سے
زیادہ مخدوم ادب ڈاکٹر مولانا عبدالحی اس طرف جلد توجہ فرمائیں گے وہ فرست حسب
ذیل ہے۔

- (۱) علامہ نور الحسن تیرمرہم مولف نوز اللغات صدر
- (۲) مولانا نیاز فقہوری ایڈیٹر نگار۔ رکن
- (۳) پیٹنٹ منو ہر لال دتشی۔ ایم۔ اے لکھنؤ۔
- (۴) مولانا عبدالحی بی۔ اے۔ انجمن ترقی اُردو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
- (۵) مولانا عبد السلام دارالمصنفین اعظم گڑھ
- (۶) مسٹر رشید احمد صدیقی ایم۔ اے (علیگ) جامعہ علیگڑھ
- (۷) ڈاکٹر تارا چند ڈی فل (جامعہ الہ آباد)
- (۸) سید مسعود حسن رضوی ایم۔ اے ادیب (جامعہ لکھنؤ)
- (۹) ششی پریم چند مرحوم۔ بنارس
- (۱۰) مولانا فضل الحسن حسرت موہانی بی۔ اے (علیگ) ایڈیٹر اردو اے مغللی کانپور
- (۱۱) ڈاکٹر محی الدین قادری زور۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد
- (۱۲) مولانا خواجہ حسن نظامی۔ اردو کلب نظام الدین دہلی
- (۱۳) پروفیسر محمود شیروانی (جامعہ پنجاب)

کی اس دعا پر اس کتاب کو ختم کر لیں ۵

یارب ایسی صورت بھلے
غفلت بیداری سے بدلے
اس طرح یہ دودل مل جائیں
غیر ان کی دنیا کی قسم کھائیں
ہو دور نفاق اور میل بڑھے
اک بار منڈھے پھر میل بڑھے
یہ دن مل جائیں مصیبت کے
پھر سوکھے دھاتوں پانی ٹھٹھے
مٹی میں گر لی عظمت مل جائے
پھر کھوئی ہوئی دولت مل جائے
یہ روپ سنگار وطن کا ہو
جو تازہ عروس چین کا ہو
سب اسکے سہاگ کی لاج کریں
کیوں اٹھ رہے کل پر آج کریں !

ہو دور دنیا ہو عہد دنیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) (۱۴) منشی امیر احمد علوی - بی۔ اے صاحب یادگار انیس لکھنؤ - دکن
(۱۵) منشی دیانرائن نگم - بی۔ اے - ایڈیٹر زمانہ - کانپور -
(۱۶) ڈاکٹر ذاکر حسین - ایم اے پی - ایچ ڈی (جامعہ ملیہ)
(۱۷) ڈاکٹر ضیاء عباس ہاشمی
سکرٹری

اس فرست میں مزید اضافہ کے لیے حسب ذیل نام اور بھی پیش کر سکتا ہوں۔

(۱) سید اعجاز حسین (جامعہ الہ آباد) (۲) مولوی تمیش پریشاد (جامعہ بنارس) (۳) مسٹر رام بابو سکسینہ
(۴) مسٹر جعفر علی خاں (آزاد) (۵) ناظر کاکوروی (۶) سید حامد حسین قادری (دگر) (۷) مولوی
ظفر الملک صاحب علوی (۸) علامہ عبد الباقی آسی (مطبع نوکلشور لکھنؤ) (۹) مجنوں گور کھجوری
(۱۰) پروفیسر رگھوپتی سہائے (فران گور کھجوری) (جامعہ الہ آباد) (۱۱) مولنا محمد حسین تھوی (جامعہ بدایاں)
(۱۲) پروفیسر زور باد ظلی (۱۳) مولنا الیاس برقی (جامعہ عثمانیہ) (۱۴) علامہ برج دیپن کپنئی (دائرہ
(۱۵) مرزا محمد عسکری (لکھنؤ) (۱۶) مولوی طاہر محسن صاحب ہندی شاعری -

ضمیمہ جات

چند قدیم کتابیں (۱)

(جن کے مصنف ہندو ہیں)

(۱) اردو رسم الخط اور ہندی زبان سے اس کا تعلق - راجندر لال مہترا ۱۸۶۴ء
(رائل ایشیائک سوسائٹی بنگال - جلد ۳ صفحہ ۲۶۹ - صفحہ ۲۸۹)

(۲) برج بھاکھا کے اصول - شری لولال کب - بھاکھا منشی فرٹ دلیم کالج کلکتہ - ۱۹۱۱ء

(۳) قواعد اردو برائے طلباء دیوی پرشاد کلکتہ ۱۸۵۲ء

(۴) لغات اردو (دوسرا) متھرا پرشاد مصر - بنارس ۱۸۶۵ء

(۵) رہنمائے مترجمین قانون درگا پرشاد - بنارس ۱۸۶۹ء طبع دوم ۱۸۶۷ء

(۶) رفیق مترجم (حصہ اول) درگا پرشاد - بنارس ۱۸۸۲ء

(۷) لغت سدا سکھ لال ۱۸۶۳ء بنارس -

(۸) اردو صرف و نحو - راجندر پرشاد کانپور ۱۸۲۵ء طبع دوم یہ اضافہ الہ آباد ۱۸۶۶ء

(۹) بذاتہ القواعد - مسٹر کپسن کی قرائش پر یہ دو حصوں میں لکھی گئی تھی -

درگا پرشاد ۱۸۶۶ء

(۱۰) اردو ٹیچر (غالباً فوج کے لیے) جواہر سنگھ امبالہ ۱۸۶۳ء

(۱۱) اردو لغت ایس سنگھ لکھی رائے مدراس ۱۸۹۹ء

- [illegible]

- حصہ دوم ۱۸۶۰ء تکمیل لندن ۱۸۶۳ء دوسرا ایڈیشن ۱۸۸۹ء
 جان ڈاسن - لندن ۱۸۶۲ء - انڈین ریویو کی جلد ۵۷
 ٹی جان - پلاٹ - لندن ۱۸۶۴ء

(۲۱) اُردو - .. - انسائیکلو پیڈیا پرائیٹا کا طبع ۹ صفحہ ۸۴ - اڈمہرگ
 (۲۲) علامۃ القوائین - قواعد اردو - ریو رینڈ - اسی سیسلی مدراس ۱۸۶۴ء
 ۱۸۶۵ء - ۱۸۶۹ء

(۲۳) جامع القوائین - ۱۸۶۶ء طبع پنجم ۱۸۸۶ء
 (۲۴) اُردو گرامر - اسمتھ برس - ۱۸۹۰ء کلکتہ -
 (۲۵) فارسی اردو خط و کتابت - کیٹن - ٹی - ایچ - جی سبنت کلکتہ - ۱۸۹۳ء
 (۲۶) واسوحت اردو میں - ایچ - جانس - ۱۸۹۳ء فریدر ساکن
 (۲۷) اردو گرامر - جی - ایمال - کلکتہ - ۱۸۹۵ء
 (۲۸) مشن ان اسٹڈی آف اُردو - دوسلے ٹی ہیگ - الہ آباد - ۱۸۹۸ء
 (۲۹) اردو کا پہلا سبق - جے - جارج - ڈان - کلکتہ ۱۹۱۱ء
 (۳۰) اردو ریڈر - میجر - ایف - آر - ایچ جیبہ میں - یارک ٹاؤن ۱۹۰۵ء
 لندن - کلکتہ شملہ - بمبئی - ۱۹۰۵ء
 (۳۱) اردو ادب - ولیم میوی - آکسفورڈ - ۱۹۰۶ء
 (۳۲) خزینۃ الحادرات - لفٹنٹ کرنل ڈی - فلاٹ کلکتہ - ۱۹۱۲ء
 (۳۳) ہندوستانی زبان کے قواعد - پروفیسر زیڈ - ایل - فون لکس پناہی ۱۸۸۳ء
 (۳۴) مجمع گنج - انون کلکتہ ۱۸۴۵ء
 (۳۵) منتخبات اردو - ریو بنڈ - اسی سیل - حصہ اول دوم و سوم مدراس ۱۸۶۰ء
 (۳۶) اُردو روزمرہ - لفٹنٹ کرنل - ڈی سی - فلاٹ - کلکتہ - ۱۹۱۱ء
 (۳۷) خواب و خیال - " " " " " " " " " " " "

- (۳۸) رباعیات عالی - جی۔ اسی۔ وارڈ۔ لندن۔ ۱۹۰۴ء
 (۳۹) باغ و بہار - ایم۔ ولیم۔ لندن۔ ۱۸۵۹ء
 (۴۰) چائے لگانے کی کتاب .. لاہور ۱۸۵۴ء
 (۴۱) علم الفلاحہ - رابرٹ اس کاٹ مدن .. علیگڑھ ۱۸۶۵ء
 (۴۲) .. میجر کاربرٹ .. الہ آباد۔ ۱۸۶۹ء
 (۴۳) بحر الحکمت - ریورنڈ پارکن .. لکھنؤ۔ ۱۸۴۶ء
 (۴۴) نظام آسمانی - .. کلکتہ۔ ۱۸۳۶ء
 (۴۵) علم ہیئت - لفٹنٹ میلسن .. لکھنؤ۔ ۱۸۳۲ء
 (۴۶) بجلی کی ڈاک - جے۔ ڈبلو۔ بیل .. آگرہ۔ ۱۸۵۴ء
 (۴۷) علم حکمت - چارلس فنک .. کلکتہ۔ ۱۸۴۳ء
 (۴۸) علم انتظام بن۔ ناسو ولیم ستر۔ .. علیگڑھ۔ ۱۸۸۲ء
 (۴۹) مقاصد العلوم۔ لارڈ برڈم۔ .. ۱۸۴۲ء

چند شعرا و دار کے حافظے

نام شاعر عمد

(۱) شہاب الدین غوری ۱۱۹۳ء چند کوئی شاعر

(۲) ناصر الدین محمود خلجی سے غیاث الدین تغلق تک

۱۳۲۵-۱۲۵۱ھ

۱۲۴۳ء .. ۱۳۲۵ء

(۳) شہنشاہ بابر ۱۵۳۰ء-۱۵۲۶ء

(۴) سکندر لودھی ۱۵۵۹ء - ۱۵۵۵ء کیر داس دگر و نانک -

(۵) شیر شاہ سوری ۱۵۴۰ء - ۱۵۴۵ء ملک محمد باگٹی -

شہنشاہ اکبر اعظم ۱۵۵۶ء - ۱۶۰۵ء تلسی داس و سوز داس -

(۶) جہانگیر ۱۶۰۵ء سے ۱۶۲۷ء تک

ابراہیم عادل شاہ ثانی - سلطان محمد قلی - سلطان محمد قطب شاہ -
خاکی - نوری - غواصی -

(۸) شاہ جہاں ۱۶۲۸ء سے ۱۶۶۶ء تک

سلطان عبد اللہ قطب شاہی - نصیری - ابن شاطی -

(۹) اورنگ زیب ۱۶۵۷ء سے ۱۷۰۷ء تک

ابوالحسن نانا شاہ - ہاشمی بیجا پوری - بیچارہ دکنی - خوشنود دکنی -

سعدی کاکور دی - عزیز اللہ دکنی - عوفی دکنی - قتاد دکنی -

لطیفی دکنی - ملک دکنی - ہر علی دکنی - ہاشمی دکنی -

ہاتف دکنی - شاہی دکنی - مرزا دکنی - فطرت مولوی - نامی دکنی -

نوری دکنی - افضل دکنی -

(۱۰) اورنگ زیب کا آخری عہد

روحی دکنی - دلی دکنی - ۱۰۷۹ تا ۱۱۵۵

۱۱ بہادر شاہ ۱۶۰۷ء سے ۱۶۱۳ء { پہلا دور

۱۲ جہاندار شاہ ۱۶۱۳ء سے ۱۶۱۶ء

۱۳ فرخ سیر ۱۶۱۳ء سے ۱۶۱۹ء { دوسرا دور

- ۱۲ محمد شاہ ۱۶۱۹ء سے ۱۶۴۸ء
 ۱۵ احمد شاہ ۱۶۴۸ء سے ۱۶۵۲ء
 ۱۶ عالمگیر ثانی ۱۶۵۲ء سے ۱۶۵۸ء

تیسرا دور

۱۷ شاہ عالم ۱۶۵۹ء سے ۱۸۰۶ء تک
 فقیر اللہ آزاد - وکھن - فراخی دکھن - احمد گجراتی - سراج دکھن - دواد کھن
 عزت دکھن - شاہ مبارک آرزو - حاتم - مضمون - یکرنگ - مغان
 کلیم دہلوی - سودا - میر - درد - سوز - مرزا نظیر - قائم - ضیا
 یقین - احسن اللہ بیال - تاباں - فراق - حزیں - اثر - ہدایت
 حسن - افسوس - لطف - جنت

۱۸ اکبر شاہ ثانی ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۷ء - رنگیں -

۱۹ بہادر شاہ ظفر ۱۸۳۷ء سے ۱۸۵۷ء تک

نصیر - ممنون - مومن - مومن - ذوق - نسیم - غالب - ظہیر - جرات -
 افتخار - راتنج - رند - معصی - ناتنج - مسرور کاکوروی - آتش - خواجہ وزیر
 - آغا جوجو شہر - برق - رنگ - تسکین - شیفہ - آزاد - ذکی -
 میر مینائی - داغ - حالی - انور - اسیر -

۲۰ عہد وکٹوریہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۷ء تک

امیر تسلیم - جلال - منیر - سالک - ریاض - شاد - شاہ تراب کاکوروی
 نظم - انیس - دبیر - شرر - مضطر خیر آبادی - حالی - جلیل مانگپوری -
 شبلی - حفیظ جونپوری - اکبر محسن کاکوروی -

(۲۱) عہد ایدو در ہفتم ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۰ء تک
نادر کاکوردی - سرور جہاں آبادی -

(۲۲) عہد جارج پنجم ۱۹۱۰ء سے ۱۹۳۶ء تک

چکبست - حسرت موہانی - عبد الباری آسی - سیاب اکبر آبادی - عزیز لکھنوی
نائب لکھنوی - افسر - سائل - دہلوی - ساجد دہلوی - مہر دہلوی - برقی دہلوی
محشر لکھنوی - نوح ناروی - اصغر گونڈوی - جگر مراد آبادی - فانی بدایونی -
ناطق گلشنوی - اشرف الحکما آشفتنہ لکھنوی - تلوک چند محروم - سر اج لکھنوی -
مدہوش - افسر میرٹھی - امیدا بیٹھوی - قدیر لکھنوی - نیاز فقیہوری - فطرت
داسلی - یگانہ عظیم آبادی - چاند لالہ لکھنوی - وصل بگرامی - صفی لکھنوی - بسمل
الہ آبادی - حافظ غازی پوری - نیر کاکوردی - جہون گورکھپوری - بدر غازی پوری
شکیل لکھنوی - بنیان دتہ - امین سلوڑی - عزیز الحسن مجتہب - مولنا آرزو لکھنوی - فراق گورکھپوری
اثر لکھنوی - شوکت تھانوی - جلال الدین اکبر - بگت موہن لالہ واں - جوش ملیح آبادی
مسعود دتہ - شاکر میرٹھی - فلیلہ دودائی - پنڈت اندران ملہ - سیمل - عظیم لکھنوی - شمس کاکوردی

عہد ایدو در ہفتم ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۷ء تک (۲۳) عہد جارج ششم ۱۹۳۷ء سے ۱۹۶۱ء تک
شہنشاہ حسین آدم - نواب زادہ راحت سعید چھناری - سید علی سردار جعفری - جان نثار حسین
باناک لکھنوی - مجاز دہلوی - شریانی - سید علی احمد پوری - شایق زنگ آبادی - ظفر شمیم کاکوردی - مخدوم
ورد کاکوردی - فرقت کاکوردی - تحسین الدین عیش کاکوردی - عظیم غازی پوری - عمر انصاری -
محسن اعظم لکھنوی - بیاب بریلی - نیاز سہواری - بکبر بریلی - جوش نرنج آبادی - خیا لکھنوی - مراد لکھنوی
منور لکھنوی - شوکت دھن - ادیب لکھنوی - (نوٹ) یہ دست نامہ ناقص ہے اس میں اضافہ ممکن ہے

۲۰۴

تقریباً صد نو کی کچھ مشہور تارخیں

مولانا الطاف حسین حالی کی پیدائش	۱۸۳۴ء	دکنی دھنی کی وفات	۱۷۴۶ء
محسن کاکوروی کی پیدائش	"	رحیب علی بیگ سرور کی پیدائش	۱۷۸۶ء
اردو سوسائٹی دہلی کا قیام	۱۸۴۰ء	خلافت التوائیج کی اشاعت	۱۷۸۸ء
لیلیٰ مجنوں (ہوش)	۱۸۴۴ء	آصف الدولہ کی وفات	۱۷۹۳ء
رسالہ صرف و نحو (احمد علی)	۱۸۴۵ء	چار درویش کا شائع ہونا	۱۷۹۷ء
سرشار کی ولادت	۱۸۴۶ء	غالب کی پیدائش	"
تصنیف گلزار نسیم	۱۸۴۷ء	اردو کالج کلکتہ کا قیام	۱۸۰۰ء
آثار الفنا دید کی اشاعت	"	صرف اردو کی اشاعت	۱۸۰۱ء
رسالہ صرف و نحو (صہبائی)	۱۸۴۹ء	دریائے لطافت کی اشاعت	۱۸۰۲ء
احمد علی شوق کی ولادت	۱۸۵۳ء	شاہ محمد کاظم کاکوروی کا وصال	"
نظم طباطبائی کی ولادت	"	آرائش محفل کی اشاعت	۱۸۰۳ء
شرع عشق کی اشاعت	۱۸۵۶ء	سحر البیان کی اشاعت	۱۸۰۵ء
ہنگامہ مشرق (پہلا گھان)	۱۸۵۷ء	میر تقی میر کی وفات	۱۸۰۶ء
شبلی نعمانی کی ولادت	"	سرسید احمد خان کی پیدائش	۱۸۱۷ء
منشی سجاد حسین کی ولادت	"	فسانہ عجائب کی اشاعت	۱۸۲۱ء
مولانا صفی کی ولادت	۱۸۵۹ء	نظیر اکبر آبادی کا انتقال	۱۸۳۰ء
بنادت ہند کی اشاعت	"	تقویتہ الایمان کی اشاعت	۱۸۳۱ء
		محسن الملک کی پیدائش	۱۸۳۵ء

مولانا نور الحسن نیر کی ولادت	۱۸۵۹ء	مولوی نذیر احمد کی پیدائش	۱۸۳۱ء
غوث ملت حضرت شاہ ترابعلی ترائی کا لاروی کا وصال -	۱۸۶۰ء	اردو کا عدالتی زبان مانا جانے لگا	۱۸۳۲ء
شیر کی ولادت	"	آزادی کی پیدائش	۱۸۳۳ء
رسالہ صرف و نحو (سیرت محمدیہ)	"	ذکا، اللہ خاں کی پیدائش	"
رسالہ قواعد اردو	۱۸۶۱ء	پریس کی آزادی کا اعلان	۱۸۳۶ء
خواجہ حسن نظامی کی پیدائش	۱۸۶۵ء	سب سے پہلا اردو اخبار کا اجراء	"
فنائن آزادی کی اشاعت کتابی شکل میں	۱۸۸۰ء	شبستان سرور کی اشاعت	۱۸۶۳ء
ہندو برج نرائن حکیمیت کی ولادت	۱۸۸۲ء	بے نظیر شاہ کی ولادت	"
آب حیات کی پہلی اشاعت	"	علی گڑھ سائنس کالج کا قیام	"
مرزا محمد ہادی عزیز کی ولادت	"	بہادر شاہ ظفر کی وفات	۱۸۶۴ء
اردو بی محشر کا اجراء	"	نواب کلب علی خان کا انتقال	۱۸۶۵ء
انشائے سرور کی اشاعت	"	رجب علی بیگ سرور کا انتقال	۱۸۶۷ء
آب حیات کی دوسری اشاعت	۱۸۸۳ء	اردو ہندی کا پہلا جھگڑا	"
امیر حسین اصغر گوندوی کی ولادت	۱۸۸۴ء	نبات النعش کی اشاعت	۱۸۶۸ء
برہم چند کی پیدائش	"	مرۃ العروس کی اشاعت	"
مرزا جعفر علی خان اثر کی ولادت	۱۸۸۵ء	جلیل کی ولادت	۱۸۶۹ء
انجمن پنجاب جدیدہ لکھنؤ کی کتاب کی اشاعت	"	مرۃ العروس کی اشاعت (دوسرا ادیشن)	"
ایڈیٹر نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس	"	خائب کی وفات	"
چٹاٹ سمدی کی اشاعت	۱۸۸۶ء	تہذیب الاخلاق کا اجراء	"
		ایسا صرف نورا حسین لکھاوی	۱۸۵۹ء

۱۸۶۹ء	توبۃ النصوح کی اشاعت	۱۸۸۶ء	دکندار کا اجراء
۱۸۶۲ء	میر جبر علی انیس کی وفات	"	نیاز تھوفاں نیاز فتحپوری کی ولادت
۱۸۶۳ء	درگاہ سہارن پور کی وفات	۱۸۸۶ء	آلاند مسلم لیگ کیش کا نفرین کا سہارا
۱۸۶۴ء	مرزا اسلامت علی بہر کی وفات	۱۸۸۶ء	خاتم اسلام طین احمد شاہ اختر کی وفات
"	توبۃ النصوح کی شاعت بمصر	۱۸۸۹ء	موشا عبد الباری اتشی کی ولادت
۱۸۸۵ء	درستہ العلوم علی گڑھ کی ابتدا	"	قوت انتظامیہ کی اشاعت
"	فضل الحسن حسرت موہانی کا ولادت	"	الہاموں کی اشاعت
"	مسدس حلی کی اشاعت	۱۸۹۰ء	دیوان زدوق کی اشاعت
۱۸۸۸ء	سرشار کا ادبیر ادوہ اخبار پونا	"	تقریر الاذکیا فی احوال لانیبا کی اشاعت
۱۸۸۰ء	منشی امیر محمد قاضی مصنف یادگار	۱۸۹۱ء	شہید وفا کی اشاعت
۱۸۹۳ء	انیس کی ولادت - عبت	۱۸۹۲ء	حسن انجیلنا کی اشاعت
"	مقدمہ شعر و شاعر کی پہلی اشاعت	۱۹۰۲ء	پندت رتن ناتھ سرشار کی وفات
"	ملک العزیز ورجا کی اشاعت	۱۹۰۲ء	پندت رتن ناتھ سرشار کی وفات
"	منصور موہنا کی اشاعت	۱۹۰۳-۰۲ء	رسالہ زمانہ کا اجراء
۱۸۹۵ء	کنیز فاطمہ کی اشاعت	"	انجمن ترقی اردو کا قیام
۱۸۹۶ء	دلکش کی اشاعت	۱۹۰۴ء	اردوئے معلیٰ کا اجراء
"	زیادہ حلاہ کی اشاعت	"	خندنگ نظر کا اجراء
۱۸۹۷ء	یادگار غالب کی اشاعت	۱۹۰۶ء	مسلم لیگ کی ابتدا
"	پدر النساء کی مصیبت کی اشاعت	۱۹۰۷ء	ناظر کا کوردی کی پیدائش
۱۸۹۸ء	سہر سید اعظم کا انتقال	"	محسن الملک کی وفات

ادیب کا اجراء	۱۹۰۸ء	دریا را کبری کی اشاعت	۱۸۹۸ء
عصمت کا اجراء	"	الغاروق کی اشاعت	۱۸۹۹ء
محسن کا کوری کی وفات	۱۹۰۴ء	انکینہ عبرت کی اشاعت	"
رسالہ انسان لکھنؤ کا اجراء	۱۹۰۹ء	درگیش نند کی اشاعت	"
مولانا محمد حسین آزاد کی وفات	۱۹۱۰ء	فران گو کپوری کی ولادت	"
سید غلام علی بٹال کی وفات	"	فردوس بین کی اشاعت	"
سید ذکار اللہ خان کا کی وفات	"	خلو را فلورنڈ کی اشاعت	"
کلیات ملت مولانا محمد حسن کا کوری کی اشاعت	"	امراؤ جان ادا کی اشاعت	"
منشی ویدگا سہاسی سترجنا آجاری کی وفات - العصر کا اجراء	۱۹۱۱ء	ازداد بک نیا اسکول کی اشاعت	"
نارعلی نادرا کا کوری کی وفات	۱۹۱۲ء	دلچسپ کی اشاعت	۱۹۱۰ء
شمس العلما مولانا نذیر احمد کی وفات	"	ندوة العلماء کا سنگ بنیاد	۱۹۰۱ء
مولوی عزیز مرزا کی وفات	"	مخزن کا اجراء	"
نقاد کا اجراء	۱۹۱۳ء	اردو ہندی قصہ کا آغاز ضخیم	"
سید سجاد حسین ڈیرا دہ بک کی وفات	۱۹۱۴ء	ہندی کوتا نو نامہ از حیثیت	۱۹۰۲ء
سید یحییٰ احمد ریاض خیر آبادی کی وفات	۱۹۱۴ء	منشی علی سی کی وفات	۱۹۱۲ء
آغا شمس کا شمشیری کا انتقال	۱۹۲۵ء	علامہ شبلی نعمانی کی وفات	۱۹۱۴ء
مرزا محمد ہادی خزینہ لکھنؤ کا انتقال	"	دارالاسنہین کا قیام کی اشاعت	"
علامہ راجن سیر کی وفات	"	علامہ شمس الدین کا کوری کی اشاعت	"
شاہ حبیب حیدر تلمیذ کی وفات	"	ہنگامہ مغرب اجنت علیہ	"
		مولوی عبد العظیم آسی کی وفات	۱۹۱۶ء
		شوکت شنائی کو پیرائش	۱۹۰۶ء

۱۹۱۶ء	اردو کا نفرنس کانفرنسی پلاس	۱۹۳۱ء	نماہی کا اجراء
"	معارف کا اجراء	۱۹۳۲ء	مرزا محمد ہادی رسو کی وفات
۱۹۱۸ء	صبح امید کا اجراء	"	سیدنا ذیل علی بن علی کا گورنری کا قیام
۱۹۱۹ء	حقیقت کا اجراء	۱۹۳۳ء	نظم طباطبائی کی وفات
۱۹۲۰ء	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام	۱۹۳۵ء	شمس العلیا لڑنا لڑی جیدہ کی علی کا انتقال
"	جامعہ ملیہ کا قیام	۱۹۳۶ء	علامہ راشد الخوری کی وفات
"	ادیب اردو کا اجراء	"	ہاشمہ ظفر کی شاعت - اردو پر نظم حملہ
۱۹۲۱ء	خان بہادر سید حسین علی کراچی کا انتقال	۱۹۳۷ء	سید مقبول حسین تریف لکھنؤ کی کا انتقال
۱۹۲۲ء	شمس العلیا لڑنا لڑی جیدہ کی علی کا انتقال	"	نواب نصیر حسین خیال کا انتقال
۱۹۱۸-۲۲ء	اردو کا اجراء - شکار کا اجراء	"	پریم چند کا انتقال
"	نور اللغات و سہار علیہ کی تالیف	۱۹۳۸ء	علامہ محمد اقبال کا انتقال
۱۹۲۵ء	مدیر العلوم علی گڑھ کی پچاس سالہ جوبلی	"	یوم اقبال منایا گیا
"	یا وگا را نہیں کی شاعت	۱۹۳۹ء	یوم چکبست منایا گیا
۱۹۲۶ء	عجلہ حکیم شرر کی وفات	"	یوم اردو منایا گیا
"	پنڈت برج نرائن چکبست کی وفات	"	ہنگامہ مغرب کا (دوسرا ادیشن)
۱۹۲۷ء	ہندوستانی اکادمی کا قیام	"	آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی

نوٹ - کوشش کی گئی ہے کہ یہ تاریخیں صحیح ہوں۔ لیکن اگر کسی صاحب کو کہیں غلطی نظر آئے تو ازراہ عنایت صحت فرما کر مجھ کو مطلع فرمائیں۔ یہ پہلی کوشش ہے۔ انشاء اللہ آئندہ ادیشن میں یہ غلطیاں نہ رہیں گی۔ (ناظر)

۲۰۹ سرایہ مشترک (۴)

نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شیر دانی رئیس اعظم حبیب گنج علی گڑھ نے عرضہ ہوا حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔

یہ زائد صنعت و حرفت کی ترقی کا ہے۔ گونا گوں مصنوعات سے نہ صرف بازار بلکہ گھروں

کی در و دیوار معمور ہیں اسی سلسلہ میں بہت سے معنوی مسائل کا انبار ہے جو ہماری

زندگی پر موثر ہیں۔ انھیں سکوں میں سے ایک مسئلہ ملکی زبان کا ہے۔ ایک زبان صرف

مسلمانوں کی ہے اس کا نام اردو ہے۔ دوسری ہندوؤں کی ہے جس کو ہندی کہتے

ہیں۔ ہندوستان کے چاروں گوشوں کو دیکھا، شہر، دیہات، پہاڑ اور جنگل دیکھے مگر

زبان کی تقسیم کہیں اثر پذیر نہ دیکھی۔ تذکرہ میر تقی میر اور تذکرہ میر حسن کے مطالعہ

سے صاف واضح ہے کہ ریختہ کو اردو کو، ہندی کو جو نام پا ہو رکھو۔ مگر واقعہ یہ ہے۔

کہ ہندوستان کی عام رائج زبان ہندو اور مسلمان اہل ادب کی محنت مشترک کا ثمرہ ہے

سطح ہندو آریہ تیار ہونے کے بعد جبکہ کچھ قدیم و جدید شعرا کے حالات اور بھی دستیاب ہوئے اور

کچھ ادبا کا بھی تذکرہ ان اوراق میں تشنہ نظر آیا اس لیے یہ باب تابع کیا گیا۔ گو اکثر شعرا و ادبا کے

حالات اسبق اوراق میں آچکے ہیں لیکن ان میں تفصیل کی ضرورت تھی اس لیے یہاں دوبارہ

وہی حالات مع انتخاب کلام کے پیش کیے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ حصہ بہت دلچسپی سے دیکھا

جائے گا۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ کتاب مکمل نہیں ہے لیکن پھر بھی خادان ادب کے لیے اس کتاب

کی اشاعت سے یقیناً نئی راہیں کھل جائیں گی۔ اگر زندگی ہے تو انشا اللہ آئندہ اڈیشن دیکھان میں

اس خاں کو پورا کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

ابتداء کے شاعر سی سے لے کر انتہا تک۔ اشتراک محنت عیاں ہے۔ نکات الشعراء میں
 ہاں متقدمین شعراء میں خان آرزو اور قزلباش خان امید ہیں وہاں اسے اندر رام
 تخلص اور ٹیک چند پتا بھی ہیں۔ میر حسن کے تذکرے میں بہت سے ہندو شعرا کا ذکر
 ہے جن میں بعض محکم استاد تھے۔ مثلاً رائے سرب سنگھ دیوانہ تخلص۔ اُن کی نسبت لکھا ہے
 ”شاعر زبردست فارسی ست۔ شعر بیا رنگتہ است۔ استاد ریختہ گویاں لکھو۔ چنانچہ دیا
 حسرت و میر جید علی حیران و اکثر دیگر شاگردا دیند۔ در اسجا مشہور و معروف ست۔“
 وغیرہ وغیرہ

الحاج مولانا عبدالمجید صاحب دریابادی | اس زمانہ کی سند نہیں آج کل تو باہمی
 توازن اس قدر برجم ہو رہا ہے کہ آسے دن نہ نئی ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہتی ہیں اور ہندو
 مسلمان آپس میں خون کے پیاسے نظر آتے ہیں مگر اُس زمانہ میں جب ہر چار جانب صلح و آشتی
 کا دور دورہ تھا آپس میں شیر و شکر ہو کر ملتے تھے اور فرصت کے اوقات ادبی سرگرمیوں
 میں مصروف کرتے تھے اہم بلاغوت ترویج کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں سخن کی دونوں قوموں نے
 یکساں خلوص اور کاوش کے ساتھ خدمت کی اور جانبین نے ایک دوسرے کے کمالات
 کو اعتراف اور ستائش کی نگاہوں سے دیکھا۔

آرام | منشی کھن لال کا بیٹھا نام آرام تخلص ان کا وطن مالوت شاہجاں آبار تھا لیکن
 ان کی عمر کا کچھ حصہ لکھنؤ میں بھی صرف ہوا حکیم انشا اللہ خاں صاحب انشا سے مشورہ سخن
 کرتے تھے ان کے متعلق منشی کریم الدین اپنے تذکرہ میں یہ فرماتے ہیں:-

”آرام تخلص کھن لال کا ہے جو کہ متقدمی پیشہ مرد ذریعہ اور دانا تھا اور نہایت
 تخلیق اور مودب کشادہ روا اور ہندو متعلق سخن پر انشا اللہ خاں انشا سے کرتا

تھا، اشعار متفرقہ رکھتا ہے،

ہم اُس آئینہ رومکے بھر میں کیا زیست کرتے ہیں کہ سکتے کی سی حالت ہے، نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

ہمدرد ہوا مجھ سے یہ کہتے ہوں تو یا رسے بل اُس کو بھٹاؤ زور یا کہ نہ اغیار سے بل

صاحب تذکرہ گلشن بے خاڑنے بھی ان کو ”مردِ زیرک“ کہا ہے۔

آرامِ مخلص رائے پریم نا تھا نام قوم کے کھتری تھے اور دلی کے عمائدین میں ان کا شمار

ہوتا تھا، ان کے بزرگ شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز تھے اور انکو

بھی کافی جاہ و اقتدار حاصل تھا، مگر آخر زمانہ میں دنیا کی مکر وہات کو یک قلم چھوڑ کر بندر آب

میں جا بسے تھے، سنا جاتا ہے کہ تیر اندازی اور خوشنویسی میں لاثانی تھے، کیونکہ اُس زمانہ

میں ان کمالات کی بڑی قدر کی جاتی تھی، فارسی میں بھی پوری دستگاہ تھی، اُس زبان میں

بھی طبع آزمائی کرتے تھے، ایک دیوان اُن کا شائع ہو چکا ہے جس میں دو ہزار شعر موجود ہیں

”اُن کے کلام میں کسی قسم کی ہدّت اور بلند پروازی نہیں پائی جاتی البتہ کلام میں زون

اور سادگی فرد موجود ہیں۔“

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا دل کا قرار اُچھلتا ہی رہا

کون غم خواری کرے آرام کی ایک بخنوں تھا، سو جلتا ہی رہا

۱۔ ان کا ایک شعر اور خجائے جاوید میں ملا ہے

ترسی سلکِ دُردندان کی ایسی آبداری ہے کہ جس کے سامنے پانی دُرُخوش آب بھرتے ہیں

۲۔ یہ رائے خجائے جاوید سے لی گئی ہے۔

(کاتب خانہ امیر محلِ نصیر باغ پاکواری لکھنؤ)

منشی کریم الدین ان کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں :-

”آرام تخلص رائے پریم ناتھ کھتری کا ہے۔ تیر اندازی میں دست قدرت رکھتا تھا اور

ہوشیار صاحب اقتدار تھا اور خوشنویسی میں دست رس تام یعنی خط نستعلیق اور

تھکستہ دونوں پر قادر تھا۔ اُس کے عہد میں کوئی شخص خوبی قلم اُس کی کو نہ پہنچتا تھا

اور انشا پر دازی میں قادر تھا۔ آخر عمر میں دہلی سے جا کر مومن آباد بندرا بن میں ہو کر

جائے معابد اہل ہند کی بے قیام پذیر ہوا۔ اُسی جائے فوت ہوا۔ شعر فارسی اور ریختہ

دونوں کنتا تھا۔ ایک دیوان دو ہزار شعر کا اُس سے ہے اور اشعار فارسی شمرتہ بھی ہیں“

رائے پریم ناتھ آرام کے متعلق میر حسن اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں :-

”تخلص رائے کشن ناتھ از قوم کھتری ست، قائم در تذکرہ خود نوشتہ کہ ظاہر حالش چوں

طبع فویش موزوں و موزوں فی طبعش از خوبی ظاہر افزوں، خطاط بے نظیر و کمان دار

دل پذیر، غزل فارسی بسیار بخوبی گوید، گاہ گاہ ہے فکر ریختہ ہم کی کند، از دست“

آرام۔ رائے بہادر منشی شیونرائن صاحب، سابق سکریٹری، میونسپل بورڈ اگرہ، موخرین کے

گردہ میں ایک خاص حیثیت اور رتبہ رکھتے ہیں، ان کی علمی استعداد بہت اچھی تھی، علاوہ

علوم متداولہ کے انگریزی زبان سے بھی خوب واقف تھے، ان کا وطن اکبر آباد تھا اور ان

کے مورث اعلیٰ جاہ و عزت میں کسی سے کم نہ تھے، ان کے ہمدرد منشی حبیبی دھرم حضرت غالب

منشی کریم الدین نے آرام کے کمالات کو کیسی کشادہ چینی کے ساتھ تحریر کیا ہے ۱۲

میر حسن نے آرام کا شعر منتخب کیا ہے ۱۳

آن بول نا سخن کا بیٹھا لگے ہے دل کو خاموشی اُن لبوں کی گپ چپ کی ہے مٹھائی

(ملاحظہ ہو تذکرہ میر حسن صفحہ ۵۱)

مرحوم کے نانا خواجہ غلام حسین خان کی سرکار میں متعدد دربارہ وغیرہ تھے، آرام کو غالب جیسے قادر الکلام اور لغز گو استاد کی محبت حاصل تھی اور اسی وجہ سے جو کچھ کہتے تھے بالعموم پاکیزہ اور پرمغز ہوا کرتا تھا، قصود کی طرف زیادہ رجحان تھا، اسی لیے کلام میں سنجیدگی اور وضاحت کا عنصر غالب ہے۔ غالب ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کلام ملاحظہ ہو یہ

غضب ہے مدعی جو ہو وہی پھر مدعا ٹھیرے	جو اپنا دشمن دل ہو وہی دل کی دوا ٹھیرے
بڑھ پھیری نا اُمیدی اُسکے دل میں دیکھا ٹھیرے	کہ جس کا بعد مرنے کے حصول مدعا ٹھیرے
وہ چاہیں جس قدر جو رہ جفا ہم پر کریں لیکن	ہیں تسلیم لازم ہے کہ باند رہنا ٹھیرے
یہ دنیا ایک سراپا اس کے آخر چھوڑ جانا ہے	اگر دو چار دن آکر یہاں ٹھیرے تو کیا ٹھیرے
کٹے ہیں سر بہت تیغ جفا سے بے گناہوں کے	عجب کیا ہے اگر قاتل کا کو چکر بلا ٹھیرے
ادھر آنے کو وہ ہیں اور اُدھر وقت سفر آیا	عجب مشکل نہ وہ آئیں نہ دم پھر کو تنہا ٹھیرے

۱۔ آرام دلاوت ۱۸۳۲ء وفات بمقام آگرہ ۱۸۵۸ء -

۲۔ ملاحظہ ہو غالب کا خط بنام مرزا عاتق علی تہر صفحہ ۹۷ عود ہندی مطبوعہ کرمی پریس لاہور۔

”بنا لفظ اس کتاب کی تصحیح میں اس واسطے کرتا ہوں کہ عبارت کا ڈھنگ نیا ہے۔ صحیح کا درست بڑھنا بڑی بات ہے۔ اگر غلط ہو جائے تو پھر وہ عبارت نرمی خرافات ہے، بارے بسبب التفات بھائی منشی بی بخش صاحب کے محنت الفاظ سے خاطر جمع ہے۔ متوقع ہوں کہ وہ تکلیف سہیں اور رشتہ گناہ تک متوجہ رہیں۔ منشی شبیرزائیں صاحب نے کاپی میرے دیکھنے کو بھیجی تھی، سب طرح میری پسند آئی۔۔۔ آپ اور بھائی صاحب اور اُن کا فرزند منشی عبداللطیف اور منشی شبیرزائیں یہ چاروں صاحب فراہم ہوں اور باجلاس کو نیشنل یہ امر تجویز کیا جائے کہ کیا کیا جائے؟“

امحباب ذوق کی یہ ادبی سرگرمی میں تدریس و وفات کی کوئی تفریق نہیں کس قدر قابل رشک ہے؟

اُسی کو زندگی کا لطف ہے اس دہر فانی میں کہ جو تڑپک اچھوں کے بھلا اور باخدا ٹھہرے
قیام اپنا ہو اس محنت سر لے دہر میں کیوں کر جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھہرے
آزاد انشی رام سنگھ دہلوی نام آزاد تخلص دہلی کے ایک سربر آوردہ شاعر گذرے ہیں۔
جہاں تک کہ اپنے زمانہ میں استاد مانے جاتے تھے، دور دور سے اصحاب فیض حاصل
کرنے کی غرض سے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ضعف بصارت کی تکلیف میں
کئی سال متواتر بیمار رہے، اور آخر کار دنیا ہو گئے۔ نواب ہمدی علی خاں عاشق کے
ہاں مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے اور اپنی خوش گفتاری کی وجہ سے خراج تحسین
حاصل کرتے رہتے تھے اُن کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ان دونوں پیارے؟ تری طرز تکلم اور ہے طرز تشنگ اور ہے، طرح تبسم اور ہے
شعر بندش کی چستی پر شکوہ الفاظ کے در و بست کی وجہ سے بہت اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ
گیا ہے جس سے آزاد کی شوق سخن کا پتا چلتا ہے، افسوس ہے کہ ان کا کلام تلف ہو گیا۔
در نہ بڑی قدر کی ٹکڑیوں سے دیکھا جانا۔ صاحب نغمہ عند کرب نے بھی ان کے بارے
میں صرف اسی قدر لکھا ہے کہ:-

”ایک شخص تھے کہ بعد حصول علم لادبی قلم چھپم روشنائی نظر سے نظ ہی ہوا۔ یہ اشک
حسرت چھپم یوس اُن کی سے پڑکا۔ تا زندگی نابینا بنے۔ غلامانِ طبع زادیوں آزاد کے“
صاحب گلشن بے غار آزاد کو ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں:-

”مرد سے بود بزرگوارادت و اخلاق آراستہ، پس از تحصیل ضروری شخص از علیر ذوالعرا“

اے انھوں نے بھی دہی شعر منتخب کیا ہے جو ہم ادب و درجہ کرا لے ہیں مگر طرح تبسم“ کی بجائے ”وضع تبسم“
درجہ ہے اور سخن شعرا میں بھی ”وضع تبسم“ ہے۔ گلشن بے غار میں بھی یہی شعر درج ہے۔

شہد شوق شعرش از حد رقم فزوں تر بود۔ در مشاعرہ ہمدی علی خاں عاشق تخلص کیش

کمش شوق میر رسید . . .

آزرا پنڈت جوا لاپر شاد نام آزر تخلص در اصل کشمیر کے باشندے تھے۔ مگر لکھنؤ میں آکر
مقیم ہو گئے تھے اور اس دیار کی آب و ہوا ایسی راس آئی کہ یہیں کے ہو رہے۔ پولیس کے
محکمہ میں مدتوں ملازمت کی۔ اور آخر کار پینشن لے کر گوشہ عافیت میں پناہ گزیں ہوئے۔ دور
ملازمت میں مظہر نگہ متھرا۔ بریلی۔ آگرہ میں رہنا ہوا۔ بالکال شعرا سے ملنے اور مشق سخن
کرتے رہے۔ طبیعت فقر کی جانب زیادہ مائل تھی، اسی لیے ان کا گھر ہمیشہ فقر کا ملجا رہا
بنارہا فن شعر میں اپنے بڑے بھائی منشی گنگا پر شاد سند سے اصلاح لیتے تھے، کلام میں صفائی
اور روانی ہے۔

شوق میں کھائے ہل یک پھر و گل کوں کے گل کیوں نہ رنگیں ہوں گے گلشنِ مضمون کے گل
نہ ہیں رنج کا کچھ رنج نہ راحت کی خوشی اس کا جی چاہے سو یہ گردنِ فلک کے
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں ایسے ہر جاتی سے الفت کوئی کیا ناک کے

(رباعی ۱۵)

آشفقتہ منشی گلاب سنگھ دہلوی نام آشفقتہ تخلص قوم کے کھتری اور حسن و جمال میں یوسف
ثانی تھے۔ ان کی وجاہت اور طرح داری شہر دہلی میں زبان زد خاص عام تھی جو ان میں طائر
ہاتھ سے جاتا رہا اور ہزار جان سے ایک خانگی پر عاشق ہو گئے۔ مگر خوش قسمتی سے دونوں

۱۵ پنڈت جوا لاپر شاد آزر کی پیدائش ۱۲۹۶ء میں اور وفات ۱۳۸۶ء میں ہوئی ۱۲

۱۵ رباعی۔ دنیا میں غم عبودیت سے چھوٹے عقبی میں حسابِ معصیت سے چھوٹے
ہر پارِ طوف سے مٹ گئے دہم و خیال ہم عشق میں کل شش بہت سے چھوٹے

آگ برابر لگی ہوئی تھی وہ بھی ان کو دل سے پاہتی تھی۔ ایک عرصہ تک دونوں عاشق و معشوق
ساتھ ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر آخر کار ہدائی ہوئی اور آشفۃ نے
دور و بھر سے مجبور ہو کر ایک خنجر آبدار سے اپنا کام تمام کیا۔ آشفۃ کے کلام میں سوز و گداز
اور درد و بھر کے جذبات کثرت سے موجود ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں آپ بیتی ہوتی ہے اس لیے دل
بر فوراً اثر کرتی ہے۔ ^{نمونہ کلام}

اُس میں کیا باقی رہا تھا بندہ پرور مر گیا	بوچھے کیا ہو کہ شبِ آشفۃ کیوں کر مر گیا
آدمی تھا آخرش مدد اٹھا کر مر گیا	جان دی عاشق نے تیرے شب کو اک لکھ گیا
سُن ہی لو گے اک نہ اک دن پھوٹ کر سر مر گیا	بے جدائی میں زبیر آشفۃ جینے سے بدتر گنا
پتھکو رحم اے کافر نہ آیا	ترا شکوہ کھول پ پر نہ آیا
نہ آیا تو ہی نسلم بہ نہ آیا	نہ سولے ہم شبِ وعدہ سحر تک
کہ تھکو بولنا ہنس کر نہ آیا	اسی غم نے رُلا لایا عمر بھر ہے
نہ آدے وہ جفا جو گر نہ آیا	نہ کر آشفۃ اتنا شکوہ ہر دم
تھکو مت پھیر و کمیں آشفۃ یاں آئے گا	ہائے پیغیروں سے کہنا اُس رک رک کر کہ اب

۱۔ صاحب سخن شعر آشفۃ کے متعلق لکھتے ہیں:-

”باشندہ دہلی، بنو نامی ایک زن خانگی پر عاشق تھا جب جو فلک سے تنگ آیا خنجر آبدار
سے اپنا سر کاٹ کر مر گیا۔ اس واقعہ کو چونتیس بتیس برس کا زمانہ گزرا۔۔۔ یہ تذکرہ ۱۲۹۶ء کا لکھا
ہوا ہے۔ اس حساب سے آشفۃ نے ۱۲۵۴ء مطابق ۱۸۳۷ء خود کشی کی آشفۃ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

دم کا حمان ہے اور آشفۃ بے خنجر تھکو کچھ خنجر بھی ہے
اک نہ آنے سے ترسے اے نطالم شکوے سوسوز زبان پہ آتے ہیں

زلفوں سے بھی زیادہ کیا رخ نے دل پہ چوہ کا فرجوتے سوتھے یہ مسلمان کو کیا کروں
 درد دکھ جو جہاں میں آتے ہیں وہ مسری ایک جاں پہ آتے ہیں
آشفقتہ اینڈت امرنا تھہ کاشمیری دہلوی، نام آشفقتہ تخلص ان کو صاحب نچخانہ جاوید نے
 ”شاعر بے نظیر“ کہا ہے۔ یہ خدا بخش خاں تنویر کے شاگرد رشید تھے، دہلی میں پیدا ہوئے اور
 اسی جگہ تربیت پائی۔ مشائی اور فطری ذہانت نے ان کو استاد سی کے درجے پر پہنچایا
 ان کا کلام مقبول عام ہوا۔ اور ان کی غزلیں اور باب نشاط کے منہ سے نکل کر موسیقی کی تاثیر
 کو دوبالا کرتی ہیں۔ ان کا دیوان مرتب ہو چکا تھا مگر اب تک طبع ہو کر شائع نہیں ہوا کلام
 میں سلاست اور شوخی بہتات کے ساتھ موجود ہے۔ ان کی عمر کا زیادہ حصہ پنجاب میں
 گزرا کہ وہاں عہدہ منصفی پر ممتا ز تھے۔ مگر شعر و سخن کا شوق ہر جگہ ان کے ساتھ ساتھ گیا۔
 صاحب نچخانہ جاوید فرماتے ہیں: آشفقتہ کی خودکشی کے بعد ان کی دلیریت کسی سے ملتفت نہ ہوئی اور
 اپنے عاشق صادق کے فراق میں برابر چھ مہینے محرقہ میں گھل گھل کر اپنے عاشق جاننا زست جاملی۔ بطور یادگار کے
 بھی چند شعر لکھے جاتے ہیں:-

چھوڑ کر بھگو کماں لے بہت گمراہ چلا	تو ہلا کیا کہ یہ دل بھی ترے ہمسراہ چلا
چھٹ گیا غم سے مرا کشتہ ابرو مر کر	اک چھری میرے گلے پر بھی مری آہ چلا
نہ تو موت آئی ہے نہ زبست کا یا را بھگو	ہائے آشفقتہ ترے مرنے نے مارا بھگو
موت پر بس نہیں جلتا ہے کروں کیا ورنہ	تو نہیں ہے تو نہیں زبست گوارا بھگو
اب کسے چین کماں عیش کو ہر بستر خواب	نہیں نخل بھی کم از بستر غار ا بھگو
کیا ہوئی ہائے فغاں کی تری شور انگیزی	لے چلے تھگو تو تو نے نہ پکارا بھگو
ہے غضب وہ تو مرے اور جہوں میں نہو	موت آجائے تو ہر مرد و بار ا بھگو

سخن شعرا میں ان کے متعلق صرف یہ عبارت درج ہے :-
 ”آشفقتہ تخلص۔ امر ناتھ پنڈت باشندہ دہلی۔ شاگرد ستویر“

کلام کا انداز ملاحظہ ہو :-

ہمارا کام چشمِ فتنہ ز اسے ہائے کیا نکلے	کہ جو خود مدعی ہو اُس سے کیوں کہ دعا نکلے
یہ وقتِ دلچسپ ہو یا خدا اب بھی وہ آنکھ	دیا جلدی کہیں سینہ سے جان پہلا نکلے
کیا ہے دل کا غول شاید کسی پائے نگار میں نے	کہ جو آنسو مری آنکھوں سے ہر گنگ حنا نکلے
اپنا کیا عاشق بیمار نے درماں سمجھا	لب کو عذابِ سیہ خاں کو رسیاں سمجھا
مرہمِ رابعِ جگر تیر کا پیکان سمجھا	زلیست کو موت میں اور موت کو درماں سمجھا
جس نے غارتِ گردِ مذہب کو دیا دل زاہد	عشق کو دینِ محبت کو ہی ایساں سمجھا
دیکھ کر ہوئے گا اس آفتِ جاں کو کیا حال	جس کے بن دیکھے ہی بیتاب ہوا جانا ہو
بھیج دو خاکِ پر شہیدوں کے	پھینکتے کیوں ہو فرشتے خواب کے پھول

بہارِ لال ٹیک چند کھتری دہلوی نام بہار تخلص ان کی قابلیت نہایت مستند تھی

۱۷ سخن شعرا میں آشفقتہ کے بیشتر منتخب کئے گئے ہیں جو یہاں درج کرنے کے قابل ہیں ۱۷

آشفقتہ بزمِ یار میں ساقی بنا ہے غیر	کیوں کر پیوں کہ کرتی ہو ٹکڑے بگر شراب
کی ہوگی اُس نے بادِ کشی بزمِ غیر میں	تلخی رہی جو میری زبان پر تا مرث
دل میں آشفقتہ ہے بتوں کا خیال	لب پہاڑ ہیں ہاں رسائی کی

ان اشعار سے ملاحظہ ہو کہ آشفقتہ کتنے مشق اور با کمال شاعر تھے آخری مصرع خاص طور سے داد

دینے کے قابل ہے۔ امر ناتھ آشفقتہ نے ۱۷۸۵ء کے قریب انتقال کیا ۱۷

۱۸ ٹیک چند بہار کا تذکرہ شروع کرنے سے قبل ہمیں چند اور ہندو شعرا کا ذکر کرنا ضروری تھا۔

فارسی زبان کے بڑے نامور ماہر مانے جاتے تھے۔ ان کی سخن فنی اور دقت پسندی کا دور دورہ مشہور تھا۔ سراج الدین علی خاں آرزو ان کے قیمتی مشوروں کو خاص طور سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸) مگر چونکہ یہ کالمین بہت زیادہ اہم اور مشہور نہیں ہیں اس لیے ان کا ذکر ہم اس حاشیہ میں کرتے ہیں:-

آرمان۔ راجہ جیم جی متریکلکتہ کے ایک مشہور امیر خاندان کے رکن اور بادشاہ دیکھ اور اور فارسی ان کی مادری زبان نہ تھی۔ مگر اس پر بھی دونوں زبانوں کے قابل انشا پرداز اور بالخصوص شعر و سخن کے دلدادہ تھے۔۔۔ حافظ محمد اکرام احمد ضعیف سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہو۔

کام اپنا نہ کبھی تجھ سے مرئی جاں نکلا
تن سے جاں نکلی، مگر دل کا نہ ارمان نکلا

ذات بھڑنا لے کیا کرنا ہوں گریہ دن کو
پوچھتے کیا ہیں حقیقت مرے اوقات کی آپ

آرمان۔ پنڈت راجہ نرائن دہلوی۔ ان کے آباد امداد کا وطن کشمیر تھا۔ مگر یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے
ان کا سند ولادت ۱۸۶۶ء ہے۔ ۱۸۹۳ء میں دماغ سے تلیذا اختیار کیا صاحب دیوان ہیں شعر ملاحظہ ہو

تجھ سے شبنم خلق مرا تر نہیں ہوتا
یہ کام بھی آپ دم خنجر نہیں ہوتا

کب سیدھی سی تر بھی نظر ان کی نہیں جاتی
کب تیر میرے واسطے خنجر نہیں ہوتا

خود ہی پہنچ گیا ہوں داں بہر التجا
طرزِ بیاں بتانا ہوتا مہر کو میں

تیر نگاہِ یار کے دونوں شہید ہیں
اب دل کی لوں خیر کہ سنبھالوں مگر کو میں

اعزاز تھا کر امیشر بخش سنگ۔ تعلق دار ضلع سیتاپور۔ کلام یہ ہے

ناز سے گریہ بیاں ہے آنے والا
وہ مزاروں پر قیامت ہوا اٹھانیا والا

دیکھ کر خنجر پر آب مراد دل بولا
کہ یہی مرئی لگی کا ہو بھجانے والا

ٹوٹے چٹک چٹک کے تمھاری تباہی کو بند
اللہ سے جوشِ حسن تھا رے شباب کا

قابل وقعت سمجھنے تھے اور اکثر ان سے علمی محبتیں رہا کرتی تھیں ان کے تبحر علمی کو ہر معاصر نے مانا ہے اور ان کی تعریف و توصیف میں بہترین الفاظ صرف کئے ہیں۔ بہارِ عجم جو ایک

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) جن میں یہ اثر ہے جوش الفٹ کا بہاراں میں

جو بلبل کو غش آیا گل ہوا دیتے ہیں دامن سے

کچھ ایسی بے کسی چھالی تھی لے کر پھول جب آیا تو دیا ہے پٹ کر کوئی پہرہوں میرے مدنی سے
اکبر سی۔ دیوانِ حضرت اسنا تھ صاحب مدد ان اکبری۔ یہ پنجاب کے ایک خوش فکر اور پختہ کار شاعر گڑلے
ہیں۔ دارالہمام راجہ و نیانا تھ صاحب راجہ کلاؤر کے صاحبزادے تھے۔ ہمارا راجہ رنجیت سنگھ اور ان
کے جانشین ہمارا راجہ دلیپ سنگھ کی سرکاریں بڑے بڑے عہدوں پر رہے اور بعدہ سرکارِ انگلشیہ
میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ آپ کے بزرگوں کا اصلی وطن دہلی تھا۔ مگر آپ نے لاہور میں
نشوونما پائی تھی۔ ۱۸۶۷ء میں مرضِ ہیمنہ و اہی ملک عدم ہوئے۔ دیوان صاحب زیورِ علم و فضل سے
کا حق آراستہ تھے۔ ہندو سہ و حساب میں وحید عصر مانے جاتے تھے۔ فارسی میں بیشتر اور اردو
میں کم کہتے تھے۔ کلام میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہے۔

یادِ دعدت میں تعلق کا جو پردہ اٹھا	منافِ ہستی کا ہمیں آپ ہی دھوکا اٹھا
انسان کو حق نے نور کا منظر بنا دیا	ایک مشتِ ناک تمنا ہے جو ہر بنا دیا
خونِ بگڑے ہم نے کیا دل کو لالہ زار	دارِ جنوں سے دل کو شجرِ بنا دیا
کون دہ ہے جو ترا طالبِ دیدار نہیں	کون اس چشمِ سیہِ سہت کا بہار نہیں
مردانِ خدا خواہش دنیا نہیں کرتے	آزاد رہد و دم کی پردا نہیں کرتے
کیوں ہم کو دکھاتے نہیں تم دستِ سنائی	ہم نون کا کچھ آپ پہ دعویٰ نہیں کرتے
زاہد نہ کرو اپنی عبادت کا کچھ گھٹنڈ	شیطان کی ایک دم میں خدا سے بگڑ گئی

مضبوط اور مشہور لغت کی کتاب ہے آپ ہی کی قابلیت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ آرزو سے
ان کی خاص دوستی تھی جس کو دونوں نے مرے دم تک نہایت خوبی سے نبایا۔ اللہ اللہ
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰) اَلْفَتٰی۔ راجہ پیارے لال دلدرا لے سکھن جی دہلوی۔ فارسی انشا پروردگار
میں کامل مہارت حاصل تھی۔ اکبر شاہ ثانی کے سر منشی رہے ہیں۔ ان کا ایک شعر مشہور ہے۔

خاکساری سے مثالِ نقش پا جس جگہ بیٹھے وہیں کے ہو رہے

اس سلسلہ میں ایک اور بہادر کا جو سر زمین پنجاب میں پیدا ہوئے تھے تذکرہ کرنا غالی از لطیف
ذہب کا۔ ان کا نام نامی سوامی برہم چند سرستی تھا اور اعلیٰ سب لکھوٹ کے نواح کے باشندے تھے ابتدا
تعلیم کے زمانہ میں مذہب اور قصوف کی جانب ان کا رجحان ہو گیا۔ رفتہ رفتہ درد مند دل کے نام سے
اشعار بن کر نکلنے لگے۔ ان کا کلام یہ ہے۔

یہ ناپسند اس طرح کا ہوں بزرگ کا اور طاہر
میں بھلاتا ہوں ہر اک کھیل سے اپنی طبیعت کو
پہلے جائیں گے کوچے سے خفا کیوں ہوتے ہو جتنا
لگاتا ہے تو کیوں ہر اوج مرہم میرے زخموں پر
طبیعت کی بے چینی اور ذہانت کی جولانی تو ان اشعار سے فرو نظر ہوتی ہے مگر مشق کم ہے۔

بہار۔ منشی بانکے بہاری لال میٹھلے یہ بہادر صنفِ اردو درائن نظم۔ چند اشعار حاضر کئے جاتے ہیں

سفیدیِ بال و دست نے نظر کی پیام مرگ نے دل کو خبر دی

بہارِ زندگی کا دیکھ پت جھاڑ ہوئے عیش و طرب سے دست بردار

خیال آ یا کہ اب ہے وقتِ پسیری نہ زیبا سر پہ ہے تاجِ امیری

اماں اب زندگی میں بندگی ہے دگر نہ آخر ششِ شرمندگی ہے

وہ بھی کسی وسعت خیال کا زمانہ تھا کہ ہندو اور مسلمان بھائیوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے تھے اور ایک جان دو قالب ہو کر زندگی بسر کرتے تھے یا اب یہ زمانہ آن پہنچا ہے کہ ہندو مسلمان کی صورت کے روادار نہیں اور مسلمان ہندو کے نام سنتے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ آرزو کو بہار سے کیسی گہری محبت تھی اور اُنھوں نے صاحب بہار عجم کی قابلیت اور ذہانت کو کن الفاظ میں قلعہ بند کیا ہے۔

بہار نہایت خوش مزاج، ہنس مکھ، رنگین طبع اور باوقار تھے۔ تمام شہر ان کی عزت کرتا تھا اور عمائدین کی اُن پر خاص نظر عنایت رہا کرتی تھی۔ آپ نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں انتقال کیا۔ ان کے متعلق مولوی فتح علی گریزی یہ فرماتے ہیں:-

”ایک چند بہار یہ فقیر اخلاص دار و داکثر ہا از ملاقات ہی پر داند، ہندو دے بہ این کلمات کہ نظر در آمدہ در تحقیق لغت ہائے فارسی و مواقع استعمال آن کتاب فیہ منہم سلی بہار عجم نابیت نمودہ۔ در بعض مواقع و محلا بر سر آج اللغت فان آرزو د دیگر کتب لغت وغیرہ در سال ابطال الضرورت وغیرہ از مولفات دوست۔ گاہے بہ تفنن طبع ریختہ ہم می گوید۔“

چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

وہی اک رہنماں ہو جسکو ہم تم تارکتے ہیں کہیں تسبیح کا رشتہ اکہیں زنا رکھتے ہیں

دلیقہ عاشیہ صفحہ ۲۲۱) تری جو شاہ کو ظاہر الی لغت ہے کو تھلا کی باطن میں محبت

کہا یہ کیگئی نے غنغب سے یہ نکلا کیا زبان بے ادب سے

خوشی ہے رام کی شاہی میں بے شک بھرت کو خرم ہے ہودیں جو سیدوک

نہ ہرگز ہوسے گی اُن سے جدائی وہ ہیں یک جان دو قالب دونو بھائی

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنا رکھتے ہیں
 امارمدم کشی کا زور ہماروں نے کب پایا غلط کرتے ہیں ان آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں
 مسٹر فیملن اور منشی کریم الدین کے تذکرہ میں ان کی تصنیفات کا حال ذرا تفصیلاً درج
 ہے۔ فرماتے ہیں:-

”منشی طیب چند بہار دہلوی۔ اس مصنف نے اشعارِ ظرافت آمیز اور آراستہ
 بہت لکھے ہیں وہ سراج الدین علی خان اور فتح علی حسنی سے بہت محبت رکھتا تھا
 میر نے بھی اس شاعر کو دیکھا ہے۔ اُس کی تصنیف ہندی اور اردو دونوں فارسی
 بہت ہیں۔ اُس کے فارسی کتب میں سب سے زیادہ مشہور ایک کتاب اصطلاحات
 فارسی بہارِ نجم ہے جو اس مصنف نے بعد سفر کرنے فارس کے تصنیف کی تھی اور
 ایک جو اہر الخرد وں اور ایک جو اہر الترتیب ہے۔ فتح علی حسینی نے چار صفحہ اس
 شاعر کے ابیات اردو کے اپنے تذکرہ میں لکھے ہیں۔ وہ درمیان ۱۱۵۷ھ کے تھا۔“
 ان کے منتخب اشعار یہ ہیں:-

سہی کرتے ہیں عوے خونے قسمت تو دیکھیں گے صفِ محشر میں کس کے ہاتھ دامن ہو گا قاتل کا
 ناز بے جا و لطف بے موقع دلبروں کی ادا ہے کیا کیا کچھ
 نہیں اُس شوخ ساز گیس ادا گل اگر رنگیں ہوا تو کیا ہوا گل
 کہتے ہیں عنذ لب گرفتار جھکودیکھ امید جیونے کی نہیں اس ہزار بیچ
 منظور سیر لالہ جو ہوا اس ہزار بیچ پھول ہے خوب دیکھ دلِ داخدا ر بیچ
 تر پتا ہے پڑا جیون نیم بسمل خاکِ نوں میں دل
 عقوبت ہے جو کچھ اس میدان پر صیاد کیا جانے

بسمل | پنڈت سندralال نام بسمل تخلص سرشتہ دار پر مٹے کان پور۔ ولد بخشی
فیگارام۔ شاگرد ناسخ ان کا وطن کشمیر مسکن لکھنؤ تھا۔ صاحب دیوان گذرے ہیں۔
اور استاد ناسخ مرحوم کو ان کے کمالات پر بڑا ناز تھا ان کے یہ چار شعر ہیں۔

یہ نہیں ناخوس لے طفل برہن ہات میں کر رہا ہے مرغ دل اپنا یہ شیون ہاتھ میں
گوری گوری انگلیاں یوں شب کو آتی ہیں شمعیں ہیں کا فوری گویا کہ روشن ہاتھ میں
آئینے سے بھی کہیں شفاف تیرا ہاتھ ہے آرسی پہنی ہو کیوں لے شوخ برفن ہاتھ میں
دانتوں کے نیچے دبائیل انگلیاں غیار سے میں جو چپکانے لگا اُس سیمبر کی انگلیاں
بسمل | پنڈت موتی لال دہلوی کشمیری نام بسمل تخلص اپنے زمانہ کے نہایت اعلیٰ۔

تعلیم یافتہ فرد تھے۔ علوم مغربی میں بھی بہت کافی دسترس رکھتے تھے۔ پنجاب گورنمنٹ
کے کئی سال میرنشی رہے اور پھر وقتاً فوقتاً ممتاز عہدوں پر فائز ہوتے رہے۔
تمام عمر علمی ذوق رہا اور چند کتابیں انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کیں۔ ۱۸۹۰ء میں
راہی ملک بقاء ہوئے۔ طبیعت شگفتہ اور زندانہ تھی۔ ریختہ گوئی کی طرف مائل ہوئے۔
ذیل کے اشعار ان کی یادگار ہیں۔

یہ سمجھ دیکھ کر ہم حال لب آفت جاں کا بجائے خضر زنگی پاسباں ہے آبِ حواں کا
ہر سافر قہر تلوار میں ہونہ کر دعوں کا مہ نو ہمسری ناخن دابر دے جاناں کا
ہمادیں شک کے طوفان کو کشتی کوچ کی بھیجی اٹھا دیں یک بل کو ہم جو پردہ چشم گریاں کا
چمن میں سرود کہتے ہیں تمھارے سایہ قد کو فلک پر چاند رکھا نام عکس دے تاباں کا
عاقبت تک رہے بابتہ زنجیر ملا دیکھ جائے جو ترسی زلعب گرہ گیر کے بل

۱۸۶۵ء کی پیدائش ۱۸۶۵ء میں تمام دہلی ہوئی تھی ۶۲ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

گھر پر آتے ہی ترے پاس سے مر جاتا ہوں بس ادھر آتا ہوں میں اور ادھر جاتا ہوں
بہادر راجہ بہادر سنگھ نام بہادر تخلص کیشمیری برہمن تھے۔ ان کو حکیم انشا اللہ خان
 انشا سے خاص عقیدت تھی اور کیوں نہ ہوتی۔ انشا کی بذلہ سنجی۔ معنی آفرینی اور حاضر
 جوابی ہر شخص کو مسخر کر لیتی تھی۔ ابتدا میں بہادر نے انشا ہی سے مشورہ کیا تھا اور خود
 انشا بھی انھیں خاص طور سے عزیز رکھتے تھے۔ بہادر نہایت علیق۔ بامدت۔ خوش
 مزاج اور نیکین طبع رئیس تھے۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

لے مشفق من؟ ہم ہیں نقطہ بوسوں کے نوکر تم چاہو کہ تنخواہ کرو بندے کی سب سخوت
 سودور رکھو دل سے ابھی لیں گے بٹھا کر نوکر وہ نہیں ہم کہ کریں اپنی طلب سوخت
 جب جاتا ہوں مینہ ہی دیکھو جو وہ خود بین اس طرف نہ دیکھو جو مجھے جو عجب سخوت
 یہ عرض مرسی سن لے تولے بایر حنہ دایا یک بار سنوں میں کہ ہو اشہر طلب سوخت
بہادر بابورن بہادر سنگھ ولد بابو فتح سنگھ نام بہادر تخلص نارنج پیدائش ۱۸۲۸ء مرزا
 حاتم علی بیگ تھر سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے۔ بخونہ کلام یہ ہے۔

۱۵ غائبان کے ہم نام ایک اور بہادر سنگھ بہادر تھے جو راصل تو شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے
 مگر بریلی میں ہاگ آباد ہو گئے تھے۔ یہ قوم کے کا بیتھ تھے اور شیخ ظہور الدین حاتم کے شاگرد تھے انکو دشمن نہیں

ملا ولا نظر اتنا ہے کچھ گل رخسار رہا ہے کس کے گلے کا تو ہا ساری رات

ادھر تو ہیں بند نہ جانے کس نے یہ لوٹی ہا ساری رات

افسوس کہ بہادر کے کلام میں عربی کافی موجود ہے جس کو ہم عربیان کرنا پسند نہیں کرتے مگر
 یہ طرز بیان اس زمانہ میں بہت رائج تھا جس کی مثالیں ہمیں تقریباً ہر دیوان میں مل سکتی ہیں۔

اس لیے محض ان کو مورد الزام بنانا درست نہ ہو گا ۱۶

مجھے رہتا ہے کھٹکا آپ کی امروز فردا سے
کہیں صاحب؟ قیامت پر نہ وعدے کی وفا ٹھہرے

ایک دم بھی جدا نہیں ہوتا کیا محبت ہے در دو دل سے
اب وہ بے پردہ بام پر آئے خیاند کتر آگیا مقابل سے
اپنے ہونگے کبھی یہ بت لے دل در گذر اس خیال باطل سے

بیتاب | سنتو کہ رائے نام بیتاب تخلص یہ پرانے زمانہ کے ایک نامور شاعر
گذرے ہیں۔ انھوں نے محمد قائم سے استفادہ حاصل کیا تھا۔ مولوی کریم الدین
اور مسٹر فیلن کا خیال ہے کہ یہ مطیع اسلام تھے۔ مگر اس کی تصدیق دوسرے تذکرہ
سے نہیں ہوتی۔ ان کے متعلق میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں :-

معلوم شد کہ کم دماغ و خلوت و دست بود معلوم نیست کہ الحال کجاست۔ در ان
زمانہ زور طبعش بروز مانند ہلال در ترقی بود و ربط کلام را خوب می فهمید۔ خدا بیش
زندہ دارد و از دست :-

نہ رہے باغ جہاں میں کبھی آرام سے ہم پھنس گئے قیدِ نفس میں جو چھپے دام سے ہم
اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص کچھ غرضِ کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
محبت کی بھی کچھ ہوتی ہیں کیا اسے ہم نشیں راہیں کر خواں یوں ہیں دکھ دیں ہم انکو اس طرح چاہیں
ادھر نالہ کیا ادھر وہ مضطرب ہو چلا آیا عجب دن تھے وہ جہاں دزدوں میں کبھی نہیں اتر آہیں
سبز پہ اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک اُن گل زمیں میں کھلیت ہزاروں جواں رہے
جی میں ہے اُس کی بات میں اب پھر نہ بولے لیکن کسی طرح جو یہ کافر زبان و سہے
محبت اب تک رکھتی ہے یہ تاخیر مجنوں کی کہ بن لیلی کہیں کھینچتی نہیں تصویر مجنوں کی

میں نے یہ خیال نہ اٹھائے فلک کے کینے سے کسی کو کام نہ ڈالے خدا کیلئے سے
 تو اپنا دل سامرا دل نہ سمجھو بے رحم کسنگ سخت کو کیا نسبت آجگئے سے
 عشق میں گاہے عمل گہ نیش ہے نت نیایاں ماجرا در پیش ہے
 خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے نصیب میں کسی کا فرکے یہ بلا نہ کرے
بھٹنا اگر اشکر سروپ بھٹنا اگر نام ہے۔ اکبر آباد کے رہنے والے ہیں۔ افسانہ نگار
 کا ذوق ہے۔

پر وہ انہ را جہ جہنم سنگھ عرت کا لاجبی نام پروانہ تخلص آپ کے والد ماجد ہمارا جہنمی ہوا
 لکھنؤ کے ایک مقتدر اور نامی گرامی رئیس گذرے ہیں سلطنت اودھ میں بھی اُن کا بڑا
 رسوخ تھا اور عام لوگ بھی اُن کی وقعت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنا ابتدائی کلام
 میر تقی میر اور مفتی کو دکھایا تھا اور ریشہ گوئی میں استادانہ درجہ رکھتے تھے صاحب
 دیوان گذرے ہیں۔ میر حسن اور دیگر مسلم الثبوت اساتذہ کے فیض صحبت سے پروانہ
 مستفیض ہوئے جرأت سے ان کو خاص لگاؤ تھا چنانچہ انھوں نے اُن کی تاریخ
 وفات کہی ہے:

”کہو جنت نصیب جرأت ہے“

جہنم سنگھ ارباب فضل و کمال کے بڑے قدردان تھے۔ خود بھی مہنایت
 خوش طبع۔ طباع اور دہین تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۵۱ھ میں ہوا۔

۱۲۵۱ھ مولوی عبد الغفور خاں شاخ اپنے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

”شاگرد سرپ سنگھ پروانہ شعر فارسی بھی کہتے تھے۔ ۱۲۵۱ھ میں انتقال کیا۔ مہنایت شکیل

ان کے متعلق مولوی کریم الدین اور مسٹر فیلن کی رائے ہے کہ انھوں نے اپنے نام کی خاطر فارسی زبان چھوڑ کر اردو میں کہنا شروع کیا اور بارہ سال کی لنگانہ محنت سے شہرت حاصل کی اور غزل اور قصیدہ میں ستورہ کی تقلید کی ہے۔ نادر تشبیہات اور پاکیزہ استعارات لکھنے میں انھیں خاص کمال حاصل تھا۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ اس کے شعر دلچسپ اور فصیح ہیں۔ ان کو حبیبیہ کہ ہم ادب پر بیان کر آئے ہیں میر تقی میر میر حسن اور میاں بقار اللہ سے خاص عقیدت تھی۔ ان کا ایک دیدار شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں مرتب ہو چکا تھا۔ ان کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اے دل تو نہ ڈر حلقہ گیسو سے کسی کے لیے سانپ ہیں کیلے ہوئے جادو سے کسی کے

(بقیہ ناشیہ صفحہ ۲۲) جو ان تھے بعض تذکرہ نگاروں نے پروا نہ کو میر حسن اور معنی کا شاگرد لکھا اور اس پر اعتبار نہیں لیکن تذکرہ مستر اور معنی کی بیاضوں میں اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

کیا جانتے ہمد کہ اُسے دیکھ کے ہم تو ہر چند بھٹکائے رہے پر دل کو خوش آیا
آنکھ ساں ہے صاحب جو ہر کو زنگ غم اس دور میں کہ عیب و ہنر دونوں یکساں

مدا ہے جام سے شرمندہ چشم مست سے تیرے صراحتی بھی نکل ہے اس تیر ہی تصویر گردن سے

بنیم آہ نے شاید کسی کے کی تاثیر شگفتگی سی ترے غنچہ دباں کو ہے

کتنی ہے عندلیب چمن میں بیکار کے اپنے بھی دن پھر نئی پھر نئی بہار کے

صادق نہ سمجھ اس کو محبت میں ہے کاذب جو صبح نہ نپاک گریبان نہیں ہے

تذکرہ مستر در اور معنی کی بیاضیں امیر کل کتب خانہ میں موجود ہیں لیکن مولوی مختار الدین آزاد کے خیال میں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ عرصہ ہوا آٹھ گار میں اس موضوع پر ایک مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے۔

دل یار سے اور دروے دل سے کہے ہے جانے کا نہیں اب تو میں پہلو سے کسی کے
 جو کثرت میں وحدت سدا دیکھتے ہیں بتوں میں وہ نور خدا دیکھتے ہیں
 جو وہ تیغ ابرو ہیں خوں ریزا ایسے تو اک دن یہ گردن جدا دیکھتے ہیں
 پھسل تا ہو جائے نگر اس پہ ہر دم ترے رخ کی جب ہم صفا دیکھتے ہیں
 مقرر یہاں غیر آتا ہے شب کو ترے گھر میں ہم نقش پا دیکھتے ہیں
 جدا ہے پروردانہ اُس شمع رو سے نہایت دل اُس کا بجا دیکھتے ہیں
 ضعف ہر بخش ہوا نا توانی ہے بن ترے موت زندگانی ہے
 کون مدون ہے چمن میں صبا جس کی تربت پہ گل فشانی ہے
 پوچھتے اب ہورخ دل کا حال کب سے وہ جنت آشیانی ہے
 آپ نے رات چھپکے پی ہے شراب زنگہ چہرہ کا ارغوانی ہے
 آہ پروردانہ شمع ہے لیکن زور اس میں شرر فشانی ہے
 جس نے دیکھا اُسے کیا سجدہ غرض اُس بت نے بھی خدا کی
 دیکھ تو ہم سے راست باز دل سے تو نے آخر یہ کچھ ادائیگی
 ہم سے رکھ کر خبا ر حنا طر میں جا کر اغیار سے صفائی کی

۱۰ نعمت عند لیب میں پروردانہ کا یہ حال درج ہے :-
 "معزز امرائے وزیر الممالک شجاع الدولہ بہادر مرد جوان ادبیا ہر لقا خورشید صبا مشتری
 چہرہ سیل پشانی، ہزاروں خوب رو ان کے شمع رخ پروردانہ دارقربان ان کی صفت میں
 مرغ فکر کی پروردانہ طاہر خیال نازک مشعل نازک خیالی پروردانہ"
 (تذکرہ شہیم سخن - تذکرہ شام اودھ دہلی، کتب خانہ امیر محل - نصیر باغ کاکوری لکھنؤ)

اے دل زار تو ہی کرا نصاف ہے یہی طرز دل ربائی کی
 عہد کیا کیا تھے اور قول و قرار آہ نس پر بھی بے وفا کی کی
 کوچہ گیسو میں دل کو ڈھونڈیے کیا ہوا اگر راہ کا کچھ بھی ہے
 ہجر جستی میں ترا جسم ہے مانند حجاب نس پہ اک دم کی ہوا کھانے پہ مسرور ہو تو
 پردہ اند کے کلام میں بختگی اور لطافت دونوں باتیں موجود ہیں اور ہر انداز سے
 ظاہر ہے کہ انھوں نے بڑی کاوش اور عرق ریزی سے مشق سخن کی تھی، وہ بھی کیا زمانہ
 تھا، گھر گھر علم و ادب کی گنگا، جتنا بہتی تھیں اور ہندو مسلمان ایک دوسرے سے
 بے تکلفانہ مل کر خوب خوب داد سخن دیتے تھے، کیا اب بھی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے
 کہ پرانے مسلمان مورخوں نے اپنے انبا سے وطن کے کمالات کو حقارت کی نگاہ سے
 دیکھا اور ان کی تعریف و توصیف میں بخل سے کام لیا؟

تفقتہ ہر گوبال نام تفقتہ تخلص سکندر آباد کے رہنے والے، ان کی علمیت اور فصاحت
 کی اُستاد غالب نے بھی بارہا تعریف کی ہے اور اپنے خطوط میں ان کو اپنا عزیز ترین
 اور ارشد ترین شاگرد کہا ہے۔ اُردو سے معلیٰ میں بہت سے خطوط ان کے نام کے
 موجود ہیں، جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غالب ان کو نہایت عزیز رکھتے تھے اور
 ان کے کمالات کو سرمایہ نازش سمجھتے تھے مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں :-

”تمھاری توجہ مفرد بطرف شعر و سخن کے تمھاری شرافت نفس اور حسن طبع کی دلیل

ہے اور بھائی ایہ جو تمھاری سخن گسری ہے اس کی شہرت میں میری بھی تو نام آوری ہو“
 تفقتہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور غالب کے انتقال کے دس سال بعد یعنی ۱۲۹۵ھ

میں فوت ہو گئے۔ فارسی میں ان کو بڑی قدرت حاصل تھی۔ اُردو کی جانب بہت کم توجہ کی۔ جو کچھ کہا فارسی میں کہا۔ کئی دیوان فارسی چھوڑے ہیں جن میں غزلیات، قصائد رباعیات کثرت سے موجود ہیں اور حافظہ۔ جامی۔ صائب کی ہم طرح زینوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ تفتہ نے غالب کی ذفات کی تاریخ خوب لکھی ہے۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ راں جس کے فیض سے ہم سے ہزار اچھا دل نامور ہوئے
فیض دیاں صدق و صفا اور حسن و عشق چھ لفظ اُس کے مرتے ہی بے پاد سر ہوئے
غالب ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

”پس اب تم (تفتہ) اسکندر آباد میں رہے۔ کہیں اور کیوں جاؤ گے۔ بنگ لکھا
رد پیہ کھا چکے ہو۔ اب کہاں سے کھاؤ گے۔ میاں؟ نہ میرے سمجھانے کو دخل
ہے نہ تمھارے سمجھانے کی جگہ ہے۔ ایک چرخ ہے کہ وہ پلٹا جاتا ہے جو ہونا ہے وہ
ہوا جاتا ہے۔ اختیار ہو تو کچھ کیا جائے۔ کہنے کی بات ہو کچھ کہا جائے۔ مرزا عبد اللہ
بیدل خوب کتا ہے۔“

رعبتِ جاہ و نفرتِ اسبابِ کام زیں ہوس ہائیکز یا نگز۔ ہی گزرو
چکھو دیکھو کہ آزادانہ مقید نہ رہو رہو۔ نہ تندرست۔ نہ خوش ہوں، نہ ناخوش
نہ مردہ ہوں، نہ زندہ۔ جئے جاتا ہوں۔ بائیں کئے جاتا ہوں اور وٹی روز کھاتا ہوں
شراب گاہ گاہ پیئے جاتا ہوں جب موت آئے گی مر بھی رہوں گا۔ نہ شکر ہے نہ شکایت

۱۵ اس سلسلہ میں مبین نے جو شاہ عبدالعزیز صاحب کی تاریخ وقات کمی ہے ملاحظہ ہو۔ انداز ایک ہی ہے۔

دستِ بے داد اہل سے بے سرو پا ہو گئے فقر و دین، فضل و حسن، لطف و کرم، علم و عمل

۱۲۳۹ھ

۱۶ خط بنام منشی ہر گپال تفتہ (عود ہندی)

ہے۔ جو تقریباً بہ سبیل حکایت ہے۔
اس خط کے لفظ لفظ سے بولے محبت پیوستی ہے اور صاف ظاہر ہے کہ مرزا آفندہ
غائب کو کس قدر عزیز تھے۔

جہنم لعل جہنم نام جہنم تخلص ان کا دہلی آبادی دہلی تھا۔ ان کے بزرگ سرکار
شاہی میں ہمیشہ اچھے عہدوں پر ممتاز رہے۔ ان کے بڑے بھائی تو اب امیر الامرا^{بط}
خان بہادر کے ہاں میرنشی تھے۔ ان کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا شوق تھا اور طبیعت
کی موزونیت نے انہیں رفتہ رفتہ ایک اچھا شاعر بنادیا۔ فارسی اور اردو دونوں میں کہتے
تھے۔ صنائع بدائع کی جانب زیادہ رجحان تھا۔ انہوں نے بہار دانش کو بھی منظوم کیا ہے
مگر خاکِ کج رفتار کی ستم آرائیوں سے ہمیشہ دل گیر اور افسردہ خاطر رہے، یہاں تک کہ
نان شبیہ کو بھی محتاج ہو جاتے تھے۔ راجہ اجیت سنگھ نے ان کے ساتھ سلوک کرنا چاہا
مگر ان کی بے نیازی نے اسے قبول نہ کیا۔ بہت نیک نہاد اور مسکین تھے۔ کبھی کبھی غور
میر درد کو بھی اپنا کلام دکھا لیا کرتے تھے۔

مولوی کریم الدین اور مسٹر فیلین ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں :-

”بزرگ اُس کے ہمیشہ عمدہ معاش رہے۔۔۔ طبع اُس کی بہت اس فن کے

لعل مولوی کریم الدین نے انہیں ”جہنم لعل“ لکھا اور تذکروں میں لکھا تھا ”تا بگیا“ لیکن مسٹر دن بری
لال سکیتہ ان کو جہنم لال لکھتے ہیں۔ لعل نگارش بے غار میں ان سے متعلق یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

”از مردم دہلی مست تازہ فکر و کس مشق از دست۔“

دل جوں سپند عشق کی آتش سے جل گیا ایک آہ کھینچے ہی مراد منکل گیا۔“

موافق پڑی تھی اور اشعار فارسی میں اور ریختہ میں بہت صنعتیں برستا تھا۔ اکثر ریختہ اور مقطعات مدح امرا میں ذہبِ بزمِ گہی ہیں اور انکو کسی کی اس ملاحظہ سے کہی ہے کہ ظاہر مدح معلوم ہوتی ہے جس کو ہجو ملیج کہتے ہیں اور بعضوں کی مدح میں ایسی سعی کی ہے کہ ہر مصرعہ سے اگر ایک ایک حرف لیتے جاؤ تو نام مدح کا بھل آتا ہے اور ہر مصرعہ سے تاریخ سال کی نکلتی ہے۔ اور کچھ غزلیات بے نقط اور کچھ نقط دار بھی سرانجام کی ہیں اور سنائے مانند قلب اور ترجیع اور امثال اُن کے اُس کے شعروں میں بہت ہیں اور کتاب بہار دانش کو عجب طرح منظم کیا ہے کہ لائق دیکھنے کے ہے۔

یہاں مختار جو باحسابہ آیا برائے قتل خلق اللہ آیا

نہ تھے کچھ شاہجی نے شاہ حاجی وہ ناور شاہ تھے یہ شاہ آیا

سب مفتخر یہ مسند والا گلاب رائے یہ گاؤں نگہ رکھے ہے اعلیٰ گلاب رائے

سب چیز بہت دے جو چھین کر اُسکو گھر بھر دیوے کت میں نو نور لا گلاب رائے

بیل لڑیں ہیں مجلسِ اُس کی میں مدام کیا لال بیٹیاں نے یہ پالا گلاب رائے

مانگے جو کوئی موتی کا داد تو اُس کو پھر دیتے ہیں اپنے سونے کی مالا گلاب رائے

شاہِ اُس کی ماں کو جو ایسا جہاں پوت جیوے وہ اُس کا کھیلنے والا گلاب رائے

جو ہر منشی جو ہر سنگھ نام جو ہر تخلص آپ کے والد منشی بختاؤ سنگھ راقم لکھنوی تھے شاعر

خواجہ دزیر اور مرزا نائقن فارسی کے بڑے جید عالم تھے اور اس زبان میں فکر سخن بھی

کیا کرتے تھے۔ مگر اردو میں زیادہ نام پیدا کیا اور آخر میں اسی زبان کے ہو رہے۔ لکھنوی

۵۔ جو ہر کے مختصر حالات گذشتہ اوراق میں آچکے ہیں لیکن تفصیل سے اب ملاحظہ کیجئے۔

شاہی سرکار سے وابستہ تھے۔ مگر جب یہ جن اڈا تو بلرام پور چلے گئے اور تمام زندگی وہاں
 ہی ختم کی۔ ان کی پرگوئی اور حاضر و ماضی بہت مشہور ہے۔ پانچ دیوان طبع ہو چکے ہیں۔
 طبیعت روحانیت۔ وحدانیت۔ اور مذہبیت کی جانب زیادہ متوجہ تھی۔ مگر فی الجملہ کلام

دکھپ اور نصیحت آموز ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

خدا کا بتلایا معشوق کذا کفر مطلق ہے	منترہ سب سے ہو رہے خداوند حقیقت کا
ادبیت، فنا، تخلیق، شانیں غافل س کی ہیں	پرستش کرتے ہیں ہم نام رکھ کر اسکی قدرت کا
صنم بھی اسکے منظر ہیں کروں سجدہ نہ کیوں آہر	نظر آتا ہے جو کچھ ہو نمونہ اسکی قدرت کا
ترے ہنسنے کے دس عشرت صبح دہن پیدا	دکھایا لطف مسیسی نے تری شام غریباں کا
نکالے جانے پر حجت سے گر ہو نسل آدم کی	گذر ممکن نہیں اسے شیخ پھر حجت میں انسان کا
منہم ہو کوئی ایسی راست ہوگی	کہ آئے وہ میر کا کل ہمارا
قصور کے شریخ دیر ثابت نہیں منصور ہر در کا	انا الحق حسن سنت ہے انا ہے ہم احمد کا
دیکھا جو بڑھ کے شوق سے اکسرا ہیر نہ تھا	پونچا دباں میں خضر کا جس جاگز نہ تھا
گردش سے آسمان کی کسی جا مفر نہ تھا	کس سرز میں یہ فلک فتنہ گز نہ تھا
میں عشق سے وہ حسن سے بے ہوشیوں تھے	جو کچھ ہوا معات کوئی باخبر نہ تھا
کیوں طاق کعبہ رخنہ دیوار کعبہ ہے	زاہد جو اس کا تیر نظر کار گز نہ تھا
کچھ اور ہی مزہ ہوئے ذوق و شوق کا	جو لطف پہلے دن تھا وہ روز دگر نہ تھا
ٹھہرا وصال وعدہ فردا سے حشر پر	دل کو یہاں تحمل روز دگر نہ تھا
سوئے فتنہ کو جگائے کو ہوا تو پیدا	کی تری آنکھوں نے کیفیت جادو پیدا
آفت جان ہو عالم کے لیے تو پیدا	کس بلا کے ہوئے چشم و رخ و گیسو پیدا

وہ جوانی کے مزے دلبر کم سن میں کہاں
مست عاشق کو تری بوئے دہن کرتی ہے
خچہ چیب تک کہ نہو گل نہ ہو خوشبو پیدا
ایک خچہ سے نہ ایسی ہوئی خوشبو پیدا
دونوں ہاتھوں سے بلائیں تری لیتا ہو حسین
چہرے پر تیرے یہ لے بت نہیں ابرو پیدا
دل بھی آپکے کوچے میں تڑپ کر ہو بچے
ہو جو پہلو سے نکل جانے کا پہلو پیدا
فیض انوار ازل حصے میں ہے اول سے لے
جملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا
شکل آئینہ گزر خلوت اصنام میں ہے
شکر خالق ہے کہ جو ہر ہوئے ہندو پیدا

جند اشہر دو یار لکھنؤ دیکھئے باغ و بہار لکھنؤ
دیکھنا ہو صبح دم وہ ہر انور آئینہ بن گیا ہو مطلع خورشید خادر آئینہ

بوئے فرحت بھی تو ہو بچے روشنی سے روح کو
گر نہ ہو حاصل کسی سے مدعا بے دل نہ ہو
آدمی کو رب اعلیٰ پر تو کل چاہیے
مراد دل نہ حاصل ہو تو پھر کیا خاک جینا ہو
دل ناشکفہ رہ گیا کو شمش ہزار کی
اس باغ میں ہوا ہی نہ آئی عذر ار کی
کیفیت اور ہے لب میگوں سے آپ کی
ہے تیرے جھوٹے پانی میں مستی شراب کی
کلام میں صفائی خیالات میں جدت موجود ہے اور ان کی پختہ مشق کا ثبوت تو ان

کے وہ پانچ ضخیم دیوان ہیں جو دقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور ہاتھوں ہاتھ بکھل گئے۔
جو ہر لالہ مادھورام کو ٹھٹی وال نام جو ہر تخلص فرخ آباد کے ایک بڑے دولت مند اور
لے یہ دونوں شعر پر معنی ہیں مگر جملہ مخلوق سے پہلے ہوئے ہندو پیدا اگر محض شاعری نہیں تو اور کیا کہا جاسکتا

ہے اور شاید اسی لیے دوسری آوازیں یہ کہا گیا ہے کہ لے "شکر خالق ہے کہ جو ہر ہوئے ہندو پیدا"
لے جو ہر کے حالات اجمالاً گزشتہ آواز میں آپکے ہیں لیکن اب تفصیل سے پڑھیے اور تند کر کا لطف اٹھائیے۔

مقتدر رئیس تھے۔ ان کے والد کا نام جو آہل تھا۔ ان کا خاندان دجاہست اور علمی فیصلت میں بکتائے روزگار شمار کیا جاتا تھا، بچپن ہی سے شاعری کا ذوق ظاہر ہونے لگا۔ بنشی اسماعیل حسین منیر کے شاگرد ہوئے اور مدتوں نہایت توجہ اور محنت کے ساتھ مشق سخن کی، بہت خوشگوار نامور شاعر گذرے ہیں۔ شعر کے بڑے قدردان اور محسن تھے ان ہی کی وجہ سے منیر اکثر فرخ آیا و تشریف لاتے اور مہینوں قیام فرمایا کرتے تھے جو ہرنے دہلی۔ اکبر آباد۔ لکھنؤ میں بھی اکثر قیام کیا اور یہاں کے شعرا سے فیض حاصل کیا سخن شعرا میں ان کے یہ اشعار منتخب کئے گئے ہیں:۔

نیز آنکھوں میں بھری ہو کمال ات بھر ہے کس کے نصیب تم نے جگائے کدھر ہے
ہر دم جتنائے نہ محبت شب وصال جب یہ نگاہ آپ کی وقت سحر ہے
ان کے اور اشعار ملاحظہ ہوں:۔

شب جیسی گزری دن بھی گزر جائے گا مرا جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر ہے
کیا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ تا چند منظر مری آنکھوں میں دم ہے
یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کے جب میں جانوں کہ مے بعد مراد ہیان ہے
جس کے پامال ہیں کھائیں گے اُسی کی ٹھوکر کدیا ہٹ کے پل ادفنہ محشر اہم ہے
جھومتے آتے ہیں کیا ابرسیاہ نشہ میں چور یہ متواسے ہیں
نا تو انی کے سبب لے وحشت خار بھی میرے لیے بہا لے ہی
اس طرح جھوم کے پٹنے حضور سب کہیں گے کہ یہ متواسے ہیں

اچھا اپنی فصل میں ہر راگ دیتا ہے بہار ہونے کا بولی یہ سادہ گانہ بہار سے
میوہ رستا ہے اگھا چھائی ہو جلتی ہے ہوا ہائے کیا اندھیر تو ہو ہوا رستا میں

دیر کر رکھی ہے کیا، ساقی بلا بھی لئے شراب
دو ہی دن میں یہ صنم ہوش رہا ہوتے ہیں
شوق سے پیچھے ہٹا رہا دقبوں کے شراب
دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
جو ہر الفت بھی ہو کیا چیز کہ سن کو حسین
دل میں فوش ہوتے ہیں ظاہر نہیں ہوتے ہیں

فریاد کرے کس سے گنہگار تھا را
بر یوں کی تو کیا اصل جو عیسیٰ نظر آئی
خوشید جو دن کو ہو تو متاب ہو شکو
خود کو مٹنا ہو پری زادوں کو حسرت
کعبہ کی تو کیا اصل ہو اس کو چہ کرا گئے
در دل عاشق کی دوا کو ن کسے گا
جو ہر تمہیں نفرت ہے بہت بارہ کشتی سے

رد ز کنتے تھے "کبھی غیر کے گھر دیکھ لیا"
آہوں سے آگ لگا دیں گے دل دشمن میں
ہم سے پردہ ہو کہیں چاندنی کی سیر میں ہیں
کون سوتا ہے کسے ہجر میں نیند آتی ہے
آنکھیں سلوا دیں مگر ذوق تصور نہ گیا
جب کہا میں نے نہیں کوئی چلو میرے گھر ق
بوسے چلنے میں نہیں عذر مجھے کچھ لیکن
آج تو آنکھوں سے لے رشک قمر دیکھ لیا
چھپ کے رہتے ہیں ہمارے گھر دیکھ لیا
کھل گیا حال میں لے رشک قمر دیکھ لیا
خواب میں کس نے تمہیں ایک نظر دیکھ لیا
گو نظر بند ہوئی تو بھی ادھر دیکھ لیا
خوب ریتے ہیں ادھر ادا دھر دیکھ لیا
خوف یہ ہے کسی مفسد نے اگر دیکھ لیا

زلفیں اُجھی ہوئیں، نیند آنکھوں میں، بگڑی ہوئی وضع

باسی جو بن بھی ترا وقتِ سحر دیکھ لیا

اتنی سی بات پر آنکھیں نہ نکالو صاحب کیا خطا کی تھیں جو ہرنے اگر دیکھ لیا^{۱۵}

جو ہر کی زبان کی صفائی۔ معاملہ بندی اور حسن و عشق کے پونچلے۔ ایسے نہیں ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کلام کی دل کشی اور تاثیر خراج تحسین حاصل کر کے رہے

گی "ہر شعر ناخن بدل ہے" اپنے مدعا کے دلی کیسی بے تکلفی اور سلاست کے ساتھ نظم کر دیتے ہیں اور اسی وجہ سے انھیں ایک قادر الکلام اور پختہ شاعر مانا جاتا ہے گا۔

جہاں | پنڈت امر ناتھ نام تھا، لقب جامعہ الہ باد کے آپ شیخ ہیں آپ کے والد ماجد

پنڈت گنگا ناتھ تھا بھی پہلے اسی جامعہ کے شیخ رہ چکے ہیں آپ کا شمار صوبہ کے چند

لایق و مقتدر افراد میں کیا جاتا ہے۔ آپ کے ناقدانہ مضامین بہت دلچسپ اور مفید

مطلب ہوتے ہیں اور ادب اردو میں بہت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

اردو ادب کو آپ کے مشوروں کی ہر وقت ضرورت ہے۔

چاند | چاند تخلص آپ آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ اردو ادب

سے عشق ہے خود شاعر بے ہمتا ہیں فلسفہ اقبال کے ماہر ہیں۔ اقبال کے حضور ہیں۔

زاد ادب یہ کیا ہے کیا عجب ہے کہ آئندہ وہ ملک میں فلسفہ اقبال کے شارح کی حیثیت

سے مشہور ہو جائیں وہ غیر معمولی عقیدت جو چاند کو علامہ اقبال سے ہے اس کی نظیر

علامہ علامہ ہوا سہیل مرحوم (علی گڑھ) ہیں ایک بیش قیمت مضمون "سیرۃ شکر" بریلوی کا شاہکار ہوا

اس سے اس باب کی تالیف میں مجھ کو بہت مدد ملے ہے۔ اس نے میں شکر اور ستائش ملے

نشیہ احمد صاحب صدیقی (جامعہ علی گڑھ) کا شکر۔ ادراک ناچوں۔ ناظر کا کوہی ۲۵/۱۰/۶۷

مشکل سے نظر آئیگی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کی رفیقہ حیات بھی ایک خوش ذوق ادیبہ ہیں۔ آپ کی انیس خلوت اور بیس جلوت محسنِ ادب کی صاحبزادی ہیں۔ مخدومِ ادب کا خیال ہے کہ مسٹر چاند کی شاعری میں مستقبل کی کامرانیاں منتشر ہیں۔

ڈاکٹر رام منوہر لہیا | رام منوہر نام لوتھیا عرفیت آپ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے اردو دنیا میں زیادہ مشہور ہیں آپ کے مضامین ہندوستان میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں آپ کا طرزِ تحریر دلغریب سادہ اور روزنی ہوتا ہے۔ جب دنیا میں سیاسی ادیبوں کی تاریخ لکھی جائیگی تو ڈاکٹر زین العابدین عبدالشکور جلال۔ شاہد لطیف۔ انیس لہاری علی سرور جعفری۔ ریاض الاسلام۔ کنور محمد اشرف۔ سبط بنی۔ حیات اللہ انصاری اسرار الحق مجاز۔ پروفیسر احمد علی۔ فرقت کا کوردی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم احراری۔ عشرت صدیقی۔ محی الدین۔ قاضی یونس۔ مخدوم محی الدین ایم ایف بانو۔ فان شاہ حسین اختر۔ سجاد ظہیر۔ معین احسن جذبی۔ شہاب علیج آبادی۔ بیگم فاروقی۔ منظر رضوی ہاجرہ بیگم۔ رفیق صہبائی۔ خلیل الرب۔ مسٹر عباسی۔ سلطانی بیگم۔ قادر انبلاوی خلیق صدیقی۔ الطاف احمد کے دوش بدوش ڈاکٹر لوتھیا کی سیاسی ادبی خدمات کو سراہا جائے گا۔

ستیا سہائے | بابو ستیا سہائے نام آپ کا کچھ عرصہ تک کانگریسی دور حکومت میں شعبہ نشر و اشاعت سے تعلق رہا ہے۔ آپ کو ادب اردو سے بہت گہری دلچسپی ہے آپ کی کتاب واجد علی شاہ بہت مشہور ہے بہت مرعجان مریخ بزرگ ہیں زبان پر قدرت ہے اور شعر و شاعری سے فطری دلچسپی ہے

شکلا | بابو جگل کشور نام شکلا عرفیت۔ آپ بھی سیاسی ادیب ہیں آپ کے سیاسی و عمرانی و سماجی افسانے بہت مشہور ہیں۔

شیمیم | رائے بہادر شیونرائن نام شیمیم تخلص۔ آپ ہندوستان کے اُن چند قابلِ تعظیم ہستیوں میں گزرے ہیں جنہوں نے باوجود اپنا اے وطن کی مخالفت کے اُردو پرستی میں اپنی عمر عزیز گزار دی۔ آپ کی کتابیں بہت مشہور ہیں لاہور ہائی کورٹ کے مشہور وکیل تھے۔ بدھ مذہب پر عبور کامل حاصل تھا میرے والد ماجد منشی امیر احمد صاحب علوی کی کتاب دہات آباد دھ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنی کتاب فلسفہ بود میں اس کو بڑے ادب و احترام سے نقل کیا ہے۔ کل دنیا بودھ کا نفرت کے دونوں اجلاسوں میں جو جاپان اور لنکامیں منعقد ہوئی تھی اس کے ہندی نمائندہ منتخب ہوئے تھے۔

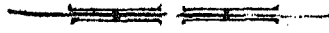
شیام پیاری | شیام پیادی نام۔ برابر لکھتی پڑھتی رہتی ہیں۔ آئندہ چل کر امیدوار اپنا نقش دنیا سے ادب پر قائم کر سکیں گی۔

شبنہ دیال بھٹناگر | (رائے صاحب) منشی شبنہ دیال بھٹناگر نام آفتاب تخلص آپ فیض آباد کے مشہور ادیب ہیں ہمیشہ سے آپ کے تعلقات اہل ادب سے محکفہ رہے ہیں۔ آپ کو علم و ادب سے بڑی دلچسپی ہے اور بہت جرأت سے باوجود اپنا اے وطن کی مخالفت کے آفتاب اُردو میں ہفتہ وار شائع کرتے ہیں۔ آپ کے معادن ڈاکٹر قاضی عبد لطیف ایم۔ اے بھی آپ کا ہر موقع سے اُتھ بٹا کر رہے ہیں۔ آپ کی کتاب "سید عین الدین" بہت مشہور ہے۔ قومی خدمات کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ نظرت ایسی فرشتہ فصاحت ہستیاں ہمیشہ پیدا نہیں

کیا کرتی۔ حال ہی میں اپنی سرپرستی میں آنتاب کا ماہنامہ بھی شائع ہونا شروع ہوا اور



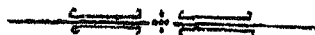
عیشی چرن | منشی عیشی چرن نام آپ عرصہ دراز تک موجود ہونے والے تعلیمات سے متعلق رہ چکے ہیں تصنیف و تالیف میں آپ کی عمر گزری ہے۔ آپ کے صاحبزادہ بھی اردو ادب سے کافی دلچسپی رکھتے ہیں۔



کسان | رام سرورپ نام۔ آپ کسانوں کے نقیب ہیں غریب سماج کی مشکلات کو اکثر پیش کرتے رہتے ہیں۔

لالہ سری رام | لالہ سری رام نام دہلی کے اہل کمال میں ابن کا نام نامی رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ ان کا مقصد حیاتِ اردو پرستی تھا۔ ان کا لافانی ادبی ترکہ خزانہ جاوید لب بھی موجود ہے ملک کے مشاہیر اباد و فضلا کا تعلق ان کے دفتر سے رہ چکا ہے نقد و تبصرہ کا ذوق بہت بلند تھا۔ خزانہ جاوید اردو شعر کی زندہ انسائیکلو پیڈیا ہے (دائرۃ المعارف) ہے۔ اور جب کبھی اردو ادب کی کوئی جدید تاریخ شائع کی جائیگی تو لالہ سری رام کا نام ہی پڑے ادب و احترام سے لیا جائے گا۔ آپ کا ادبی ترکہ جامعہ بنارس میں محفوظ ہے۔

گھوٹال | ... نام پر دنیس گھوٹال کے نام سے ادبی دنیا میں مشہور ہیں عرصہ تک دربار بھوپال سے ان کا تعلق رہا ہے صحیح اردو لکھنے میں کمال رکھتے تھے بڑے سخن شناس اور بڑے سنج بزرگ تھے۔



موہن لال نہرو | موہن لال نام نہرو عرفیت آپ بھی ایک سیاسی مفکر ہیں آپ کے

مضامین ہندوستان میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مالک رام | مالک رام ادبوجہ نام جالندھر کے ایک مشہور اور شریف گھرانے کے

ایک نوجوان اور ہونہار فرد ہیں۔ اردو ادب کا ذوق ہی نہیں عشق ہے۔ آجکل مصر میں

ٹریڈ کمشنر کے دفتر سے اون کا تعلق ہے۔ کلام مجید پر کامل عبور حاصل ہے۔ فارسی

ایسی جانتے ہیں کہ ان کے اکثر مضامین پر ایرانی رسائل نے تبصرہ کیا ہے۔ غالب پر

ان کی کتاب بہت مقبول ہوئی ہے۔ آپ کے مضامین نگار میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ما تھر | جو الاسہائے نام ما تھر خاندانی لقب تھارہ (الود) میں ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے

ابتدائی تعلیم قصبہ سہنہ ضلع گڑگادال میں ماحصل کی۔ جے پور۔ بھرت پور و دکن شری کے

ریاستوں میں بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ وقائع راجپوتانہ آپ کا مشہور تاریخی کارنامہ

ہے۔ اس کے علاوہ بھرت پور ڈویژن کی بھی تاریخ مرتب کی ہے مختلف مجید نامہ جات

کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ وقادار راجپوتانہ آپ کی مشہور کتاب ہے شیشہ طلائی سبزی بھی

اچھی کتاب ہے دہلی کے زادیوں سے عہدہ کتاب مرتب کی ہے۔ وقائع راجپوتانہ کی شانی

تحریر بہت ادبیانہ و مورخانہ ہے۔ ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔

ما تھر | منشی کھیلالال نام ما تھر خاندانی لقب آپ بسوہ ریاست جے پور کے رہنے والے

ہیں۔ فارسی علم ادب اور اردو زبان کے عالم مخدوم اور ادیب کتبہ سبغ ہیں۔

مشتاق | اینڈٹ رام نرائن نام مشتاق تخلص لکھنؤ کے رہنے والے ہیں اب عرصہ

سے دہلی میں قیام ہے آپ برابر اردو ادب کی خاموش خدمات سر انجام دیتے رہتے ہیں۔

موجی | موجی رام نام موجی تخلص۔ لکھنؤ کے شرفا میں تھے مقنعی سے شرف تلمذ تھا۔

مائی نہ ایک بات سحر تک شب وصال میرا سہ نیاز تھا اور سیم تن کا پاؤں

آئی جو اس کے آنے سے گلشن میں فصل گل بلبیل نے چوم چوم لیے گلبدن کے پاؤں

————— ❦ —————

ناز | شریعتی و معراج کنور نام ناز تخلص -

کیا خطا مجھ سے ہوئی جو چوئے ہو بیزار اپنی محفل سے اٹھاتے ہو عبث تم مجھ کو
نسیم | پنڈت دیا شنکر نام نسیم تخلص - خواجہ آتش کے نامور شاگرد تھے -
بقول چکیست ان کا سکہ اب تک اقلیم سخن میں جاری ہے - ثنویات میں نسیم پر
مکمل تبصرہ موجود ہے - ان کی ثنوی گلزار نسیم یادگار زمانہ ہے - جس وقت یہ بے نظیر
ثنوی تیار ہوئی اس وقت اس کا حجم بہت زیادہ تھا - جب نسیم استاد کے پاس صلاح
کے لیے گئے تو انہوں نے کہا کہ اسے بھائی اتنی بڑی ثنوی کون پڑھے گا - یا تم پڑھو گے -
مگر تم نے تصنیف کی ہے یا میں صلاح کے خیال سے ایک مرتبہ دیکھ جاؤں گا - استاد
کال کی بات دل پر اثر کر گئی - ثنوی کی پھر نظر ثانی کی - جتنے بھرتی کے شعر تھے نکال
ڈالے بلکہ جو مطلب چار شعروں میں روا ہوتا اس کو اختصار کے ساتھ ایک ہی شعر میں
اد کیا - اس صورت سے ”گلزار نسیم“ کو خار و خس سے پاک کیا - اور آتش کے پاس
لے گئے - استاد نے شاگرد کی محنت پر آفرین کی - اور اصلاح کا قلم اٹھایا - آتش
کی نظر ثانی کے بعد ثنوی طبع ہوئی - شائع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ ایک نئی تقسیم کو بھی
شہرت عام کا خلعت نصیب ہوا - اور بقائے دوام کے دربار میں میر حسن کے
برابر کرسی ملی -

گلزار نسیم کا ایک خاص جوہر جو کہ نسیم کا حصہ ہے تناسب لفظی ہے - تناسب

۱۵ ثنویات - شمس امیر احمد صاحب علوی - ۱۰ میر محل نصیر باغ کاکوری قیمت ۱۲ /

لفظی کی صفت ہمیشہ اُردو شاعروں کے پسند خاطر رہی ہے۔ لیکن کسی نے اس درجہ کمال پر نہیں پہنچایا جیسا کہ ہم گلزارِ نسیم میں دیکھتے ہیں۔

پزدہ سے جو دایہ نے نکالا	بتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
اک مُرخ ہوا اسیرِ میتاد	دانا تھا بلابرِ چمن زاد
پالا تو مفارقت ہے انجلم	دانا ہے تو مجھ سے لے مجھے دام
مجنوں ہو اگر تو فصد لیجئے	سایہ ہو تو ردِ دم ہو پ کیجئے
سودا ہے مری بکا دلی کو	ہے چاہِ بشر کی بادی کو
سخنی سہی یا کڑی اٹھائی	اُفتاد تھی جو پڑی اٹھائی
پانی نہ آکر دپ پھرے بہرِ مرص مال	موتی ملیں تو دانست نہ اپنے نکالے
قبورِ میری لگایا نسیم کا اس نے زینت	بعدِ مرنے کے مری تو قبرِ آدمی رکھی
طوطا بن کر شجر پہ جا کر	پھن کھا کے بشر کا روپ پاکر
بتی پھل گوند چھال لکڑی	اس پٹر سے لیکے راہ پکڑی
دو جال دو ہار دو غسلامی	وہ گھات وہ جیننا تھامی
دو دسترساں دردہ پائے مردی	وہ سیکسی اور وہ دشت گردی
دو دیو کی بھوک اور وہ تغیر	دو حلوسے کی چاٹ اور وہ تحریر
دو سعی وہ دیوئی کی صحبت	محمودا کی وہ آدمیت
تجزی کی وہ سُرنگ کی راہ	اور ہوش در انیاں و نوا
دو سیرِ چین وہ پھول سے نا	دو عزمِ وطن دو داغ دینا
دو کور کے حق میں بغیر ہونا	دو خوں سے مل کے بھول گونا

وہ بالی کو آگ پر دکھانا وہ مدے پر دیونی کا آنا
 وہ نہ ہمت گلشنِ نیکار میں وہ دعوت بادشاہ دہلیکین
 گذرا تھا جو کچھ بیان کیا سب یہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب
 بتور اسکے وہ بار بردش بیٹھا تو گرا، اگر اتو بہوش
 مفلس زردار امیر قلاش نوکرتا بر فقیر خوش باش
 اقرار میں تھی جو بے حیائی شرابی لہائی مسکرائی
 بوجھا کر سبب کہا کہ قسمت بوجھا کر طلب کہا فضاغت
 نسیم نے اکثر مقامات پر تکلف کا پردہ اٹھا دیا ہے اور سادگی سے کام لیا
 ہے۔ ایسے اشعار کم پائے جاتے ہیں مگر جو ہیں وہ لاجواب ہیں اور ضرب المثل
 گئے ہیں۔ مثلاً

انسان دہری کا سامنا کیا مٹھی میں ہوا کا تھا منا کیا
 غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجئے دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجئے
 کیا لطف ہو غیر پردہ کھوڑ جاؤد وہ جو سر پر پردہ کے بوڑ
 سمجھانے سے تھا ہیں سرکار اب مان نہ ان تو ہے مختار
 ہوتا ہے دہی خدا جو چاہے مختار ہے جس طرح نہا ہے
 آتا ہوتا تھا سے نہ دیجئے جاتا ہو تو اس کا غم نہ کیجئے
 درویش رواں رہے تو بہتر آب دریا ہے تو بہتر
 نسیم کی زبان بھی نہایت سلیس و پاکیزہ ہے۔ اور اسے لکھنؤ کی ٹکسالی زبان
 سمجھنا چاہیے۔ واقعی کیا خوب کہا ہے

بچی نہی جو زلف کر دٹوں میں بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

نور آگیا چشمِ آرزو میں آیا پھر آبِ رفته جُویں

گل ہوں تو کوئی چمن بناؤں غربت زدہ کیا وطن بناؤں

بیجا تو ملے گا جا نور ہوں گرز بچ کیا تو مشیت پر ہوں

اس نام کے اس لقب کے مدد تے اس نام کے اس طلب کے مدد تے

کیوں منہ پہ شفقِ خوشی سے پھولی کیا شامِ دس سال راہ بھولی

منہ پھر کے ایک مسکرائی آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی

جتوں کو ہلاک رہ گئی ایک ہونٹوں کو ہلاک رہ گئی ایک

کیا رنگ زمانے نے دکھائے گل لینے گئے تھے داغ لائے

راتوں کو جو گنتے تھے ستارے دن گنتے لگے خوشی کے مارے

علاوہ ہر کلام میں وہ بھنگی اور ترکیب میں وہ متانت ہے کہ اکثر اشعار
کی بندش نقد میں فیضی کا دہرہ برباد دلاتی ہے۔ واقعی کیا سنجیدہ دہرہ شوکت کلام سے

پر بحر سخن سدا ہے باقی دریا نہیں کار بند ساقی

مُرغان ہوا تھے ہوش راہی نقشِ کعبہ پاتھے ریگ راہی

جاگِ مرغِ سحر کے غل سے اٹھی نکمت سی نریش گل سے

پانچوں سر پنجہ و فاس تھے یا مطلعِ خمسہ صفا تھے

اے آئینہ وار خود نمائی دے سہرہ چشمِ آشنائی

اک شب کہ تھی خال روئے نہایت یا مردم دیدہ قیامت

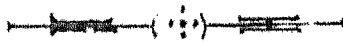
غرض کہ مناسب لفظی، اختصار، بھنگی کلام، چستی بندش، شوکتِ اہلِ طراز

پاکیزگی زبان اس ثنوی کے خاص جوہر ہیں۔ استعاروں اور تشبیہوں سے جو مینا کاری کی ہے اس نے اور حسن دو بالا کر دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ایسے قادر الکلام شاعر کا انتخاب بیش کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن بقول چکبست کے نسیم کا کلام آتش، تاج، ذوق، غالب کے کلام کا ہیبت نہیں یہ لوگ آسمان سخن کے تارے ہیں۔ ان کے برابر کسی کو عروج نہیں ہوا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ نسیم زند۔ صبا و خواجہ وزیر کے ہم بلد ضرور تھے۔ تینوں استادوں کی ہم طرح غزلوں کے انتخاب درج ذیل ہیں۔ سخن شناس نگاہ انصاف سے دیکھیں۔

نسیم	دل سے ہر دم ہیں داڑ بکا آتی ہو	بند کافوں کو بھی گریہ کی صدا آتی ہے
زند	تیرہ دہاڑ ہواں دہاڑ گھٹا آتی ہے	میکشہ فصل بے ہوش رہا آتی ہے
نسیم	ختم نہ بن کر خود غرض ہو جائیے	مثل ساغر ادر کے کام آئیے
زند	دھوپ دن کی اوس شب کی کھائیے	آستان یار پر مر جیے
نسیم	آپ آہو چشم ہیں آہو نہیں	ہم سے وحشت کی نہ لیجئے آئیے
زند	مجھ سے بیوہ نہ گرمی کیجئے	ٹھنڈے ٹھنڈے آب گھر کو جائیے
نسیم	ابر رحمت سُننے ہیں نام آپ کا	خاکساروں پر کرم فرمائیے
زند	دن کو تو تشریف تم لاتے ہو روز	شب کو بھی اک دن کرم فرمائیے
نسیم	جو ہر تیغ نگہ کھل جائے گا	منہ نہ میرے زخم کا کھلوائیے
زند	کچھ کروں گا میں بھی ابلے دست میں	چھکے رہے منہ نہ آب کھلوائیے
نسیم	لاے اُس بُت کو النجا کر کے	کفر ڈھاندا خدا کر کے

(دہم) کیا بلا عرض مدعا کر کے
 (دہم) سب سے دل کسی کی نہ اٹھا اٹھائیے
 (دہم) افتادگی سے خاک سراپا اٹھائیے
 (دہم) چاہ اپنی ماننا نہیں وہ بے یقین اگر
 (دہم) افسوس کہ اعتبار کسی بات کا نہیں
 (دہم) ہوا تو کتنی چو سات آبد ہمار چہن
 (دہم) خدا کو واسطے کلمہ بنوں کا پڑھو واعظ
 (دہم) کیوں خفا رشک ہو رہا ہے
 (۱۰) جس کو دیکھو وہ اس زمانہ میں
 (دہم) بندہ اب نا صبور ہوتا ہے
 (۱۱) اُسے تھا جب ہمار آتی ہے
 ہم کو سودا ضرور ہوتا ہے
 واقعہ یہ ہے کہ جب تک لکھنوی شاعری زندہ ہے یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص
 نسیم کو فراموش کر سکے۔ اس سلسلہ میں مباحثہ گلزار نسیم دیکھنے کے قابل ہے۔



درما جگدیش چندر در مانام آپ کے والد ماجد بابورام اگر الال سری و استو
 اس صوبہ میں اپنی قانونی و ادبی قابلیت کے لیے مشہور ہیں عرصہ تک اس صوبہ میں
 ججی کر چکے ہیں مسٹر درما جی اس صوبہ کے جج جٹری کے نظم و نسق سے متعلق ہیں پراڈنشل
 سول سروس (جوڈیشل) کے ایک درخشاں و کن ہیں۔ دو ادب سے بہت گہرا تعلق
 ہے۔ اردو زبان کو مسٹر درما سے جائز توقعات وابستہ ہیں۔

وفا پندت میلارام نام وفاقاً تخلص آپ کو اردو ادبیات سے بہت ذوق ہے
آپ کی کتاب کو کمبیس کمینہ اردو لاہور سے شائع ہوئی ہے آپ کو ترجمہ پر قدرت
حاصل ہے۔

دور ماہ اسد ناتھ نام ورمہا خاندانی لقب آپ کے آباد اجداد ماتھر کا بیٹھ تھے اور
نارنول کے قدیم خاندان قانون گویاں سے تعلق رکھتے تھے تقریباً ۳۰ سال سے خاص
عروں بلال دھلی میں مقیم ہیں۔ اور شاہان مغلیہ کے عہد ہایوں میں برابر مناصب
جلیلہ سے سرفراز رہے ہیں۔ ہنگامہ مشرق کے بعد آپ کے جد امجد غشی اچھے ناتھ نے
بحسرت دیاس دئی کو خیر باد کہا اور ریاست اور کی ملازمت کر لی۔ اور آپ کے والد
غشی بالی ناتھ بھی سرکاری شفا خانہ اور کے دفتر سے متعلق رہے۔ دور ما صاحب کی
پیدائش اور میں ہوئی اور تعلیم ختم کرنے کے بعد ریاست جے پور کے سربراہ اور
دمتاز جاگیدار والی ڈی یعنی عالیجناب بلند پالگاہ ٹھاکر صاحب دیو سی سنگھ کے فرزند
رشید ٹھاکر صاحب امر سنگھ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اور جب ٹھاکر دیو سی سنگھ کا انتقال
ہو گیا تو دور ما صاحب کا تعلق حکومت پنجاب کے سرشتہ تعلیم سے ہو گیا۔ لیکن ۱۹۱۳ء
میں ہندو گالچ سے متعلق ہو گئے اور ۱۹۲۲ء سے دھلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی
اور اردو کے صدر ہیں اور ہندو گالچ میں سینئر پروفیسر اور وفارسی کی خدمات
بھی بحسن و خوبی سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کی کتاب معیار اردو بہت مشہور ہے۔
مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ العالی نے اس کتاب پر
حسب ذیل الفاظ میں ہر تصدیق ثبت کی ہے۔

پروفیسر صاحب چونکہ دہلی کے قدیمی باشندے ہیں اور دہلی وہ شہر ہے جہاں

ہندو مسلمانوں نے بل کر اردو زبان کو آراستہ کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے
یہ کتاب لکھ کر ان مخالفوں کو جواب کر دیا۔ جو کہتے تھے کہ ہندو لوگ اردو زبان
سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور ان کو اردو زبان نہیں آتی۔ وہ اس کتاب معیار
اردو کو دیکھیں گے تو ان کو اندازہ ہوگا کہ پروفیسر آخوند خاں صاحب ورنے
نہ صرف ایک کتاب اردو کے معیار کے قابل تیار کر دی بلکہ مضامین ایسے
چھانے جو اعلیٰ معیار کے کہے جاسکتے ہیں اور پروفیسر صاحب کی بلند نظری
کو ثابت کرتے ہیں۔

میں حامیان اردو داروئی کے مسلمانوں کی طرف سے پروفیسر صاحب کی
اس محنت کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب مقبول خاص عام ہوگی۔

اعتراف

طبیعت گہرائی پر فضا باغ میں گیا۔ طبیعت سیر نہ ہوئی۔ مختلف باغائیں گھوما۔
پھولوں اور پتیوں کو دیکھا۔ حالات و نام دریافت کیے۔ پھولوں کی سدا بہار معطر کوئی
پتیوں اور خوشبوؤں کو محسوس کیا اور جو ہوائیں جھکو مسو کر سکیں انہیں کو احباب پارہ سار
کی خدمت میں بعد احترام پیش کیا میرا کیا ہے؟ پھول باغوں کے ہیں اگر کسی صاحب
نظر کو کسی پھول پر شبہ ہو تو تعجب نہ کرنا چاہیے ہر پھول اور بوٹا مختلف تختوں اور کیا ریز
سے حاصل کیا گیا ہے۔ اور گلہ مستر بنا کر ارباب ذوق کے حضور میں ادب سے پیش کیا جاتا

ہے۔ مگر قبول افتد زہے و شرف
”ناظر کا کوروی“

۱۶ سادہ لاکھ پرائٹ راج، ۱۰ دسمبر ۱۹۳۹ء

ضمیمہ (۵)

یہ کتاب ختم ہو چکی تھی کہ مجھ کو ایک ضرورت سے دہلی جانیکا اتفاق ہوا اور حضرت مفتوح پورٹ خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی خواجہ زارہ سلطان نظام الدین ادیلیا کی خدمت اقدس میں بھی شرفِ عارضی نصیب ہوا۔ خواجہ صاحب نے ازراہِ کرم مجھ کو محسنِ ادب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو صدرِ آل انڈیا اردو کانفرنس دہلی۔ مسٹر گاندھی۔ مسٹر جواہر لال نہرو۔ سر اکبر حیدری۔ لواب ہمدی یا رنگ بہادر اور مسٹر ای۔ ایم چنگیز چیف کسٹرمو بہ دہلی کے اہم بیانات عنایت فرمائے اور حکم دیا کہ ہندو ادیب میں انکو شامل کر دیا جائے اسی سلسلہ میں بنگال میں اردو ادب پر ایک نوٹ بھی شیخ اکبر علی صاحب عظیم ملکہ (الدہ آباد) اور مولانا ابوالقاسم محمد انصاری ایوبی بھر العلومی فرنگی محلّی کی عنایت سے بھی دستیاب ہوا وہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔

محسنِ ادب ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو | اگرچہ میں کانفرنس میں موجود نہیں ہوں لیکن میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں کانفرنس کے مقاصد سے پوری طرح متفق ہوں اور آپ کا ہم فواد ہم آہنگ ہوں اور آپکی پوری پوری کامیابی کی اُمید رکھتا ہوں۔ آجکل زبان کا مسئلہ بہت اہم بنا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کو فرقہ دارانہ نظر سے نہ دیکھنا چاہیے۔ میرے خیال میں ہندوستان کا زبان کا جو تنازعہ کھڑا ہو گیا ہے وہ اور مسئلوں سے زیادہ نازک ہے کیونکہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ کوشش سے وجود میں آئی اگر یہ زبان تباہ ہو گئی تو وہ تہذیب و تمدن بھی تباہ ہو جائیگا جو اسکی بنیاد پر قائم ہے۔ اور شمالی ہندوستان میں یہں بہت دشواری سے دوچار ہونا پڑے گا۔ آجکل ہندوستان میں ایک نئی زبان قائم کر نیکی کوشش کی جا رہی ہے۔ شمالی ہندوستان میں یہ کوشش نمایاں ہے۔ ہندوؤں نے فارسی پڑھی۔ مسلمانوں نے ہندی پڑھی۔ دونوں نے ملکر ایک زبان بنائی جو اس مشترکہ زبان اُردو کی ابتدا تھی اُردو میں مختلف زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس زبان کو استادوں نے فخریہ

مانجھا اور اسے ستھرانا دیا۔ اور یہ شکر کہ زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی کوشش سے بغیر
تمام شہروں کی عام زبان ہنگوی بلکہ دیہات میں بھی سینکڑوں الفاظ اسکے پائے جاتے ہیں۔ دہلی
اگرہ اور لکھنؤ اور پنجاب کے علاقوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اب خطرہ درپیش ہے کہ چون کہ مرزا
لفاظ ہماری زبان سے نکالے جائے ہیں اور ایک نئی زبان قائم کی جا رہی ہے۔ اسکی کیا ضرورت
ہے۔ ہماری زبان دو ڈھائی سو برس تک قائم ہو اسکو ختم کر دینا اسکی پس پشت تہذیب کو بھی ختم کر دینا ہو۔
اسوقت اردو زبان معرض خطر میں ہو اور خطرہ دونوں طرف ہے۔ یہ خطرہ آپس کی عام گفت
ویدل کا نتیجہ ہے ایک طرف تو مستقل فارسی عربی کے الفاظ نکال کر انکی جگہ سنسکرت کے الفاظ
داخل کیے جائے ہیں دوسری جانب مشکل سے مشکل عربی اور فارسی الفاظ کو داخل کیا جا رہا ہے
دونوں چیزوں سے زبان کو نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ اس کیساتھ بدترین سلوک ہے انہیں توڑاؤ
کو اس نقصان کے کم کرنے کے لیے پیش قدمی کرنا ہے۔ اسکے لیے خاص اقدام کی ضرورت ہے۔ جو اس صورت
میں ہو سکتا ہے کہ عام فہم زبان میں کتابیں اور رسالے لکھے جائیں۔ دوسری زبانوں سے مثلاً انگریزی
وغیرہ سے بھی الفاظ لیے جائیں ادب کا دائرہ دزد بردزد زیادہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ مستند اردو
زبان میں کتابیں شائع ہونی ضروری ہیں جن سے ہمارے نوجوانوں کیلئے کافی ذخیرہ حاصل ہو جا
مثلاً تاریخ کے متعلق اردو میں کتابیں لکھنا ضروری ہے۔ ادب میں وسیع النظری کی ضرورت ہے۔
وہ ادب ادیب کہلانے کے مستحق نہیں ہیں جن میں منصف مزاجی نہ ہو۔

مسٹر گاندھی | ہمارا ہی نے اپنا پیغام اردو زبان اور اردو رسم الخط میں بھیجا جو حسب ذیل ہے

”مجھے آپ کا تار ملا۔ مجھے افسوس ہو کہ میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ یہی امید ہے کہ یہ سہرے کا تار
ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اردو زبان کی ترقی چاہتا ہوں میرا خیال ہے کہ وہ ہندو ملک

کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اردو لکھیں اور اسی طرح سب ہندی لکھیں۔“

پرنٹ جواہر لال کا پیغام | آپ کا دعوت نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں پنجاب میں مصنفین ہونگی
وہ بے آپجی کا نفرین میں شریک ہونے سے معذور ہوں۔ زبان کے معاملہ میں میرے خیالات آپ کو

ابھی طرح معلوم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ زبان کے معاملہ میں ہر منظر کا خیال رکھا جائے۔ میری نیک خواہش
آپ کے ساتھ ہیں۔ زبان کے اشتراک کے ذریعہ ہم ایک دوسرے سے رابطہ اور اتحاد رکھ سکتے ہیں ہندی
اُردو میں رفاقت نہ ہونی چاہئے بلکہ ایک دوسرے کا معاون ہونا چاہئے۔

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری | رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری صدر اعظم حیدر آباد دکن نے
تحریر فرمایا بالکل ہندو اور دوکانفرنس میں شرکت کیلئے آپ کا دعوت نامہ ملا۔ میں نے اسے لچری سے
پڑھا۔ اُردو زبان ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ ہو۔ اسکی ترقی کی کوشش قومی اور ملکی خدمت ہے ضرورت
ہے کہ اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ ایسے جائیں لیکن زبان کی مشترکہ حیثیت میں فرق نہ لگنے
پائے۔ میں کانفرنس کی کامیابی کے لیے دعا کرتا ہوں۔

نواب ہندی یار جنگ بہادر | اُردو جیسی زبان کی خدمت کرنا اور اسکی ترقی میں مدد دینا
جس میں ملک ممکن ہو ملک کی ایک حقیقی خدمت ہو۔ بول تو مقامی حیثیت سے ہندوستان کے

مختلف حصوں میں مختلف زبانیں رائج ہیں لیکن اگر کوئی ہندوستانی زبان ملک کے اس سرے سے
اُس سرے تک ہر حصہ میں ہر طبقہ میں کم و بیش بولی اور سمجھی جاتی ہے تو وہ اُردو زبان ہے۔ اس
کمار سے کشمیر تک اور بلوچستان سے برما تک بلکہ ہندوستان کے حدود سے باہر دیگر ممالک میں
بھی جائیے تو ہندوستانی زبانوں میں اُردو کا رواج سب سے وسیع اور سب سے عام پایا جاتا ہے
وجہ یہ ہے کہ اُردو زبان قدرتی نتیجہ ہے اہل ہند کے آپس میں میل جول بڑھنے کا تعلقات وسیع ہو چکا
اسی لیے اُردو کو ملک کے کسی خاص فرقہ یا کسی خاص مذہب تک محدود قرار دینا خلاف واقعہ ہو گا البتہ
اسکے رواج میں مبالغہ ضرور ہے۔ اور ہندوستان جیسے وسیع ملک میں مبالغہ ہونا عجب نہیں۔
خلاصہ یہ کہ اگر ملک کو عام ترقی کیلئے کسی عام ہندوستانی زبان کی ضرورت ہے۔ اور حقیقتاً
ضرورت ہے تو پہلے ہی اُردو زبان بڑی حد تک یہ ضرورت پوری کر رہی ہے اور اسکو جو الفاظ

میزب و تحلیل کرینگی غیر معمولی صلاحیت حاصل ہے اسکی بدولت یہ عام بول چال کے سوا ادبی اور علمی
میدانوں میں بھی آگے بڑھ رہی ہے انہیں جوہ کی بنا پر میں اُردو کی خدمت ملک کی خدمت سمجھتا ہوں۔

اور اس خدمت میں شرکت کرنا باعثِ شکر جانتا ہوں۔ ہر زبان اپنے ماحول کے مطابق ترقی
 ہتی ہے اور قدرتی اصول پر ترقی کرتی ہے۔ نفسیاتی مناسبت سے نئے نئے خیالات کیواسطے نئے نئے
 الفاظ اور نئی نئی ترکیبیں قبول کرتی ہے۔ لیکن اگر مصنوعی طریق پر زبانیں صرف کرنا جائے مثلاً
 الفاظ کے اعتبار سے جبری قطع و برید کی جائے یا غیر موزوں آمیزش کی جائے تو زبان گویا
 برگ و بار کا انبار بن جاتی ہے جس کا بالآخر ختم ہونا اور سوکھ جانا یقینی ہے۔ اس میں قدرتی پونے کی
 بات نہیں رہتی کہ بچے بھولے اور پھیلے۔ پس زبان میں من مائے تعریفات کرنا شبہ روز کا افسوس
 مشغلہ بنا رکھا ہے لیکن مشغلہ مفید ہرگز نہیں ہو سکتا غامض ایسے ملک میں جہاں عام زبان کی سخت
 ضرورت ہے۔ اور جہاں کی عام زبان بخوبی ترقی کر رہی ہے۔ یہی مداخلت تنگ نظری اور کوتاہ اندیشی
 کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ علیٰ ہذا ملک کی عام زبان کو مقامی زبانوں کا حلیف سمجھنا بھی صحیح نہیں
 ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جو بجائے خود ایک براعظم ہے اور جس میں یورپ کے بہت سے ملک
 سما سکتے ہیں عام ملکی زبانوں کے پہلو بہ پہلو مقامی زبانوں کا اپنے اپنے دائرہ میں رواج بخوبی ممکن ہے۔
 آج سے صدیوں قبل ہندوستان میں اردو زبان کس طرح پیدا ہوئی کس طرح قدیم
 اور موجودہ زبانوں کے میل جول سے اردو میں عام ملکی زبان کا مرکب تیار ہوا اسکی ساخت و پرداخت
 میں ہندو مسلمان کس طرح دوش و دوش مصروف و منہمک ہے۔ شمالی ہند اور دکن میں کس طرح
 نشوونما پائی۔ ابتدا میں اسکی نظم و نثر کا کیا ڈھنگ تھا پھر اسپر کیا کیا دور گزرنے کے ساتھ اسکا
 رنگ و نغمہ، کیسے کیسے شاعر اور دانشور داغ و زخم پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ پھر ادب کے سوا
 اس میں کس طرح علوم و فنون کی ابتدا ہوئی۔ خاص کر جدید مغربی علوم و فنون کس طرح اردو میں
 داخل ہونے شروع ہوئے۔ کیا مراحل میں گئے ادب و ترقی کی کیا رفتار ہے۔ یہ مباحث فی الجملہ
 اردو کی تاریخ ہیں۔ اور ہر ایک میں بجائے خود تفصیل کی بہت گنجائش ہے تفصیلات اپنے اپنے
 محل پر شائع ہو رہی ہیں یہاں اس کا موقع نہیں۔ ہر حال مختلف دور گزرتے رہے اپنے فطری
 نغز و ذکی بدولت اردو ملک میں پھیلتی اور ترقی کرتی رہی اور انہیں ترقی اور دیکھی اپنے محل پر

مستعدی اور خوشی سے اردو کی خدمت میں مصروف رہی لیکن زمانہ بدلا ملک میں ہر قسم کے نئے نئے خیالات و سوالات پیدا ہوئے۔ معاشی، معاشرتی، مذہبی سیاسی اور تعلیمی وغیرہ اس سلسلہ میں عام ملکی زبان کی حیثیت سے اردو بھی معرض بحث میں لائی گئی۔ اسکی وسعت و جامعیت پر شک ظاہر کیا گیا، اسکی مقبولیت سے انکار کیا گیا، دوسری زبانوں کو اس کا مقابلہ بنایا گیا لیکن یہ بھی ایک دور آیا ہے گزر جائے گا ممکن ہے کہیں اردو کی راہ میں کوئی عارضی رکاوٹ پیش آئے مگر اسی مزاحمت کے رد عمل سے ہندوستان کے بعض حصوں مثلاً سندھ اور بنگال میں اردو کی مقبولیت بڑھ رہی ہو اور وہاں اردو تعلیم کا خاص انتظام فروری ہو ملک کے ہر صورت ایک عام زبان کی ضرورت ہو اور وہی زبان عام بن سکے گی جس میں عام بننے کی صلاحیت ہے تاہم یہ بحث چھڑی تو انجمن ترقی اردو کو اپنے گوشہ نشینی سے نکلنا پڑا اور اس موقع پر انجمن کے معتمد مولوی عبدالحق صاحب اردو کی حفاظت اور اشاعت میں جو دوا دوش اور جدوجہد کر رہے ہیں وہ انکی زندگی کا ایک علمی کارنامہ ہے۔

دہلی میں انجمن ترقی اردو کا صدر دفتر قائم ہو رہے تھے متعلق آپ نے فرمایا۔

مولوی عبدالحق صاحب کی معتمدی کے زمانہ میں ابتدا سے انجمن ترقی اردو کا صدر دفتر ممالک محروسہ سرکار عالی میں اور نگاہ آباد رہا اور یہ مقام خاموش علمی کام کیواسطے ہر طرح حمورز نکلا لیکن جب معرکے پڑے تو تبدیلی مقام لازم ہو گیا۔ ایسے موقع پر دہلی سے بہتر کون سا مقام ہو سکتا تھا۔ اول تو یہ اردو کا قدیم وطن اور مولد و مسکن ہے پھر ہندوستان کا مرکز ہے کہ اگر ملک کی ملت جنگی تصدیق پر تحریکات جلتی ہیں وہ وقتاً فوقتاً جمع ہوتے ہیں تبادلہ خیالات کرتے ہیں پالیسی کے جو سکتے ہیں ان ڈھلتے ہیں بہ آسانی ہر جگہ چلتے ہیں۔ پس اردو کی حفاظت و اشاعت کا جو کام انجمن کے ذمہ ہے اسکے واسطے دہلی سے بہتر صد مقام نہیں ہو سکتا۔ امید ہے کہ اہل دہلی مقامی معاملات میں انجمن کی ہر طرح امداد فرمائیں گے۔ یہ امر معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ دہلی کے اعلیٰ احکام علم دوست ہیں اور اعلیٰ اداروں کی علمی امداد فرماتے ہیں۔

جناخندہ دلی کے چیف کمنشنر صاحب نے اپنی عنایت و ہمدردی سے حصول آرامی میں بچن کی بہت تائید فرمائی کہ وہاں اس کی عمارت تعمیر ہو سکے صاحب ممدوح کا یہ احسان ہمیشہ یاد رہے گا اور بچن کے اراکین پر اس کا شکریہ واجب ہے۔

چیف کمنشنر کی تقریر | مسٹر ای۔ ایم چنگیز چیف کمنشنر صوبہ دہلی نے ٹاؤن ہال میں آگے کے پراسے دیکار ڈول کی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ دوسری چیزوں کی طرح زبان بھی پیدا ہوتی ہے نشوونما پاتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے جہاں تک زبان اپنے استعمال کرنے والوں کی حقیقی ضرورتوں کو ظاہر کرتی ہے اور جہاں تک ضرورتیں قدرتی ہیں زبان کے لیے نشوونما اور تبدیلی ضروری ہے لیکن اگر وہ ضرورتیں غیر قدرتی ہیں تو ان میں متزلزل ہو سکتا ہے۔ جب کوئی زبان ادبی نوعیت اختیار کرتی ہے تو تعلیم یافتہ طبقہ کی ایک جماعت اس بات پر زور دیتی ہے کہ اس کے چند معیار قائم رکھے جائیں۔ برطانیہ کی طرح ہندوستان میں بھی ہم ان کتابوں پر ہی زہن مائل کا دار و مدار رکھتے ہیں جو سند دانی جاتی ہیں آپ نے مزید فرمایا کہ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ ہندوستان کو ایک مشترکہ زبان کی ضرورت ہے ہمیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ ضرورت اس طرح سے پوری ہو سکتی ہے کہ عام استعمال کے لیے اردو کی مختصر شکل کو جسے ہندوستانی کا نام دیا جاتا ہے مستند کیا جائے لیکن اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اس تعلیم زبان کے پس منظر کو بھی قائم رکھا جائے اس لحاظ سے زبان اردو کے معیار کو قائم رکھنا ظاہر ہے ہندوستان سے قطع نظر اگر اردو بلا امتیاز ایک فلاسفر اور شاعر کے لیے مشترکہ زبان بن سکتی ہے تو میرا خیال ہے کہ اس کے ذرائع کی دولت اسے مضبوط بنائے گی اور وہ کسی نہ کسی صورت میں ہندوستان کی مشترکہ زبان بن جائے گی۔

باہتمام سید توسل حسین بوناٹسٹانڈیا پریس لکھنؤ میں طبع ہوئی
خطی۔ مردہ دہلی میں تازگی اور توت پیدا کرنیوالی کتاب قیمت ۸۰

CALL No. ۹۲۸۹۱۲۳۱ ACC. NO. ۲۵۲۰
 AUTHOR نادر کدروی
 TITLE اردو کے نثر و ادیب

URDU

۹۲۸۹۱۲۳۱
 ۲۵۲۰
 نادر کدروی
 اردو کے نثر و ادیب

Date	No.	Date	No.

THE BOOK MUS



MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.